طارق اسماعیل ساگر کے چشم کشا مضامین کا مجموعہ......جن میں تمام اندرونی وبیرونی خطرات وسازشوں کی نشاندہی کی گئی ہے

14 اگست 2009 کے موقع پر، پاکستانی نوجوانوں کو باشعور کرنے کی کتاب گھر کی ایک خصوصی کاوش



# پاکستان عالمی سازش
# کے نرغے میں

## طارق اسمٰعیل ساگر

ترتیب وتحقیق : فضل حسین اعوان

## سیونتھ سکائی پبلیکیشنز

غزنی سٹریٹ الحمد مارکیٹ 40۔ اُردو بازار لاہور

فون 7223584 موبائل 0300-4125230

## نوٹ:

# فہرست

# پیش رفت

فضل حسین اعوان کا تعلق صحافیوں کی اُس قبیل سے ہے جو کچھ کرنے کی ٹھان لیں تو کر گزرتے ہیں۔ ان کی مستقل مزاجی نے مجھ جیسے ناکارہ کو بھی سرِتسلیم خم کرنے پر مجبور کر دیا۔ یہ کتاب جو فضل حسین اعوان نے مرتب کی ہے میرے اُن مضامین کا مجموعہ ہے جو گزشتہ دو سال میں وقتاً فوقتاً ملک کو درپیش صورتحال کے حوالے سے لکھے گئے ہیں اور بدقسمتی سے گزشتہ آٹھ دس سال سے ملک کو ایک ہی جیسے حالات کا سامنا ہے۔ بدامنی ہماری بدبختی بن گئی ہے۔ امن و امان کی صورتحال ایسی ہے جس نے عوام کو ذہنی مریض بنا دیا ہے۔ دھماکوں، خودکش حملوں، مہنگائی، کرپشن اور لوڈشیڈنگ نے ہر چوتھے پاکستانی کو نفسیاتی اور ذہنی مریض بنا دیا ہے۔

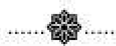
میں نے ان مضامین میں اپنی دانست میں ایک ذمہ دار صحافی ہونے کے ناطے پاکستان کے تمام شہریوں کو اُن خطرات سے آگاہ کرنے کی کوشش کی ہے جو ہماری سلامتی کو عالمی اور اندرونی سطح پر لاحق ہیں۔ بدقسمتی سے میں بھی آپ کی طرح صرف نوحہ خوانی ہی کر سکتا ہوں۔ جنھوں نے ان مسائل کا حل تلاش کرنا ہے وہ سودے بازی کرنے کے بعد اقتدار کے ایوانوں میں قدم رنجہ فرماتے ہیں اور اُن بے چاروں کی حیثیت ''غلام'' سے زیادہ اور کچھ نہیں ہوتی۔ علامہ اقبال نے فرمایا ہے

بھروسہ کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر
کہ دنیا میں فقط مردانِ حُر کی آنکھ ہے بینا

اللہ ہمارے حال پر رحم فرمائے

طارق اسمٰعیل ساگر

18 اکتوبر 2008



# پاکستان پر دہشت گردوں کا حملہ



ایشیا ٹائمز کی اطلاع کے مطابق پاکستان میں امریکی فوج کی پراسرار آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے اور تین سو امریکی کمانڈوز تربیلا پہنچ گئے ہیں۔ ان کے ساتھ امریکہ سے 20 بڑے کنٹینرز بھی آئے ہیں جنہیں کھول کر دیکھنے کی اجازت پاکستانی حکومت کو نہیں ملی البتہ ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں ان کے ساتھ آئی ہیں۔ ایشیا ٹائمز نے دعویٰ کیا ہے کہ ان امریکی میرینز کا کوئی تربیتی مشن نہیں' نہ ہی یہ اس پروگرام کے تحت آئے ہیں جس میں امریکہ کی طرف سے پاکستانی افواج کو ٹریننگ کی بات کی گئی ہے بلکہ یہ تربیت یافتہ کمانڈوز تو اس مہم کا حصہ بننے آئے ہیں جو دہشت گردی کے خلاف جنگ کے سلسلے میں' نئے راؤنڈ کے تحت شروع ہونے والی ہے۔ اس ضمن میں بعض باخبر عالمی حلقوں کا دعویٰ ہے کہ امریکن الیکشن سے پہلے کے چند ہفتے پاکستانیوں کیلئے بڑے آلام ومصائب لے کر آ رہے ہیں۔ یہ حلقے بضد ہیں کہ پاکستانی حکومتی عہدیداروں کے بیانات اور اس نوعیت کی خبریں کہ پاکستان امریکی مداخلت اپنی سرحدوں میں برداشت نہیں کرے گا صرف خبریں ہیں' باقی تمام معاملات طے پا چکے ہیں اور امریکن اپنے انتخابات سے پہلے کچھ خصوصی کامیابیاں حاصل کرنے کے لئے زیادہ شدت سے حملہ آور ہوں گے جس میں انہیں پاکستان کی مکمل معاونت حاصل ہو گی۔ ان خدشات کو رحمٰن ملک کے اس حالیہ بیان سے تقویت ملتی ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ پاکستان قبائلی شورش زدہ علاقوں اور سوات میں مزید فوج بھیجے گا اور عسکریت پسندی کے مکمل خاتمے تک یہ جنگ جاری رہے گی۔



امریکی میڈیا کی طرف سے پاکستان سے متعلق بعض چونکا دینے والے حقائق سامنے آئے ہیں اور امریکی ذرائع ابلاغ کا یہ دعویٰ ہے کہ آصف زرداری کے ساتھ بھی امریکہ کے تمام معاملات طے پا چکے ہیں۔ اس ضمن میں امریکی فوج کی طرف سے "فرنٹیر کانسٹیبلری" کی ٹریننگ کا معاہدہ بھی شامل ہے۔ جنرل مشرف سے ہمدردی رکھنے والے حلقوں کا دعویٰ ہے کہ امریکنوں نے انہیں متعدد مرتبہ اس کی پیشکش کی تھی لیکن وہ امریکی فوجیوں کی پاکستان میں آمد کے خلاف تھے گو کہ یہ بھی بڑی عجیب بات لگتی ہے کیونکہ جنرل مشرف نے تو امریکیوں کیلئے پاکستان کو چراگاہ بنا کر پیش کر دیا تھا۔ آج بھی جیکب آباد کا ہوائی اڈہ اور پاکستان کے دو تین اہم شہروں میں امریکنوں کے خفیہ سنٹر بہر حال کام کر رہے ہیں اور ایک محتاط اندازے کے مطابق سی آئی اے کے قریباً تین سو ایجنٹ پاکستان میں ہمہ وقت مصروفِ عمل رہتے ہیں۔ میریٹ ہوٹل میں ہونے والے دھماکوں کے حوالے سے بھی یہ بات سامنے آ چکی ہے کہ وہاں امریکنوں کی پراسرار نقل وحرکت نوٹ کی گئی تھی۔ دھماکہ کرنے والے اور اس کی ذمہ داری لینے والوں نے یہ تعداد قریباً ڈھائی سو بتائی ہے۔ بہر حال یہ کہنا کہ جنرل مشرف اس کے خلاف تھے خاصا مضحکہ خیز لگتا ہے اس کے باوجود یہ حلقے بضد ہیں کہ امریکی فوجیوں کی پاکستان میں موجودگی کا معاہدہ بھی حکومت سے ہوا ہے۔



کون سچا ہے اور کون جھوٹا؟ شاید اس سوال کا پاکستانی عوام کو کبھی جواب نہ مل سکے لیکن اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ پاکستان پر ایک

منظم سازش کے تحت دہشت گردوں نے حملہ کر دیا ہے۔ میرٹ ہوٹل پر حملے کو صرف کسی فائیو سٹار ہوٹل پر حملے سے تشبیہ دینا کم عقلی ہے' یہ دراصل پاکستان کی سالمیت پر حملہ ہے۔ حملہ آوروں نے وی آئی پی کی آماجگاہ پر حملہ کر کے ہمیں یہ پیغام دیا ہے کہ اگر وہ سکیورٹی الرٹ کے باوجود اسلام آباد میں چھ ویلر ٹرک اور ہزار کلو بارود لا سکتے ہیں تو بہت کچھ کر سکتے ہیں اور پاکستان کا کوئی شہران کی دسترس سے باہر نہیں۔ 23 ستمبر کے نیوز ویک نے ایک اہم سٹوری Pakistan's Dangerous Double Game کے عنوان سے شائع کی ہے جس میں آئی ایس آئی کے حوالے سے بہت گھٹیا الزامات لگائے گئے ہیں اور ماضی کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ جب آئی ایس آئی کو ٹارگٹ کیا جائے تو اس کے پس پردہ بہت سے اور مقاصد ہوتے ہیں۔ افسوس تو اس بات پر ہے کہ حکومتی سطح پر ان الزامات کا مثبت جواب نہیں دیا جاتا۔ میریٹ ہوٹل پر حملہ ناقص سکیورٹی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں خواہ اس کا کچھ بھی جواز پیش کیا جائے اور دوسری نہایت اہم بات یہ ہے کہ جو آر ڈی ایکس اور دوسرا مواد استعمال کیا گیا وہ لاکھوں کروڑوں روپے کا ہے' جو اسلحہ بارود پاکستان آرمی کے خلاف عسکریت پسند استعمال کر رہے ہیں وہ بھی اس سے زیادہ مالیت کا ہوگا' یہ بھی شنید ہے کہ بعض عسکریت پسند گروپ اپنے کارکنوں کو باقاعدہ تنخواہ دیتے ہیں' آخر یہ سارا خرچ کون اٹھاتا ہے؟ جو غیر ملکی دہشت گرد وہاں موجود ہیں ان کی دیکھ بھال اور دیگر معاملات پر جو خرچ اٹھتا ہے وہ کون اٹھاتا ہے؟ ظاہر ہے پس پردہ کوئی اور ہے اور اس سوال کا جواب ڈھونڈنے کے لئے کوئی بڑے پزل حل نہیں کرنے پڑتے۔ اس وقت افغانستان میں دس ہزار بھارتی فوجی موجود ہیں جو بظاہر تو انجینئرنگ سے متعلق بتائے جاتے ہیں لیکن وہ سب پیشہ ور فوجی ہیں اور وہاں صرف اس لئے موجود ہیں کہ پاکستان کے خلاف انہیں استعمال کیا جا سکے۔ افغان سرحدوں کے ساتھ ساتھ قریباً بھارتی قونصلیٹ بھی افغانستان کی خدمت کرنے کے لئے اور بھارت کے مذموم مقاصد کی بجا آوری کے لئے موجود ہیں۔ ان حالات میں جب دہشت گردوں نے چاروں طرف سے پاکستان کا گھیراؤ کر لیا ہے' حکومت کو بہر حال ایک واضح پالیسی اپنانا ہوگی۔ قوم کو اعتماد میں لینا ہوگا کہ سوائے اس کے اور کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا۔

انٹیلی جنس امور خصوصاً تزویرات کو سمجھنے والے عموماً خط کا مضمون لفافہ دیکھ کر بھانپ لیا کرتے تھے۔ امریکہ نے جب کسی ملک کا گھیراؤ کرنا ہو تو اس کے سی آئی اے باقاعدہ ایک منصوبہ بناتی ہے جس پر مرحلہ وار عمل کیا جاتا ہے۔ یہ منصوبہ اتنا فول پروف ہوتا ہے کہ اس میں غلطی کی گنجائش عموماً ہوتی نہیں لیکن کسی مرحلے پر اگر غلطی ہو بھی جائے اور یہ ناقابل عمل دکھائی دے تو منصوبہ ختم کرتے ہوئے اپنے دو تین ایجنٹوں کی بلی چڑھانا بھی سی آئی اے کی بھیانک تاریخ ہے۔

جنرل (ر) مشرف کی چھٹی ہوتے ہی جب ہمارے سیاسی زعماؤں نے ایک دوسرے سے لڑنا جھگڑنا شروع کر دیا اور قوم سے کئے اپنے وعدے بھول گئے تو عوام میں ایک خاص ردعمل فطری طور پر پیدا ہوا، لیکن طویل آمریت سے خوفزدہ پاکستانی اب سڑکوں پر آنے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتے تھے اس صورت میں دوبارہ ایک طویل آمریت ان کے سروں پر مسلط ہو جاتی یہی وجہ تھی کہ نئی سیاسی حکومت کی وعدہ خلافیاں عوام نے ٹھنڈے پیٹوں پر برداشت کر لیں اور تماش بینوں کو مطلوبہ نتائج نہ مل سکے جس کے فوراً بعد انہوں نے دوسرا حملہ کیا اور اچانک پاکستانی سرحدی علاقوں میں پہلے سے موجود شورش اپنے نقطہ عروج کو چھونے لگی حیرت انگیز طور پر تین چار محاذ کھول دیئے گئے۔

پہلا محاذ تو شیعہ سنی فساد کا کھلا اچانک اس کی شدت بڑھنے لگی دونوں مسلح گروپوں نے ایک دوسرے پر حملے شروع کر دیئے۔

دوسرا محاذ بریلوی' دیوبندی ٹکراؤ کا کھلا جب منگل باغ اور متحارب گروپ کا تکرار شروع ہوا۔ مہمند ایجنسی میں طالبان کے دو گروپ ایک دوسرے سے لڑنے لگے۔ باڑہ اور خیبر ایجنسی کے دیگر علاقوں میں مختلف عسکریت پسند گروپ ایک دوسرے سے دست و گریباں ہو گئے جبکہ وزیرستان میں بیت اللہ محسود کے پیروکاروں نے خودکش حملے بند کر دیئے۔ درہ آدم خیل میں سکیورٹی فورسز عسکریت پسندوں سے ٹکراؤ شدت پکڑ گیا۔ سوات میں دوبارہ مولوی فضل اللہ سرگرم ہوگیا۔ اس سلسلے میں سب سے حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ان تمام واقعات میں کہیں بھی افغانستان یا امریکی فوج کی ناک پر مکھی بھی نہیں بیٹھی یہ سب گروہ آپس میں لڑ رہے ہیں اور ایک دوسرے سے فارغ ہوں تو پاکستانی سکیورٹی فورسز سے لڑنا شروع کر دیتے ہیں۔ یعنی کہیں بھی امریکہ یا افغانستان متاثر ہوتا دکھائی نہیں دے رہا۔ یہ ساری شورش اس سازش کا حصہ ہے جو پاکستان اور صرف پاکستان کے خلاف ہو رہی ہے۔ تمام گروہ پاکستان پر حملہ آور ہیں اپنے ملک کی فوج سے لڑ رہے ہیں۔ امریکہ صرف اتنا رول ادا کرتا ہے کہ باجوڑ وزیرستان یا کسی بھی اور مقام پر جہاں پاکستان بعد از خرابی بسیار صلح کی کوئی صورت نکالتا ہے جرگے اور عسکریت پسندوں کے درمیان معاملات طے پاتے ہی وہاں حملہ کر کے معاملات بگاڑ دیتا ہے۔ اب ہمیں اس سازش کی سمجھ آ جانی چاہئے اور یہ سوال اپنی جگہ موجود ہے کہ بیت اللہ محسود نے اب تک کتنے حملے امریکن فوج پر کیے ہیں اور کتنے پاکستان پر؟ اب آخری بات پر بھی غور فرما لیں کہ جو 'مجاہدین' مارے جاتے ہیں ان میں سے اب تک درجنوں کی لاشیں ایسی ہیں جن کے لباس اور شکل وصورت تو طالبان جیسی تھی لیکن ان کی سنت (ختنہ) نہیں ہوئی تھی یہ کون لوگ ہیں؟ امید ہے آسانی سے سمجھ آ جائے گی۔ پشاور کے مضافات سے افغانی قونصلیٹ کا اغوا' افغانی قونصلیٹ کا اطلاع دیئے بغیر پرائیویٹ سفر کرنا اور اب افغانستان کی چیخ و پکار کہ ان کے سفارتکاروں کا تحفظ کیا جائے۔ اس سازشی سلسلے کی کڑی ہے اور مرے پر سو دُرے اب امریکہ نے جنرل (ر) مشرف کی مشترکہ فوجی گشت' والی تجویز بھی اپنی فائلوں سے نکال لی ہے کہ پاکستان نے خود ہی یہ درخواست کی تھی اگر امریکہ افغانستان اور پاکستان کی مشترکہ فوج ہوگی تو وہ شورش زدہ علاقوں میں مشترکہ کارروائی بھی کریں گے اور اس تلخ حقیقت کو فراموش نہ کیجئے کہ القاعدہ کا ٹھکانہ پشاور' راولپنڈی' لاہور' ملتان' کراچی کسی بھی جگہ دریافت کیا جا سکتا ہے اور وہاں یہی فوج کارروائی کر سکتی ہے۔ خدارا عقل کے ناخن لیں ہوش کریں اور پاکستانیوں کیلئے محض اپنے چند روزہ اقتدار کیلئے لاینحل مسائل کھڑے نہ کریں۔



# 20 ستمبر پاکستان کا نائن الیون بن گیا



وفاقی دارالحکومت اسلام آباد میں ہفتہ کی شب 20 ستمبر ہونے والے خوفناک ہیبت ناک اور دل لرزا دینے والے خودکش حملے نے ایک بار پھر قانون نافذ کرنے والے اداروں کی عملداری اور حساسیت کو چیلنج کر دیا ہے کہ کس طرح 1 ہزار کلوگرام بارود سے لدے منی ٹرک نے اسلام آباد کے معروف میریٹ ہوٹل کو نشانہ بنا کر موت بانٹ دی اور سیکورٹی ادارے ہمیشہ کی طرح اس بار بھی بے بس نظر آئے۔ حکومت کو اطلاع تھی کہ خودکش حملے کا خدشہ ہے لیکن سیکورٹی ایجنسیوں کی تمام تر توجہ پارلیمنٹ کی طرف تھی جہاں 20 ستمبر کو قومی اسمبلی اور سینٹ کے مشترکہ اجلاس سے نومنتخب صدر آصف علی زرداری نے خطاب کرنا تھا۔ اس سلسلے میں پارلیمنٹ کی حفاظت کیلئے 3 سیکورٹی زون بنائے گئے تھے۔ جبکہ اسلام آباد میں جگہ جگہ پر چیک پوسٹیں بھی قائم کی گئی تھیں لیکن صدر کے خطاب کو تو فول پروف بنا دیا گیا تاہم عوام کی حفاظت کیلئے کوئی انتظام نہیں کیا گیا اور آصف علی زرداری کے خطاب کے چند گھنٹے بعد رات 8 بجے وفاقی دارالحکومت خوفناک دھماکے سے لرز اٹھا۔ ماہرین کے مطابق یہ خودکش حملہ شدت کے حوالے سے پاکستان کی تاریخ کا سب سے خوفناک حملہ ہے۔ اس سے قبل امسال کے آغاز میں لاہور کی ایف آئی اے بلڈنگ میں ہونے والے خودکش حملے میں بھی اسی طرز کا طریقہ کار استعمال کیا گیا تھا جس میں 60 کلوگرام دھماکہ خیز مواد استعمال ہوا تھا۔

سانحہ میریٹ ہوٹل میں 60 سے زائد افراد ہلاک اور سینکڑوں زخمی ہو چکے ہیں۔ ہلاک ہونے والوں میں چار غیر ملکی اور 4 خواتین بھی شامل ہیں۔ دھماکے کے وقت میریٹ ہوٹل کی 5 منزلہ عمارت کے 315 کمروں میں سے 90 میں غیر ملکی رہائش پذیر تھے۔ جبکہ افطاری کیلئے 300 سے زائد افراد ہوٹل میں موجود تھے۔ دھماکے سے ہوٹل سے متصل ایک کلومیٹر کے اندر موجود عمارتوں فرنٹیئر ہاؤس، پی ٹی وی بلڈنگ، کشمیر ہاؤس، نج کاری کمشن کی عمارت وغیرہ کو شدید نقصان پہنچا جبکہ ہوٹل کے پار کھڑی گاڑیوں سمیت کل 450 گاڑیاں تباہ ہو گئیں، اور درخت جڑوں سے اکھڑ گئے۔ دھماکے سے ہوٹل میں آگ لگ گئی جس پر گھنٹوں کی کاوش کے بعد قابو پایا گیا۔ دھماکے کی شدت کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہاں پر 20 فٹ چوڑا اور 15 فٹ گہرا گڑھا پڑ گیا۔

اسلام آباد خودکش حملے پر صدر وزیراعظم سمیت ہر مکتبہ فکر نے اظہار افسوس کیا۔ صدر آصف علی زرداری جو اس وقت وزیراعظم ہاؤس میں سپیکر قومی اسمبلی ڈاکٹر فہمیدہ مرزا کی جانب سے دی جانے والی افطاری میں شریک تھے بعد میں قوم سے اپنے مختصر خطاب میں انہوں نے کہا کہ خودکش حملے کے باوجود دہشت گردی کے خلاف پاکستان کے عزم میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ قوم ان شدت پسندوں کی بزدلانہ حرکتوں سے ڈرنے والی نہیں ہے اور ایک دن آئے گا کہ یہ شدت پسند اس پاکستانی قوم کے سامنے جھکیں گے۔ انہوں نے تمام سیاسی جماعتوں سے کہا کہ وہ حکومت کے ساتھ مل کر ملک سے ان انتہا پسندوں کا خاتمہ کریں۔ صدر نے خودکش حملے میں ہلاک ہونے والوں سے ہمدردی کا اظہار کیا جبکہ زخمیوں کے بارے میں ان کا کہنا

تھا کہ حکومت اُن کا خیال رکھے گی۔

ادھر میڈیا سے بات کرتے ہوئے پاکستان کے وزیرِ دفاع احمد مختار نے کہا۔ دہشت گردوں کے خلاف جنگ میں اسی طرح کا ردعمل سامنے آسکتا ہے جس طرح میریٹ کے باہر خودکش حملہ ہوا ہے۔ جائے حادثہ کے دورے کے موقع پر صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ایسے واقعات میں ملوث افراد کو پیسہ افغانستان سے منشیات کے سمگلر فراہم کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ افغانستان میں سالانہ 50 ملین ڈالر منشیات کی تجارت ہورہی ہے۔ جب اُن سے پوچھا گیا کہ کیا اس واقعہ میں کوئی غیر ملکی ہاتھ ملوث ہیں تو انہوں نے کہا کہ جب تک اس کی تحقیقات نہیں ہوتیں اُس وقت تک اس بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ادھر مشیرِ داخلہ رحمان ملک نے میریٹ دھماکے کو پاکستان کا نائن الیون قرار دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ دھماکے کی شدت سے ہونے والے نقصان کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا بالکل درست ہے کہ یہ واقعہ پاکستان کا نائن الیون ہے۔ وفاقی وزیرِ قانون فاروق حسین نائیک نے بھی میریٹ دھماکے کی مذمت کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ حملے کے ذمہ دار افراد کو انصاف کے کٹہرے میں کھڑا کیا جائے گا۔ جماعت اسلامی کے لیاقت بلوچ نے کہا کہ حال ہی میں دہلی بم دھماکوں کے بعد بھارت میں نعرے لگے تھے کہ ہم دہلی بم دھماکوں کا انتقام پاکستان سے لیں گے۔ حکومت کو اس جانب بھی غور کرنا چاہئے۔ دریں اثناء عالمی رہنماؤں نے بھی خودکش حملے کی مذمت کی ہے۔ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل بان کی مون کے ترجمان نے ایک بیان میں کہا ہے کہ سیکرٹری جنرل نے حکومت پاکستان، پاکستانی عوام اور دھماکے کے متاثرین سے تعزیت کرتے ہوئے واقعہ پر دلی رنج کا اظہار کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ شہریوں پر ایسے حملوں کا کوئی جواز نہیں ہے۔ امریکی صدر جارج ڈبلیو بش نے کہا کہ امریکہ اسلام آباد بم حملے کے ذمہ دار افراد کو کیفرِ کردار تک پہنچانے میں پاکستان کی مدد کرے گا۔ اس واقعے سے یہ بات واضح ہوئی ہے کہ پاکستان اور امریکہ کو دہشت گردی سے نمٹنے کے لئے مل کر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ اگرچہ کسی گروپ نے اس حملے کی ذمہ داری قبول نہیں کی ہے تاہم پھر بھی صدر بش نے کہا کہ یہ حملہ امریکہ، پاکستان اور اقوامِ عالم کی سکیورٹی کو القاعدہ اور اس کے حامیوں سے درپیش خطرے کا مظہر ہے۔ یمن میں امریکی سفارتخانے پر حملے کو پاکستان میں ہونے والے حملے سے جوڑتے ہوئے صدر بش نے کہا کہ ان واقعات سے ظاہر ہے کہ دہشت گردی کی کوئی سرحد نہیں ہے۔ برطانوی وزیرِ خارجہ ڈیوڈ ملی بینڈ نے کہا ہے کہ اسلام آباد حملہ ایک شرمناک عمل ہے، اور برطانیہ دہشت گردی سے نمٹنے کے لئے پاکستان کے ساتھ مل کر کام کرنے کے لئے پرعزم ہے۔ برطانوی دفتر خارجہ کی جانب سے جاری کردہ پریس ریلیز کے مطابق ڈیوڈ ملی بینڈ کا کہنا تھا کہ اسلام آباد میں بم دھماکے کا تازہ ترین واقعہ ایک ایسا قبیح اور شرمناک عمل ہے جس کی کوئی توجیح پیش نہیں کی جاسکتی۔ اس بربریت کی عالمی سطح پر مذمت کی جانی چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ وہ اس دھماکے سے متاثر ہونے والے افراد کے غم میں شریک ہیں اور برطانیہ ان شدت پسندوں کے خلاف حکومت پاکستان کے شانہ بشانہ کھڑا ہے جو صرف انتشار پھیلانا اور موت بانٹنا جانتے ہیں۔

میریٹ ہوٹل میں ہونے والا خودکش حملہ اسلام آباد میں ہونے والے خودکش حملوں کا دسواں حملہ تھا اور اس حملے سمیت ان حملوں میں سو سے زائد افراد ہلاک ہوچکے ہیں۔ پاکستان کی تاریخ میں سب سے پہلا خودکش حملہ انیس نومبر انیس سو پچانوے میں اسلام آباد میں قائم مصر کے سفارتخانے میں ہوا۔ مصری حملہ آور نے بارود سے بھرا ٹرک سفارتخانے کے احاطے میں اڑا دیا جس کے نتیجے میں چودہ افراد ہلاک ہوئے۔ اسلام آباد

میں دوسرا خودکش حملہ 27 مئی 2005ء کو اسلام آباد میں بری امام کے مزار میں ہوا۔ اس سانحہ میں لگ بھگ بیس افراد ہلاک ہوئے۔ 26 جنوری 2007ء کو وفاقی دارالحکومت میں میریٹ ہوٹل کے باہر خودکش حملے میں حملہ آور اور سکیورٹی گارڈ ہلاک ہوا جبکہ پانچ لوگ زخمی ہوئے۔ اس کے بعد 2007ء ہی کو 6 فروری کو اسلام آباد ایئرپورٹ کے احاطے میں ایک اور خودکش حملہ ہوا جس میں صرف حملہ آور ہلاک ہوا جبکہ تین سکیورٹی اہلکار زخمی ہوئے۔ 2007ء ہی میں 18 جولائی کو اسلام آباد ڈسٹرکٹ کورٹس میں وکلاء کنونشن کے پنڈال کے قریب خودکش حملے میں بیس سے زائد افراد ہلاک ہوئے۔ یہ حملہ معزول چیف جسٹس افتخار محمد چودھری کی آمد سے کچھ دیر قبل ہوا۔ ابھی اسلام آباد کے رہائشی لال مسجد آپریشن کے ذہنی دباؤ سے نکلے نہ تھے کہ 27 جولائی 2007ء کو مسجد کو دوبارہ کھولا گیا اور ایک بار پھر ہنگامہ آرائی ہوئی۔ اس ہنگامے کا اختتام لال مسجد کے قریب آبپارہ مارکیٹ میں خودکش حملے سے ہوا جس میں سات پولیس اہلکاروں سمیت پندرہ افراد مارے گئے۔ 15 مارچ 2008ء کو اسلام آباد کے علاقے سپر مارکیٹ کے قریب ایک غیر ملکی ریسٹوران میں دھماکے کے نتیجے میں ایک خاتون ہلاک اور کم از کم پندرہ افراد زخمی ہو گئے۔ 2 جون 2008ء کو اسلام آباد میں ڈنمارک کے سفارتخانے کے باہر کار بم دھماکے میں چھ افراد ہلاک اور پچیس زخمی ہو گئے۔ 6 جولائی 2008ء کو پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد میں ایک خودکش حملے میں کم از کم انیس افراد ہلاک اور چالیس سے زائد زخمی ہو گئے۔ یہ دھماکہ ایسے وقت ہوا جب اسلام آباد میں لال مسجد آپریشن کے ایک سال مکمل ہونے کے موقع پر علماء کنونشن کا انعقاد ہو رہا تھا اور اس حوالے سے شہر بھر میں سکیورٹی کا خصوصی بندوبست کیا گیا تھا۔

اسلام آباد کے ریڈ سکیورٹی زون میں واقع اس میریٹ ہوٹل پر حالیہ برسوں میں حملے کا یہ تیسرا واقعہ قرار دیا جا رہا ہے اس سے قبل 26 جنوری 2007ء کو ہوٹل کے باہر خودکش حملے میں حملہ آور اور سکیورٹی گارڈ ہلاک ہوا جبکہ 5 زخمی ہوئے۔ 2004ء میں جنوبی وزیرستان سے تعلق رکھنے والے عسکریت پسند عبداللہ محسود نے ہوٹل میں ہوئے ایک پراسرار دھماکے کی ذمہ داری قبول کی تھی جو اس وقت کی حکومت کے مطابق شارٹ سرکٹ کی وجہ سے ہوا تھا۔ پاکستان کے مختلف شہروں اور قبائلی علاقوں میں امسال 63 حملے ہوئے جن میں سے 35 خودکش حملے ہیں۔ میریٹ ہوٹل خودکش حملے والے دن بھی وانا اور میران شاہ میں سکیورٹی فورسز پر خودکش حملے ہوئے جن میں 17 افراد لقمہ اجل بن گئے۔ پاکستان کی تاریخ کا ایک اہم دن جس روز پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس سے صدر آصف علی زرداری نے چاروں صوبوں کے وزرائے اعلیٰ، سیاسی قائدین اور عسکری قیادت کی موجودگی میں بڑے پرامن انداز میں خطاب کیا اور جمہور جمہوریت کا جشن منا رہے تھے کہ چند گھنٹوں بعد میریٹ کے سانحہ نے ساری فضا سوگوار بنا دی۔



# دھماکے

یوں تو قیام پاکستان کے فوراً بعد ہی تخریب پاکستان کا بھی اس کے بدخواہوں نے آغاز کر دیا تھا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جب پنڈت جواہر لال نہرو تقسیم ہند کے معاہدے پر دستخط کر رہے تھے اور کچھ کانگریسی راہنما نہایت سوگوار دکھائی دے رہے تھے تو انہوں نے مسکراتے ہوئے ان سے کہا تھا کہ پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں' جلد یا بدیر پاکستان پکے ہوئے آم کی طرح ہماری جھولی میں آن گرے گا۔ فی الوقت اگر ہم نے تقسیم ہند کی مخالفت جاری رکھی تو بھارت کے مسلمانوں کی حمایت سے بھی محروم ہو جائیں گے۔ قیام پاکستان کے فوراً بعد سے آج تک بھارت کا طرز عمل خصوصاً پاکستان کی سالمیت کو نقصان پہنچانے میں اس کا کردار ہر ذی شعور پاکستانی پر عیاں ہے۔ 1971ء کا سانحہ گو کہ اب ہمارے لئے محض ایک تعریفی حوالہ بن چکا ہے اور ہماری نااہل قیادت اور ناعاقبت اندیش اسٹیبلشمنٹ نے کبھی یہ چاہا ہی نہیں کہ ہماری نئی نسل اس المیے کے درد کا ادراک کرے اور اسے ہمیشہ یاد رہے کہ اس کے ہمسائے میں ایک ایسی ریاست بھی موجود ہے جس نے ان کے ملک کو دولخت کیا تھا۔

پاکستان کے خلاف غیر ملکی سازشوں کی تاریخ بڑی بھرپور اور خوفناک ہے۔ بدقسمتی سے پاکستانی عوام کو ہمیشہ ان سازشوں سے بے خبر رکھا گیا' گو کہ ان کا ارباب بست وکشاد کو بہت پہلے علم ہو جاتا تھا لیکن قیام پاکستان کے فوراً بعد ہی سے چونکہ ہماری بیوروکریسی نے خود کو ماورائی مخلوق سمجھ کر عوام سے الگ تھلگ ایک جزیرے میں آباد کر لیا تھا اور کبھی کسی مسئلے پر عوام کو اعتماد میں لینے کی کوشش بھی نہیں کی۔ نتیجہ ظاہر ہے عوام کو کسی بھی سازش کا علم یا احساس تب ہوا جب ان کے سر پر آسمان ٹوٹا۔ ہم نے اخبارات میں پڑھا اور اخبارات کو یہ خبریں ریٹائرڈ سرکاری افسران نے بتائیں جن میں بعض جغادری جرنیل بھی شامل ہیں کہ کبھی پاکستان پر اسرائیلی فضائیہ بھی حملہ آور ہونے والی تھی۔ اس کے جہاز سرینگر کے فوجی ہوائی اڈے پر حملے کیلئے پر تول رہے تھے۔ جب کسی بروقت اور جاندار وارننگ نے انہیں تل ابیب واپس جانے کی راہ دکھا دی۔ اسی طرح پاکستانی ایٹمی پروگرام خصوصاً کہوٹہ کے حوالے سے بھی ہم تک سنی سنائی اطلاعات ہی پہنچتی ہیں۔ جو اس بات کا ثبوت ہے کہ ہمارے ارباب اختیار خود کو عقل کل سمجھتے ہیں اور ان کے نزدیک پاکستانی عوام اس قابل بھی نہیں کہ کسی معاملے پر انہیں اعتماد میں لیا جائے حالانکہ تاریخ سے ایسی درجنوں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں کہ جب کسی قوم پر کوئی مشکل وقت آیا اس کے لیڈروں نے عوام کو اعتماد میں لینا ضروری جانا اور عوام نے حکومت کے کندھے سے کندھا ملا کر اس سازش کو ناکام بنایا۔

اسے بدقسمتی یا ہمارے اربابِ اختیار کی ناعاقبت اندیشی ہی کہا جائے گا کہ وہ ایسا ضروری نہیں سمجھتے۔ الّا یہ کہ حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ کو تیس سال تک عوام سے چھپائے رکھا لیکن ایک بھارتی رسالے میں اس رپورٹ کے بیشتر مندرجات شائع ہونے کے بعد حکومت کو بادل نخواستہ یہ رپورٹ شائع کرنی پڑی۔

نائن الیون سے آج تک پاکستان میں تخریب کاری اور دہشت گردی کا ایک سیلاب امڈا چلا آتا ہے لیکن کیا مجال جو ہمارے حکمرانوں نے کبھی عوام کو سچ بتانے کی زحمت کی ہو۔ انہیں ہمیشہ الٹی سیدھی تاویلات سے مطمئن کر دیا جاتا ہے۔ دہشت گردی کے ہر واقعہ کے بعد سرکاری بیان آتا ہے حملہ خودکش تھا۔ حملہ آور کا اتفاق سے سر ضرور بچ جاتا ہے' کبھی کبھی ٹانگیں بھی...... جس کو جوڑ توڑ کر ایک تصویر بنا دی جاتی ہے جسکے متعلق بعد میں اکثر یہی سننے میں آتا ہے کہ وہ حملہ آور کی نہیں کسی نامعلوم مرنے والے کی تصویر تھی۔ موجودہ حکومت اور اپوزیشن کے درمیان ایسی دشمنی کی فضا بنی ہوئی ہے کہ جوش غضب میں وہ ایک دوسرے پر عجیب وغریب الزامات لگاتے ہیں اور اگر حکومت کی طرف سے کبھی حقائق بتانے کی کوشش بھی کی گئی تو نااعتباری اور حکومت کے سابقہ ریکارڈ کے پیش نظر کوئی اسے ماننے کو تیار نہیں ہوتا جسکی تازہ مثال سوات کے واقعات ہیں۔

مصدقہ ذرائع نے اس کی تصدیق کی ہے کہ سوات میں فوج کے خلاف لڑنے والے بعض ایسے ''مجاہدین'' کی لاشیں بھی ملی ہیں جنہوں نے طالبان کا بھیس بدل کر پاکستانی فوج کے خلاف جنگ میں حصہ لیا لیکن ان کے ختنے نہیں ہوئے' یہ کون لوگ ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟ اور ماہر کمانڈوز کی طرح پاکستانی فوج سے کیوں جنگ لڑ رہے ہیں؟ کسی کے پاس اس سوال کا جواب نہیں۔ جن ایجنسیوں کو اس کا علم ہے وہ اسے اپنے تک محدود رکھیں گے۔ جس کے پس پردہ ان کے نزدیک بھی دلیل ہوگی کہ یہ ''ٹاپ سیکرٹ'' ہے۔ جس کا علم عوام کو نہیں ہونا چاہئے لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ اگر اس سلسلے میں عوام کو اعتماد میں لے لیا جائے تو کم از کم وہ اصلی اور نقلی عسکریت پسندوں کا فرق تو کر سکتے ہیں۔ گزشتہ دنوں جنرل (ر) مرزا اسلم بیگ نے روزنامہ نوائے وقت سے گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ محترمہ بے نظیر بھٹو کو اس لئے شہید کروایا گیا کہ انہوں نے ڈاکٹر عبدالقدیر خان' جنرل (ر) حمید گل اور بیت اللہ محسود کو انکے خلاف امریکی منصوبے سے آگاہ کر دیا تھا جس سے ظاہر ہے امریکیوں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے ہوں گے۔ جنرل (ر) مرزا اسلم بیگ کا ماضی شفاف اور یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ وہ ہوس اقتدار میں مبتلا نہیں اور نہ ہی محض اپنا سیاسی قد کاٹھ بڑھانے کیلئے ایسی بات کہیں گے۔ انکے اس بیان کو اگر سچ مان لیا جائے تو قوم کے چودہ طبق روشن ہو جاتے ہیں کہ ہم کیا سوچ رہے ہیں اور حقائق کتنے بھیانک ہیں۔

آج امریکہ کا ہر صدارتی امیدوار اپنی صدارتی مہم پاکستان کی قیمت پر چلا رہا ہے' کیوں؟ کیا امریکیوں کیلئے اور کوئی مسئلہ نہیں رہا؟ وہ القاعدہ کو بھول کر آخر ہاتھ دھو کر پاکستان کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں؟ یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے۔ محض یہ کہہ دینا کہ پاکستان کے ایٹمی پروگرام تک شدت پسندوں کی رسائی ہو جائے گی اور وہ تمام بم امریکہ پر چلا دیں گے' انتہائی احمقانہ بات ہے۔ جس بات کا دعویٰ بار بار ہمارے صدر اور جرنیل صاحبان کر رہے ہیں کہ ہمارا ایٹمی پروگرام بہت محفوظ ہاتھوں میں ہے' جہاں تک رسائی ممکن ہی نہیں۔ اس دعویٰ کی صداقت سے امریکہ سے زیادہ کون آگاہ ہوگا، جس کی رسائی پاکستان کے ہر حساس معاملے تک ہے اور جو جانتا ہے کہ صدر پرویز مشرف سچ کہہ رہے ہیں' اس کے بعد بھی امریکی صدارتی امیدواروں کے دماغ پر پاکستانی ایٹمی اسلحہ ہی کیوں سوار ہے؟

گوادر سے شروع ہونے والی بدامنی سوات تک پہنچ چکی ہے۔ جس کے بعد شانگلہ سے ہوتے ہوئے بشام' پٹن' کوہستان کے راستے آخر کار بدامنی کا یہ طوفان اپنے حتمی ٹارگٹ شمالی علاقہ جات تک پہنچ جائے گا۔ حالات کا گہری نظر سے تجزیہ کرنے والوں کی یہ متفقہ اور پختہ رائے ہے کہ پاکستان میں جاری بدامنی کا اصل مقصد ایسے حالات پیدا کرنا ہے کہ امریکہ جب اپنے اصل مقصد یعنی چین کو لگام دینے کیلئے کارروائی کا آغاز کرے

تو اسے چین کے سب سے قریبی دوست اور عالم اسلام کے واحد مستند ایٹمی ملک کی طرف سے کسی بھی طرح کی مزاحمت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ امریکہ کو اس وقت عالمی سطح پر دو چیلنجز کا سامنا ہے۔ ایک امریکہ میں بسنے والے لوگوں کی زندگیاں یعنی امریکہ کی قومی سلامتی اور دوسرا اپنی معاشی و اقتصادی بالادستی کو برقرار رکھنا' امریکہ کی قومی سلامتی کو عالم اسلام سے شدید خطرات لاحق ہیں جس کیلئے امریکی تھنک ٹینکس نے مرحلہ وار تمام اسلامی ممالک کو فوجی قوت سے زیر کرنے کی پلاننگ کی ہے جس پر منظم انداز میں کام جاری ہے۔

عالم اسلام کے 80 فیصد ممالک اس قابل ہی نہیں کہ انہیں کوئی اہمیت دی جائے۔ اسرائیل سے قریب واقع اسلامی ممالک میں سے بیشتر کو فوجی قوت استعمال کئے بغیر لگام دی جا چکی ہے جبکہ خودسری کرنے والے ممالک میں عراق اور افغانستان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی البتہ تین اسلامی ممالک ایسے ہیں جنہیں زیر کرنے کیلئے امریکہ کو لمبی پلاننگ درکار ہے۔ ان ممالک میں سرفہرست ایران' پاکستان اور سعودی عرب شامل ہیں۔ سب سے پہلے ایران کے گرد گھیرا تنگ کیا جا رہا ہے۔ ایران کو گرانے کے بعد پاکستان کی باری آئے گی اور پاکستان کی تباہی کے بعد عالمی دہشت گرد سعودی عرب پر قبضہ کر لیں گے۔ یہ کوئی ڈھکا چھپا منصوبہ نہیں ہے۔ اپنے مذموم خیالات کا اظہار اسلام دشمن قوتوں کی طرف سے برملا ہوتا رہتا ہے۔ امریکہ کے کئی تھنک ٹینک ایسے نقشے شائع کر چکے ہیں۔ حالات بہت خراب ہیں۔ مملکت خداداد پاکستان میں بیک وقت کئی قوتیں اپنے اپنے ایجنڈے پر کام کر رہی ہیں۔ یہودی' یورپ کے عیسائی اور ہندو پاکستان کی تباہی چاہتے ہیں اور اپنا مکروہ ایجنڈا مکمل کرنے کیلئے ہر طرح کا فاؤل پلے کرنے پر یقین رکھتے ہیں۔ بدقسمتی سے پاکستان میں سیاسی عدم استحکام اور طویل آمریت نے پورے پاکستانی معاشرے کو بکھیر کر رکھ دیا ہے۔ اپنی کرسی بچانے کیلئے فوجی آمروں نے قوم کو دبایا اور بیرونی طاقتوں سے تائید و حمایت لے کر اقتدار بچاتے رہے۔ فوجی آمروں کی کرسی بچانے کے عوض عالمی طاقتوں نے ان حکمرانوں سے ایسے ایسے کام لئے کہ سر شرم سے جھک جاتے ہیں۔ صدر جنرل (ر) پرویز مشرف کے آٹھ سالہ دور اقتدار میں تو پاکستان عالمی سازشوں کا گڑھ بن گیا۔ اب حالات اس نہج پر پہنچ گئے ہیں کہ خود صدر پرویز مشرف کے کنٹرول سے باہر ہو رہے ہیں۔ صدر پرویز مشرف نے اپنے آخری تازہ بیان میں حالات کی سنگینی اور عالمی طاقتوں کی من مانیوں کو پہلی بار مسترد کیا ہے۔ انہیں شاید پہلی بار احساس ہوا ہے کہ پاکستان کی سلامتی کو انہی قوتوں سے خطرہ ہے جن کے تحفظ کیلئے انہوں نے ملک کو فرنٹ لائن سٹیٹ قرار دیا تھا۔ صدر نے وارننگ دی ہے کہ اگر امریکہ یا اتحادی فوجوں نے پاکستان کے کسی بھی حصے پر حملے کی کوشش کی تو بھرپور جواب دیا جائے گا۔ صدر کا بیان بہت حوصلہ افزاء ہے لیکن یہ امریکی غنڈہ گردی کا صحیح جواب نہیں۔ ملک میں مقبول سیاسی حکومت کا قیام اور فوجی آمریت کا ہمیشہ کیلئے دروازہ بند کرنا اصل جواب ہے۔ ہر پاکستانی اس بات کو سمجھتا ہے کہ بیرونی ایجنٹوں کو چھوڑ کر مملکت کے اپنے بیٹے آج حکومت اور فوج سے محض اس لئے برسرپیکار ہیں کہ وہ اس حکومت کو اپنے عظیم ملک کیلئے خطرناک سمجھتے ہیں۔ جونہی آمرانہ حکومت کا خاتمہ ہوگا اور امریکہ کی زبان بولنے والے حکمران اقتدار سے علیحدہ ہونگے' یہ قوتیں خود بخود منظر سے غائب ہو جائیں گی جس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ بیرونی طاقتوں کو اپنے گھناؤنے منصوبوں کی تکمیل کیلئے کسی مقامی فرد یا تنظیم کی سپورٹ حاصل نہیں ہو سکے گی۔ ایسی صورت میں بیرونی ایجنٹوں کی کارروائیاں صاف نظر آ ئیں گی اور پوری قوم ان کے خلاف میدان میں اتر آئے گی۔ اس وقت عام پاکستانی حیران ہے کہ وہ کس کے خلاف میدان میں نکلے۔ صدر پرویز مشرف اور ان کے حامی سیاستدانوں کو سنجیدگی سے اس پہلو

پر سوچنا ہوگا اس وقت کی غیر سنجیدگی نہ صرف پاکستان بلکہ عالم اسلام اور چین سمیت دنیا کے تمام غریب ممالک کی تباہی کا سبب بن سکتی ہے۔ بلاشبہ تاریخ نے ہم پر بڑی ذمہ داری عائد کردی ہے۔ پاکستان وہ ملک ہے جس نے امریکی معاونت سے روس کے حصے بخرے کروائے اور عالمی طاقت کے توازن کو بگاڑا۔ اب اسے سنوارنا بھی ہماری ہی ذمہ داری ہے۔

# وطن کی فکر کر ناداں!



وکلاء کا لانگ مارچ ہوگیا' قومی فنانس بل بھی پاس ہوگیا' سپریم کورٹ کے ججوں کی تعداد بھی بڑھ کر 29 ہوگئی' مسلم لیگ (ن) نے ان تمام منظوریوں میں اپنا حصہ ڈالا جبکہ مسلم لیگ (ق) لاتعلق رہی۔ جناب آصف علی زرداری نے محترمہ بے نظیر بھٹو کی سالگرہ پر اس عزم کو دہرایا کہ وہ جلد ہی ایوان صدر میں بھی پیپلز پارٹی کے کارکن کو پہنچائیں گے اور صدر پاکستان بنائیں گے کیونکہ صدارت پر سب سے زیادہ سندھ کا حق ہے۔ انہوں نے اپنے اس بیان کو تکرار سے دہرایا کہ عوام جسٹس افتخار کی بحالی نہیں روٹی مانگ رہے ہیں۔ ملک کا بڑا مسئلہ مہنگائی ہے۔ عوام نے ووٹ ججوں کی بحالی کیلئے نہیں بلکہ روٹی کیلئے دیئے تھے۔ آپ کی شریک حکومت مسلم لیگ (ن) کا کہنا ہے کہ انہوں نے ووٹ عدلیہ کی بحالی اور 2 نومبر کی پوزیشن پر واپس بٹھانے کیلئے حاصل کیے تھے۔ اعلان مری پر عملدرآمد اس کی روح کے مطابق ہونا چاہئے۔ پہلے مسلم لیگ (ن) پی سی او ججوں کو تسلیم نہیں کرتی تھی اور پھر 2 نومبر والی عدلیہ کی بحالی کی شرط پر تسلیم کرنے لگی، اور اب 29 ججوں کی منظوری بھی ہوگئی جبکہ پیپلز پارٹی کی طرف سے ابھی تک 2 نومبر والی عدلیہ کی بحالی کا کوئی عندیہ نہیں دیا جارہا۔ جہاں تک بیانات کا تعلق ہے وہ آئینی پیکیج کے گرد گھومتے ہیں اور طویل عرصے تک یہی بازگشت سنائی دیتی رہے گی۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے مسلم لیگ (ن) نے بادل نخواستہ یا بعض نادیدہ قوتوں کے خوف سے بعض ایسے کمپرومائز کرلئے ہیں جن کا اسکی پالیسیوں اور عزائم سے دور دور تک کوئی تعلق نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پارٹی کے سینئر ممبران جو بیانات دیتے ہیں عمل بظاہر اسکے خلاف دکھائی دیتا ہے۔ فنانس بل کی منظوری کے فوراً بعد بیگم تہمینہ دولتانہ' احسن اقبال اور جاوید ہاشمی کو یہ بات پھر دہرانا پڑی کہ انہوں نے اپنے بنیادی موقف سے انحراف نہیں کیا لیکن ان حالات میں کولیشن توڑنا ملک کیلئے تباہ کن ثابت ہوسکتا ہے۔

دراصل یہی وہ خوف ہے جس نے آج تک تمام اصول پسندوں کو مصلحت پسند بنا رکھا ہے۔ وہ کوئی بھی انتہائی اقدام اس لئے نہیں کرتے کہ اس کے نتائج بڑے تباہ کن ہوں گے۔ چودھری اعتزاز احسن لانگ مارچ کے بعد دھرنا اس لئے نہیں دیتے کہ اس سے کوئی ناجائز فائدہ نہ اٹھالے اور موقع کی تاک میں بیٹھے شرارتی عناصر کو کھل کھیلنے کا موقع نہ مل جائے جبکہ میاں نواز شریف کو بیک وقت صدر مشرف اور ان کے حواریوں کی طرف سے ہونے والی کسی بھی شرارت کا تو خطرہ رہتا ہی ہے' دوسری طرف وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اگر انہوں نے اپنے موقف میں سختی اختیار کی تو کہیں پنجاب میں شورش نہ برپا ہوجائے جہاں پہلے ہی گورنر کی شکل میں خطرے کی تلوار ان کے سر پر لٹک رہی ہے۔ اس صورتحال کا ایمانداری سے تجزیہ کیا جائے تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ دراصل موجودہ کولیشن حکومت کے قیام کی وجہ سے اس میں شامل پارٹیوں کی جمہوریت اور اعلیٰ اقدار کیلئے قربانی نہیں بلکہ ایک بے نام خوف نے ان متضاد خیال جماعتوں کو آپس میں باندھ رکھا ہے۔ مسلم لیگ (ن) کو مسائل درپیش ہیں' پیپلز پارٹی بھی ان سے مبرا نہیں۔ آصف زرداری بھی یہ جانتے ہیں کہ اگر اس مرحلے پر اگلے الیکشن کا ڈول ڈالا گیا تو شاید یہ پیپلز پارٹی کی

آخری اننگ ہوگی کیونکہ اب ان کا سامنا ایک بدلے ہوئے پاکستان سے ہے۔ ایک ایسے پاکستان سے جس میں صمد خرم جیسے غیرت مند بچے بھی موجود ہیں جو اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے بعد امریکہ کی اصلیت جاننے لگے ہیں۔ شاید ہمارے حکمرانوں کو اس تبدیلی کا احساس نہیں ہو رہا جو عوام میں بڑی تیزی سے آ رہی ہے۔ وزیر داخلہ کا یہ بیان کہ طالبان پشاور تک آ گئے ہیں' مبالغہ نہیں' امر واقعہ ہے۔ امریکہ کی طرف سے پاکستانی سرحدی علاقوں کے ساتھ ساتھ طالبان کے خلاف فوجی کارروائی کا آغاز اور پاکستانی علاقوں میں دراندازی بھی بڑی تلخ سچائی ہے۔ صوبہ سرحد اَن دیکھی آگ میں جل رہا ہے' سندھ میں لسانیت اپنے نقطہ عروج کو چھو رہی ہے اور بلوچستان پر پاکستان دشمن قوتیں سرخ دائرہ لگا چکی ہیں۔

یہ امر خوش آئند ہے کہ نئی منتخب حکومت نے بلوچستان کے مسائل کے حل کیلئے کوششیں شروع کر دی ہیں۔ بلوچستان کا مسئلہ اس لحاظ سے روز بروز سنگین ہوتا جا رہا ہے کہ بلوچستان میں وفاق کی سیاست کرنے والے عناصر آہستہ آہستہ بددل یا کمزور ہوتے جا رہے ہیں، اور وہاں علیحدگی پسندی کے جذبات اپنے عروج پر ہیں۔ بلوچستان آپریشن اور بلوچ رہنماء نواب اکبر بگٹی کے قتل کے بعد بلوچ عوام کی اکثریت شدید مایوسی کا شکار ہے' یہاں تک کہ وہ بلوچ سیاستدان بھی جو ماضی میں صوبے اور وفاق میں حکومتوں میں شامل رہے ہیں' اب آزادی کی باتیں کرنے لگے ہیں اور بلوچستان میں اب گریٹر بلوچستان کا تصور تیزی سے پھیلایا جا رہا ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ منگل کے روز سینٹ میں بحث کے دوران ڈپٹی چیئر مین میر جان محمد جمالی نے بلوچوں کو حقوق نہ ملنے کی صورت میں علیحدگی کا مطالبہ کرنے کی دھمکی دی۔ میر جان محمد جمالی نے اپنی جذباتی تقریر میں کہا کہ اگر مرکز نے بلوچستان کو اس کے حقوق سے اب بھی محروم رکھا تو وہ وقت دور نہیں جب وہاں جانے کیلئے پاکستانیوں کو پاسپورٹ درکار ہوگا۔ جان جمالی کا کہنا تھا کہ اب صرف چند گنے چنے سیاسی رہنماء رہ گئے ہیں جو بلوچستان میں رہتے ہوئے وفاق کی بات کرتے ہیں لیکن اگر مرکز کی پالیسیوں میں تبدیلی نہ آئی تو پھر' ہم بھی علیحدگی کا مطالبہ کرنے پر مجبور ہوں گے۔ انہوں نے متنبہ کیا کہ اب بھی وقت ہے کہ حکومت بلوچستان کو اسکے وسائل کے مطابق رقم ادا کر دے ورنہ وقت بہت تیزی سے ہمارے ہاتھوں سے نکل رہا ہے، اور اب بات خود مختاری سے بہت آگے نکل چکی ہے۔ سینٹ کے ڈپٹی چیئر مین نے جس خطرے کی نشاندہی کی ہے وہ غیر حقیقی نہیں ہے۔

بلوچستان کی صورتحال پر گہری نظر رکھنے والے بہت سے مبصرین کے مطابق حالات اس سے بھی کہیں زیادہ خراب ہو چکے ہیں، جس کا اسلام آباد کے حکومتی ایوانوں میں تصور کیا جا رہا ہے۔ حالیہ دنوں میں بلوچستان نیشنل پارٹی کے سربراہ سردار اختر مینگل نے ایک سیمینار سے خطاب کیا جس کے سٹیج کے پس منظر میں گریٹر بلوچستان کا باقاعدہ نقشہ بنایا گیا تھا، اور جسے میڈیا کے ذریعے پوری دنیا میں دکھایا گیا۔ 18 فروری کے انتخابات کے بعد نئی منتخب حکومت نے ماضی کی غلطیوں پر بلوچ عوام سے معافی مانگی اور بلوچستان کے متعدد علاقوں سے سکیورٹی فورسز کو واپس بلایا گیا۔ سردار اختر مینگل سمیت متعدد رہنماؤں کو رہا کر دیا گیا اور بلوچستان کی صوبائی حکومت نے بھی تمام ناراض گروپوں سے مذاکرات کا اعلان کیا لیکن ان تمام اعلانات واقدامات کے باوجود بلوچستان کے عوام کے دکھوں کا مداوا ہوتا دکھائی نہیں دیتا اور بلوچ رہنماؤں کی مایوسی میں کمی دیکھنے کو نہیں ملتی۔ گزشتہ دنوں سینٹ میں بلوچستان کی نمائندگی کرنے والے ثناء اللہ زہری نے مستعفی ہونے کا اعلان کر کے حکمران حلقوں کو دعوتِ فکر دے دی تھی تو اب خود ایوان بالا کے ڈپٹی سپیکر نے علیحدگی کا مطالبہ کرنے کی دھمکی دے دی ہے، جس کے بعد یہ ازحد ضروری ہوگیا ہے کہ حکومت بلوچستان کے

مسئلے کے حل پر ترجیحی بنیادوں پر توجہ دے اور بلوچ رہنماؤں کے جائز مطالبات کا جائزہ لے کر ان پر عملدرآمد کی کوئی صورت نکالے۔ بلوچ رہنماء پہلے مرحلے میں بلوچستان میں فوجی کارروائیوں کے مکمل خاتمے اور تمام لاپتہ اور گرفتار بلوچ کارکنوں کی رہائی کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ حکومت کو ان مطالبات کو تسلیم کرنے کا اعلان کرنا چاہیے اور بلوچ رہنماؤں کے ساتھ سرحد میں طالبان کے ساتھ کیے گئے معاہدے کے طرز کا معاہدہ کر کے اعتماد سازی کا ماحول تشکیل دینا چاہیے۔ ساتھ ساتھ نئے این ایف سی ایوارڈ میں بلوچستان کو ترجیحی بنیاد پر وسائل فراہم کرنے' گیس کی رائلٹی اور بلوچستان میں جاری میگا پروجیکٹس کے بارے میں بلوچوں کے شکوک وشبہات دور کرنے پر توجہ دینی چاہیے۔ علاوہ ازیں براہ راست عوام کو فائدہ پہنچانے والے نئے منصوبے پیش کیے جانے چاہئیں۔

بلوچستان ایک عرصے سے وسائل کی قلت کا شکار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بلوچستان کی حکومت کے نئے بجٹ کی تیاری میں مشکلات کا سامنا ہے۔ وزیراعظم نے بلوچستان حکومت کو 3 ارب روپے کی خصوصی امداد دینے کا اعلان کیا ہے تاہم بلوچستان کی حکومت کے مطابق اسے 20 ارب روپے کے خسارے کا سامنا ہے۔ وفاقی حکومت کو اس خسارے کو پورا کرنے کیلئے بلوچستان حکومت کے ساتھ مزید تعاون کرنا چاہیے تاہم ساتھ ساتھ بلوچستان حکومت کو بھی اپنے غیر ترقیاتی اخراجات پر قابو پانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ بلوچستان کابینہ میں 45 کے قریب وزراء شامل کیے گئے ہیں جو کہ وسائل سے محروم اس چھوٹے صوبے کے خزانے پر بوجھ ہیں۔ پیپلز پارٹی کی صوبائی حکومت کو کابینہ کا حجم اپنے وسائل کے مطابق رکھنا چاہیے۔ بلوچ عوام کی محرومیوں کا خاتمہ وفاقی حکومت کی اولین ذمہ داری ہے تاہم اس سلسلے کی کچھ ذمہ داری بلوچستان کے منتخب نمائندوں اور بلوچ عوام کی نمائندگی کرنے والے سیاسی رہنماؤں کو بھی اٹھانی چاہیے۔ خطے میں سرگرم بعض عالمی طاقتیں گریٹر بلوچستان کے تصور کو پاکستان کے خلاف اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کیلئے استعمال کرنا چاہتی ہیں۔ تمام محب وطن قومی حلقوں اور خود بلوچ رہنماؤں کو ان طاقتوں کے عزائم سے ہوشیار رہنا ہوگا اور بلوچستان کے مسئلے کو ملکی سالمیت کے خلاف سازش کیلئے استعمال کیے جانے سے بچانا ہوگا۔ ان مسائل کا حل بظاہر تو ہر پاکستانی کیلئے ''انصاف'' کی فراہمی یقینی بنانا ہی دکھائی دیتا ہے، لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ جناب آصف زرداری یہ فرماتے ہیں کہ غریب جسٹس افتخار کی بحالی نہیں روٹی مانگ رہے ہیں۔

# پاکستان عالمی سازش کے نرغے میں



امریکہ کے متوقع صدر باراک اوباما نے حال ہی میں افغانستان کا طوفانی دورہ کیا ہے جس میں انہوں نے فرمایا کہ وہ صدر منتخب ہوتے ہی 10 ہزار مزید امریکی فوج افغانستان میں بھیج دیں گے۔ قبل ازیں باراک اوباما کے پاکستان سے متعلق زہریلے بیانات اور دھمکیاں گزشتہ دنوں اخبارات کی زینت بنتی رہی ہیں جن سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ امریکہ میں ری پبلکن یا ڈیموکریٹس کسی کی بھی حکومت ہو پاکستان سے متعلق ان کی پالیسی پہلے سے طے شدہ ہوتی ہے، جس سے وہ سرمو انحراف نہیں کرتے۔ صرف ایک کام ہوتا ہے کہ امریکی اپنی گاڑی میں جوتنے کیلئے کبھی کبھی پاکستان سے گدھا تبدیل کر لیتے ہیں۔ عموماً اسے گھوڑا تبدیل کرنا کہا جاتا ہے لیکن پاکستان میں انہیں جس نوعیت کے اور جس اعتبار کے وفادار غلام میسر ہیں، ان کو گھوڑے کے بجائے گدھے سے تشبیہ دینا زیادہ مناسب دکھائی دیتا ہے۔ گزشتہ قریباً 9 سال کی امریکی ''گدھا گیری'' کا ہمیں بالآخر یہ انعام ملا کہ امریکی صدر بش نے جاتے جاتے کہہ دیا کہ آئندہ جو بھی خطرہ لاحق ہوا وہ پاکستان کے قبائلی علاقوں سے ہوگا، اسی لئے امریکنوں نے پاکستان کے قبائلی علاقوں پر اپنا تصرف قائم کرنے کی عملی منصوبہ بندی کر لی ہے۔

ہماری حکومت کی کارکردگی پر کوئی تبصرہ اس لئے لاحاصل ہے کہ وہ بے چارے اپنے دماغ سے فیصلہ کر ہی نہیں سکتے۔ جتنی پابندیوں میں جکڑے ہوئے ہیں اس کے بعد ان میں ذاتی فیصلے کرنے کی صلاحیت ہی سلب ہو چکی ہے۔ جس ملک کے وزیراعظم کو حکومت چلانے کیلئے ہدایات لینے اپنے لاؤ لشکر سمیت دوبئی جانا پڑے اس پر رحم ہی کھایا جاسکتا ہے۔ حالت یہ ہے کہ طالبان اور ہماری سکیورٹی فورسز حالت جنگ میں ہیں۔ ایک دوسرے کے خلاف کامیابیوں کے دعوے اس طرح کیے جاتے ہیں جیسے یہ پاک بھارت جنگ ہو رہی ہو۔ سکیورٹی فورسز کے ترجمان کہتے ہیں کہ ہم نے قلعہ ہنگو آزاد کروالیا ہے، اتنی تعداد میں طالبان مارے گئے ہیں۔ طالبان کہتے ہیں یہ جھوٹ ہے جبکہ ان کی طرف سے سکیورٹی فورسز کے جاں بحق ہونے والوں کی تعداد سرکاری اعلانات سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہے۔ فاٹا کی سات ایجنسیاں ہیں اور کہیں بھی عوام کو سکون نہیں۔ راتوں رات نئے نئے لشکر جنم لے رہے ہیں جو ایک دوسرے کے خلاف صف آراء ہیں۔ درمیان میں ہماری سکیورٹی فورسز کھڑی ہیں۔ اب انتہائی خطرناک اور تشویشناک بات یہ ہے کہ اچانک بلوچستان کا محاذ پھر گرم ہو گیا ہے۔ ڈیرہ بگٹی میں سکیورٹی فورسز اور علیحدگی پسندوں کے درمیان لڑائی ہو رہی ہے، جس میں دونوں اطراف سے مرنے والوں کی تعداد یہ بتانے کیلئے کافی ہے کہ ان جھڑپوں کی نوعیت کیا ہے۔

پاکستانی معیشت مجموعی طور پر اس وقت شدید مندی کا شکار ہے۔ عالمی مارکیٹ میں تیل کی قیمتیں بڑھنے اور ملک میں سیاسی افراتفری کے باعث اس وقت ملکی معیشت کے تمام سیکٹرز جہاں بحران کے شکار ہیں، وہاں سٹاک مارکیٹ بھی اپنے تاریخی بحران سے گزر رہی ہے۔ جمعرات کے روز سٹاک مارکیٹ کا بحران اس وقت انتہائی شدت اختیار کر گیا جب کراچی اور لاہور کی سٹاک مارکیٹوں کے چھوٹے سرمایہ کاروں نے پرتشدد احتجاج کا

سلسلہ شروع کرتے ہوئے سٹاک ایکسچینج کے باہر توڑ پھوڑ شروع کردی۔ چھوٹے سرمایہ کاروں نے اس تمام بحران کا ذمہ دار سٹاک مارکیٹ انتظامیہ اور ریگولیٹرز کو قرار دیا۔ اس کے علاوہ یہ بھی کہا جارہا ہے کہ غیر ملکی سرمایہ کاروں کی جانب سے حصص کی فروخت کی حکمت عملی اور سٹاک مارکیٹ سے سرمایہ نکال کر اس کی بیرون ملک منتقلی بھی اس بحران کا باعث ہے۔ بعض بروکرز کے بقول غیر ملکی سرمایہ کاروں نے حصص کی فروخت کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق صرف بدھ کے روز سٹاک مارکیٹ سے 14 ارب روپے کی رقم نکال لی گئی تھی۔ یہ سلسلہ گزشتہ ایک ماہ سے مسلسل جاری ہے لیکن حکومت اور سٹاک مارکیٹ انتظامیہ اسے روکنے میں بری طرح ناکام رہی ہے جس کے باعث جمعرات کے روز سٹاک مارکیٹ مکمل طور پر کریش کر گئی۔

18 اپریل 2008ء کو کے ایس ای 100 انڈیکس 15676 پوائنٹس کے ساتھ ملکی تاریخ کی بلند ترین سطح پر پہنچ چکا تھا، لیکن اس کے باوجود تمام سرکاری اور بڑے نجی مالیاتی اداروں کی جانب سے مارکیٹ کو سپورٹ نہ کرنا انتہائی حیران کن ہونے کے ساتھ ساتھ شکوک و شبہات کو بھی جنم دیتا ہے۔ 18 اپریل کو کراچی سٹاک ایکسچینج میں حصص کی مالیت 4791 ارب روپے تھی لیکن صرف تین ماہ کے دوران 1312 ارب روپے کی کمی کے ساتھ 14 جولائی 2008ء کو حصص کی یہ مالیت 3479 ارب روپے رہ گئی تھی۔ یوں کراچی سٹاک مارکیٹ کے سرمائے میں مجموعی طور پر 30 سے 35 فیصد کمی واقع ہوچکی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ سٹاک مارکیٹ کے بحران کی اصل وجوہات کیا ہیں؟ بظاہر تو یہی کہا جارہا ہے کہ ملک کے معاشی و سیاسی حالات اور امن و امان کی خراب تر ہوتی ہوئی صورتحال نے اس بحران کو جنم دیا ہے۔ اس کے علاوہ نو منتخب جمہوری حکومت کی ڈانواں ڈول پوزیشن کو بھی اس کی بڑی وجہ قرار دیا جارہا ہے۔ تاہم ان تمام وجوہات اور عوامل کے ساتھ ساتھ ایک اور بنیادی عنصر جو ہمارے ملک کی سٹاک مارکیٹس میں پایا جاتا ہے، وہ ''سٹہ بازی'' کا عنصر ہے۔ سٹاک مارکیٹ کے بحران میں سٹہ بازی کے پہلو کو قطعی طور پر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ پاکستانی سٹاک مارکیٹ کا شمار دنیا کی بڑی سٹہ باز سٹاک مارکیٹوں میں ہوتا ہے بلکہ کراچی سٹاک مارکیٹ کو کسی حد تک سٹہ بازی کا بہت بڑا مرکز تصور کیا جاتا ہے۔ یہ عمل جہاں ایک طرف اسلامی احکامات کے منافی اور شرعی اصولوں کی کھلم کھلا خلاف ورزی ہے، وہاں دوسری طرف ملکی معیشت کیلئے زہر قاتل ہونے کے ساتھ ساتھ حکومتی ریونیو کو بھی بڑے پیمانے پر نقصان پہنچا رہا ہے۔ حکومت میں شامل بعض کرپٹ عناصر حصص کے کاروبار پر کیپیٹل گین ٹیکس عائد نہ کرکے نہ صرف یہ کہ سٹہ بازوں کی حمایت و حوصلہ افزائی کررہے ہیں بلکہ ان سٹہ بازوں سے اپنا ''حصہ'' بھی وصول کررہے ہیں۔ گزشتہ ہفتے کی ہی ایک اخباری رپورٹ کے مطابق ان کرپٹ اور خفیہ عناصر نے سٹاک مارکیٹ کے کرتا دھرتا بروکرز کے ساتھ ساز باز کرکے حصص کے کاروبار پر کیپیٹل گین ٹیکس عائد نہ کرنے کے صلے میں 30 ارب روپے وصول کئے تھے۔ اب ظاہر ہے کہ 30 ارب روپے کی بھاری بھرکم ''بخشش'' عنایت کرنے والے بروکر حضرات اپنا یہ خسارہ چھوٹے سرمایہ داروں سے پورا کرنے کیلئے وہ تمام ہتھکنڈے آزمائیں گے جو ان کیلئے ممکن ہوسکیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ جمعرات کے روز احتجاج کرنے والے چھوٹے سرمایہ داروں نے سٹاک مارکیٹ انتظامیہ اور بڑے بروکرز کو ہی اس تمام صورتحال کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔

اخباری اطلاعات کے مطابق تاجروں اور صنعتکاروں نے حکومت کی جانب سے اعلان کردہ نئی تجارتی پالیسی کو غیر واضح اور ناقابل عمل

قرار دے کر مسترد کر دیا ہے اور الزام عائد کیا ہے کہ حکومت نے نئی تجارتی پالیسی کے حوالے سے تاجروں اور صنعتکاروں کی تمام تجاویز کو نظر انداز کر دیا ہے۔ تاجر رہنماؤں نے وزیر تجارت چودھری احمد مختار کے اس دعویٰ کو کہ رواں مالی سال کے 22 ارب 10 کروڑ ڈالر کا برآمدی ہدف بآسانی حاصل کر لیا جائے گا' ناقابل عمل قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ بڑھتی ہوئی پیداواری لاگت' سیاسی عدم استحکام اور امن و امان کی خرابی کے عوامل کے ہوتے ہوئے برآمدات کے ہدف تجارت کو گزشتہ سال 19.2 بلین ڈالر کا برآمدی ہدف سونپا گیا تھا جو پورا نہ ہو سکا۔ یہ ہدف بھی غیر حقیقت پسندانہ تھا کیونکہ 17 بلین ڈالر کا جو ہدف ہم نے 07-2006ء میں حاصل کیا تھا وہ اس ہدف سے 2.2 بلین ڈالر زیادہ تھا۔ اس کے علاوہ گزشتہ سال خدمات کی برآمدات جو کہ نیشنل اکاؤنٹس کے مختلف اجزاء میں تقسیم ہیں' 2.9 بلین ڈالر تھیں اور دفاع سے متعلق برآمدات 63.9 ملین ڈالر تھیں۔ پیداواری شعبہ نے بھی گزشتہ عشرے کی سب سے کم شرح ترقی دیکھی جو کہ گزشتہ سال کے 8.1 فیصد کے مقابلے میں اس سال 5.4 فیصد رہی۔ لارج سکیل پیداواری شعبہ کے حالات اس سے بھی خراب رہیں۔ اس شعبہ میں ترقی گزشتہ سال کے 8.6 فیصد کے مقابلے میں صرف 4.8 فیصد رہی۔ برآمدی شعبہ نے کسی حد تک اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے اور برآمدات میں سال 08-2007ء میں 13.23 فیصد ترقی ہوئی لیکن حقیقت یہ ہے کہ برآمدات کے شعبے میں پاکستان معاصر دنیا سے بہت پیچھے ہے۔ عالمی نقطہ نظر سے پاکستان کی بڑی 200 برآمدی اشیاء کا برآمدات میں تناسب 91 فیصد ہے جبکہ ان اشیاء کا عالمی مارکیٹ میں تناسب صرف 19 فیصد ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ دنیا کی 81 فیصد اشیاء تجارت میں پاکستان کو کوئی حصہ نہیں ہے۔ پھر درآمدات اور برآمدات کے تناسب میں زمین و آسمان کا فرق موجود ہے جس کی وجہ سے ملک کا تجارتی خسارہ اپنی انتہائی حدوں کو چھو رہا ہے۔ رواں سال میں ہمیں 20.77 بلین امریکی ڈالر کے تجارتی خسارے کا سامنا ہے۔ اس سال درآمدات میں پچھلے سال کے مقابلے میں 9.428 ارب ڈالر کا اضافہ ہوا جبکہ برآمدات میں صرف 2.246 ارب ڈالر اضافہ ہوا۔

100 دنوں میں موجودہ حکومت نے معاشی بدحالی کا جو تحفہ دیا اس نے نہ صرف عوام کی کمر توڑ دی بلکہ اس کے اثرات سٹاک مارکیٹ تک جا پہنچے اور سٹاک مارکیٹ بدترین مندی کا شکار ہو کر رہ گئی۔ کراچی سٹاک ایکسچینج میں چھوٹے سرمایہ کاروں نے مشتعل ہو کر عمارت پر ہلہ بول دیا اور توڑ پھوڑ کی۔ سرمایہ کاری میں ملک و قوم کو 933 ارب روپے کا خسارہ برداشت کرنا پڑا کیونکہ 31 مارچ 2008ء کو مارکیٹ میں کل سرمایہ کاری کی مالیت 4623 ارب روپے تھی جو اب 3690 ارب روپے رہ گئی ہے۔ سٹاک مارکیٹ 15126 پوائنٹ سے 3248 پوائنٹس گر کر 11878 پر پہنچ گئی ہے۔ یہ سطور لکھتے وقت یہ گراوٹ 36 فیصد تک پہنچ چکی ہے اور معاملہ 3248 پوائنٹس سے گر کر 5600 تک آ گیا ہے۔ افراط زر صرف غذائی اجناس میں 19.7 فیصد بڑھا ہے۔ پاکستان کے زرمبادلہ کے ذخائر میں 15.8 فیصد (2.1 ارب ڈالر) کمی واقع ہوئی ہے۔ ڈالر کے مقابلے میں پاکستانی کرنسی 8.3 روپے ان سو دنوں میں کم ہو چکی ہے۔ عالمی منڈی میں پاکستانی روپیہ سب سے کم قیمت کرنسیوں میں شامل ہو چکا ہے۔ سو دنوں میں بیرونی قرضوں کا حجم 373.5 ارب روپے بڑھ گیا ہے۔ اس کی وجہ روپے کی قدر میں کمی ہے۔ پاکستان کے عوام پر روزانہ کی بنیاد پر قرضوں کا بوجھ 3.70 ارب روپے بڑھ رہا ہے۔ اس معاشی بحالی کا بنیادی سبب ملک میں سیاسی عدم استحکام اور گومگو کی پالیسی ہے۔ جغرافیائی صورتحال کا اثر انداز ہونا لازمی امر ہے۔ لوڈشیڈنگ کے باعث بے شمار صنعتیں بند ہو چکی ہیں' درآمدات پر زور' بھارت سے سی این جی بسوں اور تیل و ڈیزل

درآمد کرنے کی' یہ سطور تحریر کرتے وقت اجازت دی گئی ہے۔ گندم 15 لاکھ ٹن امریکہ سے آرہی ہے' برآمدات نام کی کوئی چیز نہیں اور درآمدات پر زرمبادلہ لٹایا جارہا ہے۔ مذاکرات کا سلسلہ دباؤ کے باعث مشاجرات میں تبدیل ہو چکا ہے۔ ملک کو چند سرمایہ کار نہ صرف لوٹ رہے ہیں بلکہ اسے گروی رکھنے کا بندوبست بھی جاری ہے۔ مہنگائی' بدامنی اور لاقانونیت کا لاوا پھٹ گیا تو پھر اس میں سب کچھ بہہ جائے گا۔ وطن عزیز میں انقلاب کی نفی کرنے والوں کو کہیں اپنے موقف سے رجوع نہ کرنا پڑے۔

حکومت شاید یہ سمجھتی ہے کہ پاکستان میں رہنے والے انسان گوشت پوست کے بجائے فولاد سے بنے ہیں یا پھر ہم کوئی جناتی مخلوق ہیں۔ مسلسل مہنگائی کا کلہاڑا چلانے کے بعد بھی حکومت کی تسلی نہیں ہوتی۔ وجوہات کچھ بھی رہی ہوں' یہ عذاب آخر عوام پر ہی کیوں گرایا جارہا ہے؟ ان لٹیروں' حرامیوں اور غداروں کو کیوں نہیں پکڑا جارہا جنہوں نے کھربوں روپے خورد برد کیئے' جن کے اربوں روپے غیر ملکی بینکوں میں جمع ہیں۔ 20 جولائی کو پٹرول کی قیمت میں قریباً 11 روپے' ڈیزل کی قیمت میں قریباً 10 روپے اور مٹی کا تیل قریباً 9 روپے مزید مہنگا کر کے زندہ درگور پاکستانیوں کی ہڈیوں سے رہا سہا گودا بھی نکال لیا گیا ہے۔ سنا ہے یہ سلسلہ ابھی جاری رہے گا۔ پانی' بجلی' گیس' ٹیلیفون' غرض ہر وہ ضرورت زندگی جس سے عوام کا کسی نہ کسی طور واسطہ پڑتا ہے' عوام پر عذاب بنادی جائے گی۔

پاکستانیوں کو قحط کی طرف دھکیلا جارہا ہے۔ وہ ملک جسے اللہ تعالیٰ نے ہر نعمت سے مالا مال کیا' اس کو بدکردار' بدعنوان' بے حیا اور غداروں نے آکٹوپس کی طرح اپنے پنجوں میں جکڑا ہوا ہے۔ لوڈشیڈنگ کے اندھیروں میں ڈوبی قوم یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہے کہ گزشتہ سال کی نسبت اس سال پانچ چھ گنا زیادہ لوڈشیڈنگ کی جارہی ہے' کیا پاکستان کی آبادی ایک سال میں پانچ گنا بڑھ گئی ہے؟ طرفہ تماشہ تو یہ ہے کہ آئندہ ہر ماہ بجلی کی قیمتوں میں ردوبدل کیا جائے گا۔ کیا یہ فیصلہ بھی مسلم لیگ (ن) کے اسحاق ڈار کی مرضی سے ہوا؟

پٹرول اور تیل کی قیمتوں کو مدنظر رکھا جائے تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ بجلی کی قیمتوں میں ردوبدل اور جائزے کا مقصد ان میں اضافہ ہی ہوگا۔ مختلف محکموں کا جائزہ لیا جائے تو وہ بھی لوٹ مار میں لگے ہوئے ہیں' کوئی پوچھنے والا نہیں۔ نجی ٹی وی چینلز کے آزاد ہونے سے عوام کی سیاسی اور غیر سیاسی تربیت ہورہی ہے۔ اب شاطر سیاستدانوں کیلئے ممکن نہیں رہا کہ وہ دو چار جذباتی بیانات دے کر یا تقاریر کر کے عوام کو دوبارہ یا سہ بارہ بیوقوف بنائیں۔ ضمنی انتخابات میں عوام نے قطعاً دلچسپی نہ لے کر ثابت کیا ہے کہ پہلے والے بے کار لوگ تھے اور موجودہ حکمران انہی کا تسلسل ہیں۔ ایک پرائیویٹ چینل پر لوگ اپنے خیالات کا اظہار فون پر کر رہے تھے۔ ایک کالر کا کہنا تھا کہ جب تک عام لوگوں کی بے حسی دور نہیں ہوگی' معاملات ٹھیک نہیں ہوں گے۔ اس کا نکتہ نظر یہ تھا کہ لوگ اگر کسی شخصیت کو نقصان پہنچائے بغیر واپڈا کے صدر دفتر اور دیگر دفاتر پر بار بار مظاہرہ کریں یا وفاقی وزیر راجہ پرویز اشرف پر بار بار مختلف عوامی وفود کے ذریعے قانون کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے دباؤ ڈالتے رہیں تو بہت سے ڈرامے بند ہوسکتے ہیں۔ عوام کے ایک حلقے کی رائے ہے کہ لوڈشیڈنگ ٹوپی ڈرامہ ہے' مہنگائی ایک ڈرامہ ہے' اسی طرح اعتزاز احسن صاحب کا لانگ مارچ بھی ایک ڈرامہ تھا' ڈراموں کے سہارے حکمرانوں کی عزت نہیں رہتی۔ لوگ توقع کر رہے تھے کہ گزشتہ دور حکومت میں بے مثال لوٹ مار کرنے والوں کا موجودہ حکمران اتحاد احتساب کرے گا لیکن ایسا لگ رہا ہے کہ جلد ہی لوگ موجودہ حکمرانوں کے احتساب کی خواہش کرنے لگیں گے۔

کاش ان حکمرانوں کو یہ سمجھ آجائے کہ انسان تو بے بس ہوتے ہیں لیکن انسانوں کو پالنے والا نہیں۔ ڈرو اللہ کے عذاب سے کہ اس کی گرفت کے سامنے تمہاری ساری تدابیر اور چالاکیاں دھری کی دھری رہ جائیں گی اور تم کچھ بھی نہیں کر پاؤ گے۔ پاکستانی عوام بددعائیں مانگ رہے ہیں' خودکشیاں کر رہے ہیں لیکن ہمارے ارباب بست وکشاد سیاست کر رہے ہیں' سیر سپاٹے کر رہے ہیں۔ کوئی ہے جو انہیں آنے والے عذاب سے خبردار کرے جو بڑی تیزی سے ان کی طرف بڑھ رہا ہے......!



# حکمتِ عملی یا سازش

ان حالات میں جبکہ ساری قوم پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کے سحر میں گرفتار صدر کے مواخذے کے نتائج کی منتظر ہے۔اس تلخ حقیقت اور خطرناک سازش سے ہماری آنکھیں قریباً بند ہو چکی ہیں جو فاٹا میں اپنے نقطہ عروج کو چھو رہی ہے۔ باجوڑ اور سوات میں خطرناک اور خونی جھڑپیں جاری ہیں لیکن یہ کسی دشمن ملک کی فوج کے خلاف ہونے والی کارروائی نہیں بلکہ پاکستانی سکیورٹی فورسز اپنے ہی ملک کے شدت پسندوں سے حکومتی رٹ نافذ کرنے کے لئے نبرد آزما ہیں۔ بظاہر تو یوں دکھائی دیتا ہے جیسے صدر کے مواخذے کا مسئلہ ہی شاید ''فاٹا'' میں انتہائی شدید کارروائی کے لئے کھڑا کیا گیا تھا اور عوام کی توجہ مبذول کروانا مقصود تھا کیونکہ مسلسل دس بارہ روز سے سیکورٹی فورسز اور شدت پسندوں کے درمیان لڑائی میں تیزی آ رہی ہے۔ ہیلی کاپٹروں' میزائلوں اور نظر نہ آنے والے جہازوں کے حملوں میں سینکڑوں بے گناہ قبائلی عوام جاں بحق ہو چکے ہیں۔

14 اگست کو پشاور میں ہونے والی پریس کانفرنس جس میں وزیر اعلیٰ سرحد امیر حیدر ہوتی گورنر سرحد اویس غنی اور وفاقی وزارت داخلہ کے سربراہ رحمان ملک شامل تھے کہا گیا ہے کہ اب تک باجوڑ میں 462 جنگجو مارے گئے ہیں۔ جبکہ سکیورٹی فورسز کے 22 جوان اور افسران بھی جاں بحق ہوئے ہیں۔ رحمان ملک کا کہنا ہے کہ باجوڑ میں حکومت قریباً تین ہزار مسلح عسکریت پسندوں کا مقابلہ کر رہی ہے جن میں چیچن' افغان' یمنی اور افریقی عسکریت پسند شامل ہیں۔ انہوں نے یہ بات زور دے کر کہی کہ ان عسکریت پسندوں کو سرحد پار سے مکمل مدد مل رہی ہے اور پاکستان دشمن قوتیں ان کی پشت پناہی کر رہی ہیں۔ اسی پریس کانفرنس میں رحمان ملک نے یہ بھی بتایا کہ قریباً 2 لاکھ 20 ہزار مقامی قبائلی باجوڑ سے نقل مکانی کر چکے ہیں۔ ان کی غالب تعداد پشاور اور دوسرے علاقوں کی طرف آ گئی ہے۔ انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ ان نقل مکانی کرنے والوں کی ''دیر'' میں آمد کے بعد وہاں مقامی اور غیر مقامی لوگوں کے درمیان الگ سے جھڑپیں ہو رہی ہیں اور سوات میں ہونے والی خونریز جھڑپوں سے مٹہ میں خوبانی اور آڑو کے باغات بھی جل کر خاکستر ہو گئے ہیں۔ مقامی آبادی زندہ درگور ہو چکی ہے خوف اور خونریزی نے چاروں طرف ڈیرے جمائے ہوئے ہیں۔

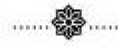
باجوڑ میں طالبان گروپوں کی طرف سے لوئی اور سم نامی علاقوں پر قبضے کے بعد ان علاقوں میں سکیورٹی فورسز نے زبردست جوابی حملہ کیا تھا۔ جس میں فضائی حملہ بھی شامل ہے جس میں کئی قابل ذکر طالبان لیڈر مارے جا چکے ہیں۔ باجوڑ ایجنسی میں سکیورٹی فورسز کے فضائی حملوں کے بعد طالبان نے صدر مقام خار سمیت لوئی سم اور صادق آباد کے علاقوں پر اپنا قبضہ ختم کر دیا ہے۔ دوسری طرف باجوڑ سے سینکڑوں مقامی افراد کے محفوظ مقامات کی طرف نقل مکانی کا سلسلہ جاری ہے۔ تحریک طالبان کے ترجمان مولوی عمر نے بی بی سی کو فون کر کے بتایا کہ انہوں نے صدر مقام خار کے مضافات' لوئی سم اور صادق آباد میں اپنے زیر قبضہ علاقوں کو خالی کر دیا ہے۔ ان کے مطابق انہوں نے ان علاقوں کو اس لئے خالی کیا ہے کیونکہ انہوں نے اپنی ایک حکمت عملی کے تحت سکیورٹی فورسز کی پیش قدمی روک دی ہے۔ انہوں نے مزید بتایا کہ گن شپ ہیلی کاپٹروں نے ان کے

مشتبہ ٹھکانوں پر گذشتہ روز کے مقابلے میں زیادہ شدت کے ساتھ فائرنگ کی ہے۔ پاکستانی فوج کے ترجمان میجر مراد نے بی بی سی کو بتایا کہ منگل کے روز بھی توپخانوں اور گن شپ ہیلی کاپٹروں سے طالبان کے مشتبہ ٹھکانوں کو نشانہ بنایا گیا۔ انہوں نے گذشتہ چھ روز کے دوران ہونے والی کارروائیوں میں سکیورٹی فورسز کے تیرہ اہلکاروں جبکہ طالبان کے ایک سو پچاس ساتھیوں کو ہلاک کرنے کا دعویٰ کیا ہے۔ تاہم طالبان اپنے ایک درجن سے زائد ساتھیوں کی ہلاکت کی تصدیق کر رہے ہیں۔ دوسری طرف باجوڑ کے تقریباً تمام علاقوں سے شہریوں کا محفوظ مقامات کی جانب نقل مکانی کا سلسلہ جاری ہے۔ مقامی لوگوں کا کہنا ہے کہ سینکڑوں بچے، خواتین اور معمر افراد ضلع دیر، مہمند اور پشاور کی طرف نقل مکانی کر رہے ہیں۔ صدر مقام خار کا بازار، تعلیمی ادارے اور سرکاری دفاتر مکمل طور پر بند ہیں۔ باجوڑ میں چند روز قبل صدر مقام خار سے تقریباً بارہ کلومیٹر دور لوئی سم کے علاقے کی جانب سکیورٹی فورسز کی پیشقدمی کے بعد طالبان اور ان کے درمیان جھڑپیں شروع ہوئی تھیں۔ کئی دنوں تک ایک سو پچاس کے قریب اہلکاروں کے محاصرے کے بعد طالبان نے لوئی سم کے علاقہ پر قبضہ کر کے صدر مقام خار کی طرف پیشقدمی شروع کر دی تھی۔ بعد کی اطلاعات کے مطابق گھیرے میں آئے سکیورٹی فورسز کے جوانوں نے بڑی بہادری سے گھیرا توڑا اور اپنے ساتھیوں سے آملے جس کے بعد ایک بڑا حملہ کر کے سکیورٹی فورسز نے ان تمام ٹھکانوں پر دوبارہ قبضہ کرلیا جو طالبان کے قبضے میں چلے گئے تھے۔ دوسری طرف صوبہ سرحد کے شورش زدہ ضلع سوات میں سرکاری سکولوں پر حملوں کا سلسلہ جاری ہے، اور تازہ واقعات میں مسلح افراد نے لڑکیوں کے کالج اور ایک مڈل سکول کو نذر آتش کیا ہے، جس سے گذشتہ دو ماہ کے دوران جلائے جانے والے تعلیمی اداروں کی کل تعداد تقریباً نوے تک پہنچ گئی ہے۔ سوات سے موصولہ اطلاعات میں پولیس کے مطابق پہلا واقعہ بدھ کی رات طالبان کے ایک اہم گڑھ تحصیل مٹہ میں پیش آیا جہاں مسلح افراد نے لڑکیوں کے ایک کالج کو تیل چھڑک کر آگ لگائی۔ تھانہ مٹہ کے ایک اہلکار نے بی بی سی کو بتایا کہ کالج آٹھ کمروں پر مشتمل تھا جس سے تمام کمروں کو نقصان پہنچا ہے۔ تحصیل مدائن کے علاقے میں بھی پندرہ کے قریب مسلح افراد نے ایک مڈل سکول کو نذر آتش کیا ہے جس سے پولیس کے مطابق سکول کا فرنیچر اور تمام ریکارڈ تباہ ہو گیا ہے۔ ابھی تک کسی تنظیم نے ان واقعات کی ذمہ داری قبول نہیں کی ہے۔ سوات میں تعلیمی اداروں پر حملوں کا سلسلہ گذشتہ دو ماہ سے جاری ہے تاہم حکومت کی طرف سے سکولوں کی حفاظت کے لئے بظاہر کوئی انتظام نہیں کیا گیا ہے۔ دوسری طرف بدھ کی شام طالبان کے ایک اہم رہنما علی بخت خان اور ان کے چند ساتھیوں کی سکیورٹی فورسز کے حملے میں ہلاکت کے واقعہ کے بعد تحصیل کبل میں حالات بدستور کشیدہ بتائے جاتے ہیں۔ مقامی لوگوں کا کہنا ہے کہ کبل میں غیر اعلانیہ طور پر کرفیو نافذ ہے جبکہ سکیورٹی فورسز نے چیک پوسٹوں پر تلاشی کا کام بھی سخت کر دیا ہے، جس سے عام لوگوں کو شدید مشکلات کا سامنا ہے۔ پاکستانی فوج کے دعوے کے مطابق اس حملے میں علی بخت سمیت نو شدت پسند مارے گئے تھے تاہم آزاد ذرائع سے پانچ طالبان جنگجوؤں کی ہلاکت کی تصدیق کی ہے۔ عنگولائی کے مقام پر مقامی لوگوں نے ایک احتجاجی مظاہرہ منعقد کیا جس میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ سکیورٹی فورسز طالبان کے خلاف کارروائیوں میں عام شہریوں کے گھروں کو نشانہ بنائے۔ مظاہرے میں تحصیل کبل کے مختلف دیہات سے تعلق رکھنے والے درجنوں افراد نے شرکت کی۔ مقامی ذرائع کے مطابق گذشتہ دس دنوں کے دوران سکیورٹی فورسز اور طالبان کے مابین ہونے والی جھڑپوں میں تیس کے قریب عام شہری مارے جا چکے ہیں۔ واضح رہے کہ سوات میں گذشتہ ہفتے طالبان کی طرف سے خفیہ ادارے آئی ایس آئی کے تین اہلکاروں کی ہلاکت کے بعد

سکیورٹی فورسز نے عسکریت پسندوں کے خلاف آپریشن شروع کیا تھا جو تا حال جاری ہے، اور اب رحمان ملک کی پریس کانفرنس سے یہ علم ہوا ہے کہ سوات میں ہونے والا امن معاہدہ ختم ہو چکا ہے۔ حکومت کی طرف سے اس سلسلے میں کیئے گئے اقدامات کا مثبت جواب نہیں ملا اور اب سکیورٹی فورسز وہاں اس وقت تک موجود رہیں گی جب تک مکمل امن قائم نہ ہو اور حکومتی رٹ بحال نہ ہو جائے۔ قبائلی علاقے باجوڑ ایجنسی سے نقل مکانی کرنے والے لوگوں کی امداد میں مصروف رضا کاروں کا کہنا ہے کہ سکیورٹی فورسز اور طالبان کے درمیان جاری جھڑپوں کی سب سے بڑی قیمت خواتین اور بچے ادا کر رہے ہیں کیونکہ ہجرت کرنے والوں میں سے زیادہ تعداد ان خواتین اور بچوں کی ہے جو بغیر کسی سرپرست کے نقل مکانی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ صوبہ سرحد کے دارالحکومت پشاور میں واقع چارسدہ اڈہ اس وقت ایک مہاجر کیمپ کا منظر پیش کر رہا ہے، جہاں پر سواری کم اور باجوڑ سے ہجرت کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہے۔ ہجرت کرنے والوں میں زیادہ تعداد خواتین اور چھوٹے بچوں کی ہے جنہیں اڈے کے مختلف برآمدوں میں قناتیں لگا کر بٹھا دیا گیا ہے۔ ہر طرف میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے بچے اور شٹل کاک برقعوں میں ملبوس خواتین نظر آ رہی ہیں۔ بچوں کے رونے اور ماؤں کو انہیں خاموش کرنے کی التجائی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ دوسری طرف کونے میں ان مہاجرین کے لئے چاول کی دیگ چڑھائی گئی ہے، اور ساتھ میں سڑک کے کنارے ایک چارپائی پر بیٹھے ہوئے کئی افراد ان کی خوراک و رہائش کے لئے لاؤڈ سپیکروں پر لوگوں سے چندہ وصول کر رہے ہیں۔ چارسدہ اڈے کے سوزوکی اور ٹیکسی ڈرائیور کئی دنوں سے اپنا کام چھوڑ کر ان مہاجرین کی مدد کرنے میں مصروف ہیں۔ بی بی سی کے نامہ نگار کے مطابق خواتین اور بچوں سے کھچا کھچ بھرے ہوئے ایک برآمدے میں داخل ہوا تو شیر خوار بچے ماؤں کی گود میں بلک رہے تھے جبکہ باقی بچے مایوس چہرے لئے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ بڑی مشکلوں سے بعض خواتین کو بات کرنے پر راضی کیا تو ان میں ایک ادھیڑ عمر خاتون نے بتایا کہ یہاں پر تقریباً دو سو خواتین و بچے ہیں جن میں سے بعض ایک کے علاوہ باقی سب کے ساتھ کوئی مرد نہیں آیا۔ ان کے بقول 'ہمارے مرد زیادہ تر کراچی میں محنت مزدوری کرنے کے لئے گئے ہیں جب بمباری میں شدت آئی تو ہم ان سے رابطہ کئے بغیر گھروں میں سارا سامان چھوڑ کر محفوظ مقامات کی طرف نکل آئے۔ انہوں نے مزید کہا 'یہاں پر ہمیں کھانا تو دیا جا رہا ہے لیکن کب تک اس ماحول میں پڑے رہیں گے۔ ہمارے پاس نہ پیسہ ہے اور نہ ہی کوئی اور آسرا' اب میں ان سے بات ہی کر رہا تھا کہ ایک بوڑھی عورت لپک کر میری طرف بھاگ کر آئی اور روتے ہوئے کہا کہ 'ہم نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے پھر ہم پر کیوں بمباری کی جا رہی ہے۔ میں اپنا بوڑھا شوہر گھر میں چھوڑ کر اپنے گھر کے پچاس افراد جن میں ایک سترہ سالہ بچے کے علاوہ باقی سبھی خواتین اور چھوٹے بچے ہیں نقل مکانی پر مجبور ہوئی ہوں۔' انہوں نے مزید کہا کہ حکومت نے اعلان کر کے علاقہ چھوڑنے کو کہا لیکن جب ہم پیدل روانہ ہوئے 'تو طالبان نے ہمیں روک کر جانے نہیں دیا پھر ہم خفیہ پہاڑی راستوں سے ہوتے ہوئے یہاں پہنچے ہیں۔ پیدل چلتے ہوئے ہم سب کے پاؤں کا چمڑا اتر گیا ہے۔ میں نے پاس روتی ہوئی خاتون سے بات کرنا چاہی تو بتایا گیا کہ وہ بات نہیں کرنا چاہتی کیونکہ ان کے بچے باجوڑ میں ہی رہ گئے ہیں۔ ایک اور خاتون روتے ہوئے آگے بڑھی اور میرے پوچھنے پر گویا ہوئی ''اس بات پر رو رہی ہوں کہ یہ دیکھو میرے بچے رو رہے ہیں بھوکے پیاسے ہیں مگر میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ میرے ساتھ کوئی مرد نہیں آیا ہے وہ کراچی میں محنت مزدوری کر رہا ہے۔'' وہ مزید کہنے لگی۔ ''علاقے میں شدید بمباری ہو رہی تھی رات کے وقت ہم غاروں میں پناہ لیتے تھے اور دن کو گھر کے کونے کھدروں میں پڑے رہتے تھے۔ کھانے پینے کی کوئی چیز

میسر نہیں تھی۔'' بی بی سی کا نامہ نگار کہتا ہے یہ پشاور کے چارسدہ اڈہ میں مقیم صرف دو سو مہاجرین کی کہانی ہے۔ صوبہ سرحد کے ضلع دیر' پشاور' مردان' چارسدہ اور دیگر علاقوں میں باجوڑ کے نو لاکھ کی آبادی میں سے بے یارومددگار پڑے تقریباً تین لاکھ لوگوں کی داستان بھی اس سے زیادہ مختلف نہیں ہے۔

محتاط ترین اندازے کے مطابق اس وقت باجوڑ سے ہجرت کر کے آنے والوں کی تعداد قریباً دو لاکھ ہے یہ وہ لوگ ہیں جو بدامنی اور بدبختی دونوں کا بیک وقت شکار ہوئے ہیں۔ انہیں یہ بات ابھی تک سمجھ نہیں آ رہی کہ آخر وہ کس جرم کی سزا بھگت رہے ہیں؟ ان کا جرم پاکستانی ہونا ہے یا مسلمان ہونا؟ اپنے علاقوں میں وہ عسکریت پسند گروپوں کی اطاعت کے پابند ہیں، اور اب بدقسمتی سے یہ گروپ بھی آپس میں لڑنے لگے ہیں۔ کرم ایجنسی' باڑہ اور مہمند اس کی بہترین مثال ہیں اور یہ سلسلہ اب ''فاٹا'' کی دیگر ایجنسیوں کی طرف پھیل رہا ہے یا ایک سازش کے تحت پھیلایا جا رہا ہے۔ اس سوال کا جواب کوئی بھی دینے کے لئے تیار نہیں ہے، لیکن یہ بات صاف دکھائی دے رہی ہے کہ ایک سازش کے تحت ان علاقوں میں سازش کی آگ بھڑکائی جا رہی ہے۔ جو لوگ آگ کے شعلوں کو ہوا دے رہے ہیں وہ نہیں جانتے کہ ان کا اپنا دامن بھی اس میں جل جائے گا۔



# طالبان آرہے ہیں؟



بی بی سی کی ایک رپورٹ کے مطابق ملک کے سب سے بڑے شہر کراچی کی کئی دیواریں ان دنوں ایسے پوسٹروں سے بھری ہیں جن میں عوام کو طالبانائزیشن سے ہوشیار رہنے اور اپنی حفاظت خود کرنے کا مشورہ دیا گیا ہے۔ اردو اور انگریزی زبان میں لکھے ان پوسٹر میں کٹے ہوئے سروں اور ٹانگوں کی تصاویر بھی ہیں۔ ان پوسٹروں پر یہ عبارت تحریر ہے کہ ''ہوشیار، ہوشیار طالبانائزیشن سے ہوشیار' اپنی حفاظت کا خود انتظام کریں شہر کو طالبانائزیشن سے بچائیں''۔ ان پوسٹروں میں اردو میں تحریر پوسٹر پر سندھ بچاؤ تحریک نامی تنظیم کا نام تحریر ہے جو غیر معروف ہے جبکہ انگریزی میں لکھے گئے پوسٹر پر سٹیزن آف کراچی یعنی کراچی کے شہری درج ہے۔ متحدہ قومی موومنٹ کے سربراہ الطاف حسین نے اتوار کی شب ورکرز کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے بھی کچھ انہی خدشات کا اظہار کیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ بندوق کے زور پر کراچی میں طالبانائزیشن کی جارہی ہے اور کراچی کو فاٹا بنانے کی کوششیں تیز کردی گئی ہیں۔ ''میں اہلیان کراچی غریب اور امیر ہر فرد سے یہ کہتا ہوں کہ طالبانائزیشن کی کلاشنکوف بردار اور ڈنڈا بردار شریعت سے محفوظ رہنے کے لیے اپنی حفاظت کا خود بندوست کریں۔ میں ڈنڈا بردار شریعت اور کلاشنکوف بردار شریعت کراچی میں نفاذ کرنے والوں کو بتادینا چاہتا ہوں یہ فاٹا نہیں کراچی ہے''۔ الطاف حسین نے لال مسجد کے خطیب مولانا عبدالعزیز کی اہلیہ اور جامعہ حفصہ کی پرنسپل ام حسان کے کراچی کے دورے اور مدارس میں خطاب پر بھی تنقید کی اور اسے ایک سازش قرار دیا۔ دوسری جانب فی الوقت قبائلی علاقوں تک محدود تحریک طالبان پاکستان کا دعویٰ ہے کہ کراچی سمیت سندھ بھر میں طالبان وجود رکھتے ہیں۔ تحریک کے ترجمان مولوی عمر نے بی بی سی سے بات کرتے ہوئے کہا کہ کراچی ان کی تحریک کے لیے کافی اہمیت کا حامل ہے۔ ''کراچی ایک کاروباری شہر ہے۔ یہاں بہت سے مدارس، طلبہ اور علماء ہیں۔ دنیا کی آنکھیں اس پر مرکوز ہیں۔ بھارت چاہتا ہے کہ وہ کراچی میں مداخلت کرے۔ دیگر دشمن ممالک بھی یہاں مداخلت کرنا چاہتے ہیں۔ جتنی اس شہر کی اہمیت ہے اتنی ہی یہاں طالبان کی اہمیت ہے''۔ ان کا مزید کہنا تھا کہ اگر طالبان یہاں وجود میں آجائیں یہاں جو فحاشی اور عریانی عروج پر ہے وہ ختم ہوگی، اور بیرونی مداخلت کا بھی خاتمہ ہوگا۔ ''یہ کاروباری شہر ہے یہاں امن کی ضرورت ہے اور امن اسلام اور اسلامی نظریے سے ہے''۔

تحریک طالبان کا دعویٰ تھا کہ پاکستان میں ایسا کوئی خطہ یا شہر نہیں جہاں طالبان نہ ہوں کیونکہ یہ عقیدے اور نظریے کا مسئلہ ہے۔ ''طالبان اسی زمین کی پیداوار ہیں کہیں باہر سے نہیں آئے ان کا نظریہ اسلام ہے، اور پاکستان کا بنیادی نظریہ بھی اسلام ہے۔ طالبان ہی پاکستان کے اصل وارث ہیں، جو بھی اس کی مخالفت کرتے ہیں وہ اس کے دشمن ہیں''۔ کراچی سے ماضی میں بھی طالبان تحریک کا نظریاتی تعلق رہا ہے۔ اس تحریک کے رہنما ملا عمر نے اسی شہر کے مدرسہ بنوریہ سے تعلیم حاصل کی اور یہاں درس وتدریس سے وابستہ رہے۔ افغانستان پر امریکی حملے سے قبل پاکستان حکومت کی جانب سے ملا عمر کی طرف بھیجے گئے علماء کے وفد میں بھی اس شہر کے علماء شامل تھے۔

کراچی میں گزشتہ دنوں پولیو مہم کے دوران محکمہ صحت کی جانب سے یہ شکایت کی گئی تھی کہ شہر میں بچوں کو پولیو کے قطرے پلانے سے انکار میں اضافہ ہورہا ہے، اور خاص طور پر یہ صورتحال ان علاقوں میں درپیش ہے جہاں افغانستان اور فاٹا سے لوگ آکر آباد ہوئے ہیں۔ اس سے قبل تیل بردار ٹرک مالکان اور ٹھیکیداروں کو بھی دھمکی آمیز چٹھیاں موصول ہوچکی ہیں جن میں انہیں کہا گیا ہے کہ افغانستان میں امریکی فوج کو تیل کی رسد بند کردیں بصورتِ دیگر نتائج کیلئے تیار رہیں۔ ان تمام واقعات کے جواب میں حکومت سندھ کا یہ کہنا ہے کہ کراچی یا سندھ میں طالبان کا کوئی خطرہ موجود نہیں اور ان کی حالات پر مکمل نظر ہے۔ یہی بات دیگر سیاسی جماعتوں کی طرف سے کہی جارہی ہے۔ خیال رہے کہ کچھ عرصہ پہلے طالبان کے پشاور پر حملے کا بہت زوروشور سے پروپیگنڈہ کیا گیا تھا لیکن آج بھی جبکہ پشاور سے بمشکل دس بارہ کلومیٹر دور باڑہ میں پاکستانی سکیورٹی فورسز اور عسکریت پسندوں کے درمیان تصادم ہورہا ہے، اور ایک دوسرے کے ہلاک شدگان کی تعداد بڑھ چڑھ کر بتائی جارہی ہے' پشاور بہرحال طالبان کے حملے اور قبضے سے محفوظ ہے۔ امید ہے انشاء اللہ کراچی اور ملک کے دیگر شہر بھی محفوظ رہیں گے۔

قبائلی علاقے باجوڑ ایجنسی میں حکام نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ مقامی طالبان کے ساتھ برسرِ پیکار سکیورٹی فورسز کے ایک سو پچاس کے قریب اہلکار گزشتہ تین روز سے طالبان کے محاصرے میں ہیں، لیکن فوج کے ایک اہلکار کا کہنا تھا کہ یہ سکیورٹی اہلکار محاصرے میں نہیں لڑائی میں مصروف ہیں۔ دوسری طرف سکیورٹی فورسز اور طالبان کے درمیان جھڑپیں کئی روز سے جاری ہیں اور مقامی لوگوں کا کہنا ہے کہ درجنوں افراد کی لاشیں لوئی سم کے بازار میں پڑی ہیں۔ باجوڑ میں ایک اعلیٰ حکومتی اہلکار نے نام نہ بتانے کی شرط پر بی بی سی کو بتایا کہ تین دن قبل صدر مقام خار سے تقریباً بارہ کلومیٹر دور لوئی سم کے علاقے کی جانب جن دو سو کے قریب اہلکاروں نے پیش قدمی کی تھی ان میں سے ایک سو پچاس کے قریب اہلکار طالبان کے محاصرے میں ہیں۔ انہیں مسلح طالبان نے چاروں طرف سے محاصرے میں لے لیا ہے، اور انہوں نے گزشتہ تین روز سے کھانا نہیں کھایا ہے اور نہ ہی انہیں پانی دستیاب ہے۔ یہ اہلکار مزاحمت کے طور پر ایک آدھ فائر بھی کرلیتے ہیں۔ انہوں نے مزید بتایا کہ تین دنوں کی جھڑپوں میں سکیورٹی فورسز کے کئی اہلکار جاں بحق ہوئے ہیں جن کی لاشیں وہاں پڑی ہیں اور انہیں اٹھانے کا کوئی موقع نہیں مل رہا۔ ان کے بقول مارے جانے والے اہلکاروں کی حتمی تعداد معلوم نہیں ہوسکی ہے البتہ ہمارے اندازے کے مطابق تیس کے قریب اہلکار ہلاک ہوئے ہوں گے۔ پاکستانی سکیورٹی فورسز کے ترجمان میجر مراد نے بتایا کہ گزشتہ تین دنوں کی کارروائی میں سکیورٹی فورسز کے سات جوان ہلاک جبکہ تیس طالبان ہلاک ہوئے ہیں۔ ترجمان کے مطابق طالبان کے خلاف کارروائی جاری ہے، اور ان کے مشتبہ ٹھکانوں کو توپخانے اور گن شپ ہیلی کاپٹروں سے نشانہ بنایا جارہا ہے۔

طالبان ترجمان مولوی عمر نے بی بی سی کو فون کرکے بتایا کہ ان کے ساتھیوں نے گھات لگا کر جمعہ کی رات صادق آباد اور لوئی سم کے علاقے کے درمیان ایک فوجی قافلے پر راکٹوں اور ہلکے ہتھیاروں سے حملہ کیا جس میں ان کے دعویٰ کے مطابق چالیس اہلکار ہلاک ہوگئے ہیں۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ انہوں نے خود جاکر لاشوں اور تباہ شدہ گاڑیوں کو دیکھا ہے، اور طالبان نے اپنے موبائل سے جائے وقوعہ کی ویڈیو فلم بھی بنائی ہے۔ انہوں نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ تین دنوں کی جھڑپوں کے دوران 65 کے قریب اہلکاروں کو ہلاک جبکہ چھبیس کو یرغمال بنایا گیا ہے۔ مولوی عمر نے کہا کہ ان کے چار ساتھی مارے گئے ہیں جبکہ لوئی سم کے بازار میں سکیورٹی فورسز کے اہلکاروں کے علاوہ ان کے کئی ساتھیوں کی لاشیں بھی پڑی ہیں

جس سے جھڑپوں کی وجہ سے اٹھائے جانے کا موقع نہیں مل رہا۔

پاکستان کے اندر موجود شدت پسند تنظیموں کی جانب سے خطرے سے فکر مند امریکی حکومت ان دنوں افغانستان، وہاں تعینات اتحادی افواج اور خود امریکہ کے لیے پیدا ہونے والے سکیورٹی چیلنجز سے نمٹنے کی خاطر ایک جامع حکمت عملی تشکیل دے رہی ہے۔ امریکی وزیر دفاع رابرٹ گیٹس نے گزشتہ دنوں کہا کہ وہ پاکستان سے افغانستان آنے والے مزاحمت کاروں سے نمٹنے کے لیے مزید امریکی فوجی افغانستان بھیجنے پر غور کر رہے ہیں۔ رابرٹ گیٹس کے بیان سے ایک روز قبل کانگریس میں ایک بل پیش کیا گیا جس میں پاکستان کو انسانی امداد تین گنا کرنے کی تجویز ہے تاکہ امریکہ اور سویلین حکومت کے تعلقات مضبوط ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ امریکہ کے تعلقات جواب تک صرف پاکستانی فوج کے ساتھ رہے ہیں ان میں تبدیلی لائی جائے۔

امریکہ کو یہ بھی امید ہے کہ آئندہ ہفتے عراق سے پانچ بریگیڈز کی واپسی سے امریکی افواج پر پہلے جیسا دباؤ نہیں رہے گا، اور ان کی مختلف مقامات پر تعیناتی کرنے کا فیصلہ آسان ہو جائے گا۔ ایڈمرل مولن نے کہا کہ وزیر دفاع رابرٹ گیٹس کے افغانستان میں مزید افواج تعینات کرنے کی تجویز سے یقیناً مزاحمت کاروں کے لیے سرحد پار آنا جانا مشکل ہو جائے گا تاہم ”یہ زیادہ بہتر ہوگا کہ پاکستان پر بھی دباؤ ہو“۔ گزشتہ ہفتے واشنگٹن کے دورے پر پاکستانی وزیر خارجہ شاہ محمود قریشی نے کہا تھا کہ پاکستان جتنا ہو سکتا ہے شدت پسندوں سے لڑنے کی کوشش کر رہا ہے لیکن امریکہ ان کے اس بیان سے متفق دکھائی نہیں دیتا۔ امریکہ نے مزاحمت کاروں کے خطرے سے نمٹنے کیلئے یکطرفہ کارروائی کرنا شروع کر دی ہے۔ حال ہی میں افغانستان سے امریکی فوج نے پاکستان میں بمباری بھی کی ہے۔ اس سے پاکستان اور افغانستان کے تعلقات میں کشیدگی آئی ہے۔ اس مسئلے کی وجہ یہ بھی ہے کہ اسلام آباد میں قیادت کا فقدان ہے۔ انتخابات کے پانچ ماہ گزرنے کے باوجود اتحادی حکومت صدر پرویز مشرف کو ان کے عہدے سے ہٹانے کے لیے الجھنوں میں جکڑی ہوئی تھی۔ اس سال کے آغاز سے نئی سویلین حکومت قبائل اور شدت پسندوں کے ساتھ امن معاہدے کر رہی ہے، اس امید میں کہ سرحدی علاقوں میں استحکام لایا جاسکے۔ ان معاہدوں کے تحت پاکستانی فوج شدت پسندوں کو جیل سے رہا کر رہی ہے اور بعض علاقوں میں تعینات فوجیوں کو ہٹا رہی ہے۔ اس پر افغانستان اور امریکہ ناراض ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ پاکستان کے اس طرح کے ماضی کے تجربوں سے تشدد میں اضافہ ہوا تھا۔ ادھر نیٹو حکام کا کہنا ہے کہ گزشتہ مئی میں سرحد پار حملوں میں پچاس فیصد اضافہ دیکھا گیا۔

امن معاہدوں کی شرائط پر بھی عدم اطمینان کا اظہار کیا گیا ہے۔ امریکی وزارت خارجہ کے ایک اہلکار کا کہنا تھا کہ یہ معاہدے کافی حد تک خفیہ ہیں اور یہ واضح نہیں ہے کہ پاکستان نے شدت پسندوں کے سرحد پار جاکر حملے کرنے پر کوئی پابندی عائد کی ہے۔ پینٹاگون میں ایک پریس کانفرنس کے دوران رابرٹ گیٹس کا کہنا تھا کہ یہ کافی اہم ہے کہ پاکستانی حکومت خود پاکستان کے لیے شدت پسندوں سے پیدا ہونے والے خطرات کو سمجھے۔ رابرٹ گیٹس نے کہا کہ یہ کافی اہم ہے کہ سویلین حکومت فاٹا اور صوبہ سرحد میں ان تنظیموں پر کنٹرول نہ ہونے کی وجہ سے ان کی جانب سے پاکستان کے لیے پیدا ہونے والے خطرے کی حقیقت کو پوری طرح سمجھ لے لیکن امریکہ اس بات پر بھی فکر مند ہے کہ شدت پسندوں کا خطرہ بہت دور پھیل سکتا ہے، شاید امریکہ تک بھی۔ ایڈمرل مولن کا کہنا تھا ”مجھے یقین ہے کہ اگر امریکہ پر حملہ ہوا تو یہ القاعدہ اور فاٹا میں موجود شدت پسندوں کی

قیادت کی منصوبہ بندی کا نتیجہ ہوگا‘‘۔ انہوں نے مزید کہا’’ ہمارے لیے خطرہ یہی ہے جس سے نمٹنا ضروری ہے‘‘۔

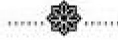
اس سکیورٹی خدشے کے پیش نظر امریکی کانگریس میں منگل کے روز ایک بل پیش کیا گیا، جس کے تحت پاکستان کو ملنے والی غیر فوجی امداد آئندہ پانچ برسوں کے لیے بڑھا کر ساڑھے سات بلین ڈالر کر دی جائے گی تاکہ پاکستان میں ہسپتال، اسکول اور دیگر ترقیاتی منصوبوں پر کام ہو سکے۔ ڈیموکریٹک سینیٹر جوسیف بدین نے یہ بل پیش کرتے ہوئے کہا’’ ایک زمانے تک پاکستان کی جانب ہماری پالیسی تبدیلی کی متوجہ رہی ہے‘‘۔ اس موقع پر ریپبلکن سینیٹر رچرڈ لوگار نے کہا’’ یہ قانون سازی اس بات کا اعتراف ہے کہ انسدادِ دہشت گردی اور جمہوریت کو مضبوط کرنے کا کام ساتھ ساتھ ہوگا‘‘۔ کانگریس میں پیش کیے جانے والے اس بل میں کہا گیا کہ پاکستانی فوج یا پاکستانی حکومت سے تعلقات کو فروغ دینے کے بجائے پاکستانی عوام سے امریکہ کے تعلقات کو فروغ دینے کی ضرورت ہے۔ اس بل میں پاکستانی فوج کو ملنے والی امداد کو اس کی کارکردگی سے مشروط کیا گیا تاہم امریکی صدر کو یہ اختیار ہے کہ وہ اس شرط کو امریکہ کے قومی سلامتی کے مدنظر نظر انداز کر سکتا ہے۔ دونوں سینیٹروں کو امید ہے کہ اس بل کو اس سال کے اختتام تک امریکی صدر کی منظوری مل جائے گی، لیکن اس بات کے بھی خدشات ہیں کہ پاکستان میں عوام کے دل و دماغ جیتنے کی اس پالیسی میں شاید تاخیر ہو گئی ہے اور مستقبل قریب میں فوجی طریق کار ہی جاری رہے گا۔

گزشتہ ایک ہفتے کے دوران پاکستان کے قبائلی علاقوں میں مہمند اور باجوڑ ایجنسیوں میں سکیورٹی فورسز کی طرف سے عسکریت پسندوں کے خلاف کارروائیوں کے دوران ایک درجن سے زائد عام شہری مارے جا چکے ہیں جن میں خواتین اور بچے بھی شامل ہیں۔ سکیورٹی فورسز کی طرف سے مقامی طالبان کے خلاف کارروائیوں میں عام شہریوں کو نشانہ بنائے جانے کے واقعات میں اضافے کو قبائلی عوام میں انتہائی تشویش کی نظر سے دیکھا جا رہا ہے۔

اگر ماضی پر نظر ڈالی جائے تو اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکے گا کہ باجوڑ ایجنسی کی موجودہ صورتحال کی سب سے بڑی وجہ وہاں گزشتہ تین سالوں میں شہری آبادی پر مبینہ بیرونی حملے ہیں۔ دو بار فضائی کارروائیاں القاعدہ کے رہنما ڈاکٹر ایمن الزواہری کی موجودگی کی اطلاعات پر کی گئیں اور پھر چنگئی کے مقام پر دینی مدرسے کو نشانہ بنایا گیا جس میں اسی سے زائد طالب علم اور اساتذہ ہلاک ہوئے۔ زیادہ تر حملوں میں شہری آبادی نشانہ بنی اور پھر حملے بھی مقامی ذرائع کے مطابق سرحد پار سے ہوئے جس کا اثر یہ ہوا کہ ان واقعات سے وہاں مقامی طالبان کی حمایت اور اثر و رسوخ میں اضافہ ہوا۔ باجوڑ میں مقامی طالبان اب بظاہر ایک قوت کے طور پر سامنے آ رہے ہیں۔ یہی صورتحال شمال اور جنوب میں بھی ہے۔ پاکستان میں عام شہریوں کی ہلاکت کے حالیہ واقعات نے افغانستان کی یاد تازہ کر دی ہے۔ افغانستان میں گیارہ ستمبر کے واقعہ کے بعد امریکہ کی طرف سے طالبان شدت پسندوں کے خلاف کارروائیوں میں متعدد بار شہری علاقوں کو نشانہ بنایا گیا ہے جس میں اطلاعات کے مطابق ہزاروں بے گناہ لوگ مارے جاتے رہے ہیں۔ مبصرین کے مطابق امریکہ کی افغانستان میں ناکامی کی سب سے بڑی وجہ شہری علاقوں پر بمباری کو قرار دیا جا رہا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ افغانستان میں فضائی حملوں میں شہریوں کی ہلاکت سے عوام میں امریکہ کے خلاف نفرت بڑھی ہے جب کہ اس کا فائدہ کسی حد تک طالبان کو ہوا ہے۔ پاکستان کے قبائلی علاقوں پر بھی عرصہ ہوا سرحد پار سے میزائل حملوں کا سلسلہ جاری ہے۔ جس کا نشانہ بھی زیادہ تر شہری آبادی رہی ہے۔

شمالی وزیرستان میں تین دن قبل ایک گھر پر سرحد پار سے اتحادی افواج کی جانب سے میزائل حملہ اس کی زندہ مثال ہے، لیکن حکومت پاکستان نے اکثر اوقات افغانستان سے ہونے والے حملوں کو بھی اپنے ہی 'کھاتے' میں ڈالا ہے۔

گزشتہ تین سال کے دوران باجوڑ اور وزیرستان میں متعدد بار سرحد پار سے مبینہ میزائل اور فضائی حملے کیے گئے، جب کہ ملکی اور بین الاقوامی ذرائع ابلاغ میں شواہد سے ثابت بھی کیا گیا کہ ان حملوں میں مبینہ طور پر امریکہ اور ان کے اتحادی ملوث تھے، اور خود اتحادی افواج بھی اس کا اقرار کرتی رہی لیکن اس کے باوجود پاکستانی حکام ان حملوں کو اپنی سکیورٹی فورسز کی کارروائیاں قرار دیتے رہے۔ تجزیہ نگاروں کے مطابق پاکستان سے دہشت گردی کے نام پر امریکہ کی نام نہاد جنگ میں کئی غلطیاں سرزد ہو چکی ہیں جن کا خمیازہ اب اسے بھگتنا پڑ رہا ہے۔ اگر قبائلی علاقوں میں شہری آبادی پر ہونے والے حملوں کا سلسلہ بند نہیں کیا گیا تو اس کا فائدہ شدت پسندوں کو ہوسکتا ہے، اور اس سے عام لوگوں میں ان کی حمایت میں اضافہ بھی ہوسکتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ وزیر اعظم کے حالیہ دورۂ امریکہ کے بعد پاکستان پر قبائلی علاقہ جات میں فوجی کارروائی کرنے کیلئے دباؤ بہت بڑھ گیا ہے، لیکن یہ بات حکومت کو مدنظر رکھنا ضروری ہے کہ اگر ہم نے صرف امریکی دباؤ پر ہی پالیسیاں بنانی ہیں تو اس کی قیمت بھی ہم ادا کریں گے امریکہ نہیں۔



# محلاتی سازشوں کے شکار



اسے پاکستانی عوام کی بدقسمتی کے علاوہ اور کیا نام دیا جائے کہ ایک مرتبہ پھر پاکستانی حکومت اور قبائل کے درمیان ہونے والا معاہدہ ختم ہو گیا ہے۔ طالبان تحریک پاکستان کے سربراہ بیت اللہ محسود نے کہہ دیا ہے کہ وہ اس معاہدے کو تسلیم نہیں کرتے کیونکہ حکومت پاکستان اس کی پابندی نہیں کررہی جبکہ وہ اس کے مکمل پابند ہیں۔ حقائق کیا ہیں؟ اس کا علم تو معاہدہ کرنے والوں ہی کو ہوگا، اور اس بات کا جواب بھی وہ خود ہی دے سکیں گے کہ کون سی ایسی شرائط ہیں جن کی پابندی ان کے دائرہ اختیار سے باہر ہے کیونکہ اس کھیل کا اہم فریق امریکہ بھی ہے، جو کبھی بھی یہ نہیں چاہے گا کہ پاکستان کے سرحدی علاقوں میں نائن الیون سے پہلے والی صورتحال واپس آجائے کیونکہ امریکن اب بھی بضد ہیں کہ دنیا میں جہاں کہیں القاعدہ کوئی کارروائی کرتی ہے اس کا مرکز پاکستان کے قبائلی علاقہ جات ہی ہوتے ہیں۔ حیرت اور افسوس کی بات یہ ہے کہ امریکہ نے افغانستان کو اس ضمن میں مکمل بے گناہی کا سرٹیفکیٹ جاری کر رکھا ہے، جہاں امریکہ کو قریباً ہر دوسرے تیسرے روز طالبان کی طرف سے کسی نہ کسی نوعیت کی ہزیمت اٹھانی پڑتی ہے۔ بظاہر ایسا دکھائی دیتا ہے کہ افغانستان بھی پاکستان کے خلاف سازش کا اہم مہرہ ہے، اور صدر حامد کرزئی امریکی شاطروں کی کٹھ پتلی بنے ہوئے ہیں۔

پاکستان پر بغیر کسی ثبوت کے تسلسل سے الزام لگاتے رہنا حامد کرزئی کی مجبوری بن گئی ہے۔ زیادہ دن نہیں ہوئے جب کابل کی پریڈ میں ہونے والے حملے کا ذمہ دار انہوں نے پاکستانی علاقے میں چھپے عسکریت پسندوں کو ٹھہرایا تھا، اور افغانستان انٹیلی جنس کے چیف اسد اللہ صالح نے بڑھ چڑھ کر پاکستان کے خلاف الزام تراشی کی تھی لیکن آج ہی کی ایک اطلاع کے مطابق جو اسد اللہ صالح کے حوالے سے جاری ہوئی ہے۔ حملے کے دو ملزم گرفتار ہو گئے ہیں جن میں سے ایک کا تعلق افغان وزارت دفاع سے ہے اور دوسرا وزارت داخلہ کا ملازم ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس الزام کی تکرار موجود ہے کہ افغان حکومت اب بھی یہی سمجھتی ہے کہ اس حملے کے پیچھے پاکستان کے قبائلی علاقہ جات میں سرگرم القاعدہ عناصر کا ہاتھ ہے۔

یہ صورتحال بڑی الارمنگ ہے۔ افغانستان کی طرف سے ہونے والی یہ مسلسل الزام تراشی پاکستان کے امیج کو عالمی سطح پر تباہ کر رہی ہے، اور ہم اسے معمول کی کارروائی سمجھ کر نظر انداز کر رہے ہیں، لیکن یہ اتنا آسان اور سہل مسئلہ نہیں۔ پاکستانی حکومت متعدد مرتبہ کہہ چکی ہے کہ وہ امریکہ کو پاکستانی علاقوں میں براہ راست کارروائی کی اجازت نہیں دیں گے جبکہ شواہد اس کے بالکل برعکس ہیں اور امریکہ کا جب جی چاہے اپنی سی کر گزرتا ہے۔ حال ہی میں امریکہ کی طرف سے پھر اس عزم کا اعادہ کیا گیا ہے کہ وہ القاعدہ کی اطلاع ملنے پر پاکستانی علاقے میں براہ راست کارروائی کر سکتے ہیں جبکہ پاکستانی دفتر خارجہ میں نہ مانوں کی رٹ لگا رہی ہے۔

پاکستان کی شمال مغربی سرحدوں پر حالات تشویشناک سے اب انتہائی خطرناک ہو چکے ہیں اگر انہیں تباہ کن کہا جائے تو بھی مبالغہ نہیں ہو

گا۔حکومت کے دعوے ایک طرف بین الاقوامی سطح پر بڑی خطرناک اطلاعات آرہی ہیں۔امریکی ذرائع ابلاغ کا دعویٰ ہے کہ امریکہ افغانستان میں سات ہزار تازہ دم افواج بھیج رہا ہے۔واشنگٹن پوسٹ میں شائع ایک خصوصی رپورٹ میں اعلیٰ امریکی انتظامی عہدیدار کے حوالہ سے بتایا گیا ہے کہ افغانستان میں جاری جنگ کے لئے نیٹو کے اتحادی ممالک سے کمک میں متوقع کمی کے پیش نظر امریکہ عراق سے فوجیوں کی تعداد کو کم کرتے ہوئے افغانستان میں اپنی فوج کی سطح 40 ہزار تک مزید بڑھا سکتا ہے۔رپورٹ کے مطابق صدر جارج ڈبلیو بش نے بخارسٹ میں نیٹو کے سالانہ اجلاس کے دوران اپنے نیٹو کے اتحادیوں کو بتایا تھا کہ امریکہ آئندہ سال افغانستان میں اپنی فوج کی تعداد میں نمایاں اضافہ کرسکتا ہے۔امریکی وزیر دفاع رابرٹ گیٹس نے یورپی اتحادیوں سے افغانستان کے جنوب کے لئے مزید فوج اور آلات بھجوانے کے لئے زور دیا تاہم پینٹاگون نے اندازہ لگایا ہے کہ نیٹو اپنے فوجی کردار کو مزید وسعت نہیں دے سکے گا۔افغانستان میں فوجی کمانڈروں نے مزید دس ہزار فوج کی کمک طلب کی لیکن نیٹو ممالک دو ہزار سے زائد اضافی فوج بھجوانے پر رضامند نہیں ہوئے۔افغانستان میں امریکہ کی 34 ہزار فوج ہے،جس میں سے 16 ہزار نیٹو کے کمانڈ کے تحت ہے جبکہ باقی 18 ہزار انسداد دہشت گردی کے آپریشنوں اور افغان سکیورٹی فورسز کو تربیت دینے پر مامور ہے

مبصرین کے مطابق امریکہ کی جانب سے اپنے مزید 7000 فوج افغانستان بھیجنے کے فیصلے سے دو باتیں واضح طور سامنے آگئی ہیں۔ ایک یہ کہ امریکہ افغانستان میں ہر حال میں موجود رہنا چاہتا ہے،اور وہ اب بھی افغانستان میں اپنی شکست کا تصور قبول کرنے کو تیار نہیں ہے،دوسری یہ کہ وہ اپنے نیٹو اتحادیوں کو اس جنگ میں مزید سرگرم کردار ادا کرنے کے لئے قائل کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا ہے۔سات سال کے تلخ تجربات نے نیٹو ممالک کو یہ سبق سکھا دیا ہے کہ امریکہ افغانستان کی جنگ میں انہیں خواہ مخواہ گھسیٹ رہا ہے،اور یہ کہ اس جنگ میں کامیابی کا بھی کوئی امکان نہیں ہے،نیٹو ممالک کو یہ بھی شکایت ہے کہ ان کی افواج کو افغانستان میں ''امن'' کے طور پر بلایا گیا تھا جبکہ امریکہ ان کو طویل جنگ لڑنے پر مجبور کر رہا ہے،اسی شکایت کی بناء پر نیٹو ممالک نے بخارسٹ کانفرنس میں امریکہ کی تمام تر ترغیب وترہیب کے باوجود اپنے مزید فوجی بھیجنے سے انکار کردیا، صرف فرانس نے چھ سات سو فوجی بھیجنے کا وعدہ کیا جبکہ امریکہ یوکرائین اور جارجیا جیسے ممالک کو نیٹو کی رکنیت دینے اور پولینڈ کو خطیر معاوضے کا لالچ دے کر ان سے چند ہزار فوجی بھجوانے کا وعدہ لے سکا،اب صورتحال یہ ہے کہ اکثر نیٹو اتحادی ممالک افغانستان سے اپنی افواج مرحلہ وار واپس بلانے کے اعلانات کررہے،اور افغانستان میں موجود ان کی افواج نے مشرق اور جنوب کے گرم محاذوں میں جانے سے صاف انکار کردیا ہے۔جس کے بعد افغانستان میں امریکہ کی تنہائی میں نہ صرف اضافہ ہوگیا ہے بلکہ ایسا لگتا ہے کہ یہ جنگ اب واقعتہً صرف امریکہ کی جنگ بن گئی ہے،اور امریکہ کے اتحادی ایک ایک ہوکر اس جنگ سے کنارہ کش ہورہے ہیں،شائد یہی وجہ ہے کہ امریکی عہدیدار اب افغانستان میں نیٹو فوج کی کمان براہ راست اپنے ہاتھ میں لینے کا عندیہ دے رہے ہیں،اور وہ اس امکان پر بھی غور کررہے ہیں کہ آیا افغانستان میں فوجی کمان کو دو حصوں میں تقسیم بھی کیا جاسکتا ہے۔

اس کا صاف مطلب یہی نہیں نکلتا ہے کہ امریکہ کو اپنے اتحادیوں پر بھی اعتبار نہیں رہا اور وہ اب اس خوفناک جنگ کا خمیازہ اکیلے بھگتنے پر مجبور ہے۔بعض مبصرین کے مطابق یہ امر دلچسپ ہے کہ امریکہ نے تیسری دنیا بالخصوص اسلامی ممالک سے عراق کی طرح افغانستان میں فوج بھیجنے کا

مطالبہ نہیں کیا، اس کی وجہ یہی ہے کہ افغانستان کے معاملے میں وہ کسی پر بالخصوص اسلامی ممالک پر اعتبار کرنے کو تیار نہیں، امریکہ اور مغرب کو افغانستان اور اس خطے سے ہمیشہ سے بڑی دلچسپی رہی ہے، اور نیٹو اتحادی مشترکہ مفادات کی خاطر ہی افغانستان میں آئے تھے۔ برطانوی وزیر دفاع نے کچھ عرصہ قبل افغانستان میں کئی عشروں تک رہنے کے عزم کا اظہار کیا جبکہ امریکی صدارتی امیدوار نے افغانستان میں صدیوں تک رہنے کی آرزو ظاہر کی تو یہ بے وجہ نہیں ہے لیکن مشکل یہ آ پڑی ہے کہ امریکہ اور اس کے اتحادیوں کیلئے زیادہ دیر افغانستان میں رہنے کا سامان میسر نہیں ہے، اور صورتحال یہ ہے کہ وہاں روزانہ کی بنیاد پر اتحادیوں کی ہلاکتیں ہو رہی ہیں۔

یہ بات امریکہ بھی اچھی طرح جانتا ہے کہ وہ کبھی طالبان کو فتح نہیں کر سکتا اور پاکستان کے باخبر جاسوسی ادارے اس حقیقت سے مکمل آگاہ ہیں کہ پاکستان میں کہیں بھی دور دور تک القاعدہ کا نام ونشان باقی نہیں رہا جو لوگ نائن الیون کے بعد فرار ہو کر پاکستانی علاقے میں آئے تھے انہیں حکومت نے بڑی ایمانداری سے چن چن کر پکڑا اور امریکہ کے حوالے کیا ہے۔ اس ضمن میں اپنے اور پرائے کی بھی کوئی تخصیص نہیں کی گئی۔ اب امریکہ کو مطمئن کرنے کیلئے پاکستان سے کسی کو گرفتار کر کے امریکہ کے حوالے کرنا ناممکن ہے کیونکہ پاکستان میں القاعدہ کا کوئی نیٹ ورک ہی نہیں۔ امریکہ بہرحال بضد ہے۔ یہ ہے وہ صورتحال جس میں ہم ججوں کی بحالی، پی سی او، آٹا، بجلی، گیس، پیٹرول کے چکر میں باؤلے ہو رہے ہیں۔

افغانستان سرحدوں کے ساتھ ساتھ اور افغانستان کے اندر بھارتی اثر و رسوخ میں بے پناہ اضافہ ہو چکا ہے یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ کابل، جلال آباد اور دوسرے بڑے شہروں کے تمام بڑے بڑے پراجیکٹ کسی نہ کسی حوالے سے بھارتیوں کے کنٹرول میں ہیں، اور انہوں نے اس آڑ میں اپنا گھناؤنا کھیل کھیلنا شروع کر دیا ہے۔ پہلے معاملہ بلوچستان تک تھا اب پاکستان کے قبائلی علاقہ جات میں بھی پھیلنے لگا ہے۔ یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ نائن الیون سے پہلے جو علاقہ امن وامان کا گہوارہ تھا، اور جہاں افغان جہاد کے دوران بھی کوئی عسکری تحریک نہیں تھی وہاں آئے روز کسی نہ کسی عسکری گروپ کی اطلاع سامنے آجاتی ہے اور یہ تمام گروپ اسلامی نظام نافذ کرنے کے علمبردار ہوتے ہیں طاقتور ایف ایم ریڈیوز اور دیگر الیکٹرونکس ڈیوائس کی موجودگی کئی سوالات کو جنم دیتی ہے۔

وزیراعظم یوسف رضا گیلانی وزیر خارجہ اور آصف زرداری کی طرف سے گو کہ اس نوعیت کے ہر سوال کے جواب میں یہی کہا جاتا ہے کہ ہم پاکستانی مفادات پر کوئی سودے بازی نہیں کریں گے لیکن عملاً ایسا نہیں ہو رہا۔ پاکستانی مفادات کیا ہیں؟ قوم کو آج تک اس کی بھی سمجھ نہیں آسکی۔ امریکہ، بھارت، اسرائیل تکون روز بروز مضبوط ہو رہی ہے۔ امریکی محکمہ خارجہ نے 2007ء کے دوران دہشت گردی بارے جو رپورٹ جاری کی ہے اس میں ''مظلوم بھارت'' کا شمار بھی ان ملکوں میں کیا ہے جو ''اسلامی انتہا پسندی'' کا شکار ہیں۔ اس صدی کا اس سے بڑا جھوٹ اور کیا ہو سکتا ہے لیکن ہم خاموشی سے اپنی بے بسی کا نظارہ کر رہے ہیں۔ محلاتی سازشوں کے شکار پاکستان کی شمال مغربی سرحدیں غیر محفوظ ہو گئی ہیں۔ اس تلخ سچائی کا ادراک نہ کیا گیا تو اللہ ہی ہمارا حافظ ہے۔

# ابھی تو آغاز ہوا ہے!



آٹھ سال کی طویل آمریت کے بعد جمہوری حکومت کا قیام پاکستانی عوام کے لئے تازہ ہوا کا جھونکا تھا۔ جس سے مشام جان معطر ہوا لیکن توقعات کے عین مطابق حکومت کے قیام کے فوراً بعد اس کے خلاف سازشوں کا سلسلہ زور وشور سے جاری ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ نادیدہ قوتیں جو اپنی مرضی کا نظام چلانے پر تلی ہوئی ہیں اُن کیلئے کچھ عرصہ کیلئے بھی کسی عوامی حکومت کا قیام نا قابل برداشت ہے۔

یہ ''نادیدہ قوتیں'' گو کہ اپنی دانست میں بہت ہوشیاری سے خود کو عوام کی نظروں سے چھپائے ہوئے ہیں، لیکن اب پاکستانی سول سوسائٹی اتنی بیدار ہو چکی ہے کہ اس ارضِ پاک کو آسانی سے سازشیوں کی شکار گاہ نہیں بننے دے گی۔

پاکستان کے خلاف اس سازش میں جس کا تسلسل جاری ہے صرف پاکستانی اسٹیبلشمنٹ ہی نہیں امریکہ، بھارت اور انتہائی محتاط اندازے کے مطابق اسرائیل بھی شامل ہے۔ اگر ہمارا حافظہ کمزور نہیں تو 2007ء کے وہ دن یاد کیجئے جب اسرائیل اور بھارت نے ایک مشترکہ جاسوسی سیارہ فضا میں چھوڑا اور اعلان کیا کہ یہ سیارہ پاکستان اور ایران کی ایٹمی سرگرمیوں پر نظر رکھے گا۔ اس کے بعد ہی ایرانی حکومت نے بھی بھارت کے ساتھ اپنا طرزِ عمل کچھ تبدیل کیا ہے ورگرنہ تو بھارت نے ایران کے ساتھ خاصے مضبوط تعلقات قائم کر لئے تھے اور اسے پاکستان کے خلاف باقاعدہ اپنا ایک فضائی مستقر بنانے کے لئے بھی پر تول رہا تھا۔ پاکستان میں جمہوری حکومت کے قیام کے بعد بھارتی وزیر اعظم کی طرف سے دورہ پاکستان کا اعلان خوش آئند ہے، لیکن ابھی سے یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ وہ پاکستان کی نئی حکومت کو شاید گذشتہ حکومت کے وعدے یاد دلانے آئیں گے کیونکہ پاکستان میں جمہوری حکومت کے قیام کے ساتھ ہی کشمیر کے حوالے سے دبی دبی آوازیں بلند ہونے لگی ہیں، اور پیپلز پارٹی کی قیادت نے بھی اس بات کا اعلان کیا ہے کہ وہ مسئلہ کشمیر کو جنرل مشرف کی پالیسیوں کے مطابق نہیں کشمیری عوام کی امنگوں اور خواہشات کے مطابق حل کرے گی۔ قبل ازیں چیف آف آرمی سٹاف جنرل کیانی نے بھی پاکستانی فوج کے حوالے سے کہا تھا کہ وہ مسئلہ کشمیر کے متعلق اپنے پرانے مؤقف پر قائم ہیں۔ یہ صورتحال بھارت کے لئے تشویشناک ہے۔

گذشتہ حکومت اپنی بعض مجبوریوں اور امریکہ کے بے پناہ دباؤ کی وجہ سے خاموش تھی جبکہ وہ بھی اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ بھارت نے پاکستانی سرحدوں کے چاروں اطراف سازشوں کا جال بچھا دیا ہے خصوصاً بلوچستان اور پاکستان کے شورش زدہ علاقوں میں بھارتی انٹیلی جنس کی موجودگی کے ثبوت پاکستان کے پاس موجود ہیں۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ہماری گذشتہ حکومت کی کچھ غلط پالیسیوں اور امریکہ کی ضرورت سے زیادہ تابعداری خصوصاً لال مسجد آپریشن کی وجہ سے پاکستان کا ہر شہر انارکی کی زد میں ہے، اور پاکستانی فورسز کو اپنے ہی عوام کے خلاف ایک لایعنی جنگ لڑنے پر مجبور ہونا پڑا لیکن صرف یہی وجہ کافی نہیں تھی اصل میں نائن الیون کے بعد امریکہ کی ہاں میں ہاں ملاتے چلے جانے سے

صورتحال نے یہ رُخ اختیار کیا لیکن کوئی احمق یا عقل کا اندھا ہی اس حقیقت سے انکار کرے گا کہ اس صورتحال سے بھارتی ایجنسیوں نے جی بھر کے فائدہ نہیں اُٹھایا۔ پاکستان میں لگی آگ کے شعلوں کو ہوا دینے کا ہر سامان مہیا کیا ہے اور یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔

اس انارکی اور شورش نے جہاں پاکستانی ایجنسیوں کو اندرونی معاملات میں ضرورت سے زیادہ مصروف کر دیا وہاں ہم بیرونی محاذ پر کمزور پڑ گئے، جس کا بھارت نے بے رحمی سے فائدہ اُٹھایا اور حیرت انگیز طور پر انتہائی بددیانتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے گذشتہ چار پانچ سال سے پاکستان میں قحط کا سماں باندھنے پر تُلا ہوا ہے۔ پاکستان (خاکم بدھن) ریگستان بنانے کے لئے بھارتی حکومت نے تمام عالمی قوانین کی دھجیاں اُڑائیں، اور مقبوضہ کشمیر کے متنازعہ دریاؤں پر پچاس مقامات پر بند باندھ کر ڈیم بنانے میں مصروف ہے، یہی وجہ ہے کہ سوائے دریائے سندھ کے پاکستان کے باقی تمام دریا عملاً جوہڑوں کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔ بگیہار ڈیم پر پاکستانی حکومت نے عالمی عدالت میں مقدمہ بھی دائر کیا لیکن نتیجہ کیا نکلا؟ ہمارے بیانات ایک طرف عملاً بھارت یہ کیس جیت چکا ہے کیونکہ ہم شاید دنیا کی واحد ایسی قوم ہیں جسے آج بھی یہ اُمید ہے کہ کمزور کو دنیا میں انصاف مل سکتا ہے جبکہ اس سے بڑا جھوٹ اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔

پاکستان کی سابقہ حکومت نے تو اس پر بھی خاموشی اختیار کر لی تھی وہ تو بھلا ہو کچھ این جی اوز کا جنہوں نے شور مچایا اور میڈیا کے ذریعے یہ حقائق پاکستانی عوام کے علم میں آئے چیخ و پکار شروع ہوئی اور حکومت نے شاید پاکستانی عوام کا منہ بند کرنے کے لئے نیلم، جہلم ہائیڈرو الیکٹرک پراجیکٹس کے لئے 130 ارب روپے کی لاگت سے منصوبہ شروع کرنے کا اعلان کیا۔ اس منصوبے نے 2016ء میں مکمل ہونا ہے۔ ہماری باخبر اور روشن خیال حکومت کو اس حقیقت کا بخوبی علم تھا کہ بھارت تو پہلے ہی کشن گنگا پراجیکٹ پر کام شروع کر چکا ہے اور اس نے دریائے نیلم کا رُخ موڑنے کے لئے 32 کلومیٹر طویل سرنگ کی تعمیر شروع کی ہوئی ہے، اور جب ہم یہ اعلان کر رہے تھے تو بھارتی انجینئرز تقریباً 25 کلومیٹر طویل سرنگ تو تیار کر ہی چکے تھے کیونکہ بھارتی حکومت نے یہ منصوبہ 2012ء تک مکمل کرنا ہے۔ ہم تو بگلیہار کا رونا رو رہے ہیں بھارت پنجاب اور جہلم پر آٹھ بڑے اور چار درمیانی درجے کے اور 30 چھوٹے ڈیمز بنا رہا ہے جو تیزی سے تکمیل کے مراحل طے کر رہے ہیں۔ خیال رہے یہ تمام منصوبے اسرائیل کی بھرپور تکنیکی معاونت سے مکمل کیے جا رہے ہیں۔ اسرائیل اور بھارت نے عملاً انڈس واٹر سسٹم پر قبضہ کر لیا اور ہم ترقی پسند روشن خیالی کی جان کو روتے رہے۔ یوں تو گذشتہ دورِ حکومت کی کئی باتیں اور کارنامے ہماری تاریخ کا حصہ بنیں گے لیکن گذشتہ حکومت کی اس نااہلی کو کبھی معاف نہیں کیا جائے گا کہ اس نے بھارتی آبی جارحیت کی طرف سے آنکھیں قریباً بند کی ہوئی تھیں۔ اگر کبھی وہ کھولنے کی کوشش بھی کرتے تو امریکہ دوبارہ ہماری آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیتا تھا۔

ماضی میں سرگرم جہاد مٹھی بھر مجاہدین نے بھارت کو سلال ڈیم تعمیر نہیں کرنے دیا تھا اور انڈس واٹر سسٹم پر قبضہ کرنے کے لئے ان سے جان چھڑانا بھارت کے لئے ناگزیر تھا۔ اس نے امریکہ کو اپنی ملکی منڈی خدا واسطے نہیں دی۔ اس کے عوض امریکہ سے ایسا کام لیا ہے کہ بھارتی اس پر ہمیشہ فخر کریں گے۔ امریکہ کی معاونت سے دہشت گردی کا ڈھول پیٹنے کے بعد بھارت نے پاکستان کو کشمیر پالیسی پر بھی افغان پالیسی کی طرح یوٹرن لینے پر مجبور کر دیا تھا' جس کے نتیجے میں مجاہدین کا قلع قمع ہوا۔ بھارتی حکومت نے اپنے گھناؤنے منصوبے پر عمل کا آغاز کنٹرول لائن پر خاردار تار

بچھانے سے کیا جس کے لئے وہ کئی سال سے کوشش کر رہا تھا لیکن ہماری طرف سے مزاحمت کی وجہ سے اس میں کامیابی نہیں ہوتی تھی۔ حیرت انگیز طور پر بھارت اس میں کامیاب ہوگیا اور ورکنگ باؤنڈری سے کنٹرول لائن تک کو محفوظ کرلیا۔

بھارت کے منصوبے ابھی مکمل نہیں ہوئے۔ اپنے "سٹریٹجک پارٹنر" امریکہ کی مدد سے وہ پاکستان کو نیپال اور مالدیپ جیسا ملک بنانا چاہتا ہے۔ پاکستان کا ایٹمی پروگرام اس کے گلے کی ہڈی بن چکا ہے۔ بھارت اور امریکہ دونوں جانتے ہیں کہ راکٹ سازی کے میدان میں پاکستان بھارت سے بہت آگے ہے اور بھارت کنونشنل اسلحہ کے جتنے بھی ڈھیر لگالے پاکستانی دفاع کے لئے خطرہ نہیں بن سکتا کیونکہ پاکستان کا مضبوط میزائل سسٹم بھارتی جارحیت کے راستے کی بڑی رکاوٹ ہے، یہی وجہ ہے کہ بھارت اور امریکہ مسلسل پاکستان کے ایٹمی پروگرام پر تنقید کرتے ہیں اور ایٹمی ذخائر کو غیر محفوظ ثابت کرنے لئے جھوٹا پراپیگنڈہ کرتے رہتے ہیں۔ ممکن ہے ہماری گذشتہ روشن خیال قیادت اس پر بھی کوئی انقلابی پالیسی بنالیتی لیکن پاکستان آرمی کبھی اس پر کمپرومائز نہیں کرے گی محض اس وجہ سے انہوں نے ایسا نہیں کیا۔

سیاسی حکومت کے قیام کے بعد یہ سازشی خاموش نہیں ہوگئے، وہ حکومت کو ہر ممکن ٹف ٹائم دے کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کریں گے کہ یہ ناکام حکومت ہے اور گذشتہ حکومت کی پالیسیاں بھی جاری رکھنا پاکستان کی سلامتی کا راز ہے۔ اس کے لئے وہ ہر چال چلیں گے ہر ممکن دباؤ ڈالیں گے۔ اندرونی اور بیرونی سطح پر سازشوں کا سلسلہ بڑھتا رہے گا کیونکہ پاکستان میں ان کے گھناؤنے عزائم کو پایۂ تکمیل پہنچانے کے لئے بہت سے لوگ قطار میں کھڑے ہیں۔

اس مرحلے پر موجودہ حکومت کو بہت تدبر، تحمل اور منصوبہ بندی سے کام لینا ہوگا، اور اس تلخ حقیقت کو ہرگز نظر انداز نہ کریں کہ دنیا میں اب لڑائیاں صرف کھانے اور پانی پر ہوا کریں گی ان کی نوعیت کیسی ہی کیوں نہ ہو؟



# بلیک واٹر آرمی، اکتوبر سرپرائز اور ''کشمیری دہشت گرد''



وال سٹریٹ جرنل کو دیئے صدر آصف زرداری کے اس انٹرویو کے بعد کہ امریکی میزائل حملے ہماری اجازت سے ہو رہے ہیں اور اہم دونوں یعنی پاکستانی اور امریکی افواج مشترکہ دشمن کا پیچھا کر رہے ہیں، احمقوں کی جنت میں رہنے والے ان سیاسی پاٹے خانوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں جو دن رات آزادانہ خارجہ پالیسی کا راگ الاپ رہے اور پاکستانی عوام کو یہ باور کروانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں کہ موجودہ حکومت نے گزشتہ حکومت کی امریکہ سے متعلق پالیسی کا تسلسل برقرار نہیں رکھا بلکہ ہم تو امریکنوں کی مداخلت کے خلاف باقاعدہ فائرنگ کر کے بھی آپ کو بیوقوف بنا چکے ہیں۔ قبل ازیں ایک نجی ٹی وی سے انٹرویو میں سابق وزیر خارجہ خورشید محمود قصوری نے برملا اعتراف کیا کہ ان کے دور حکومت میں جتنی بھی امریکی مداخلت پاکستانی سرحدوں میں ہوتی تھی اور امریکہ نے جتنے بھی حملے کیے وہ سب پاکستان کی رضامندی سے کیے۔ آپ کا فرمانا تھا کہ ہم نے امریکہ سے کہا تھا آپ اپنا کام کرتے رہیں اور ہم اپنا کام کرتے رہیں گے۔ یعنی آپ ہمارے بے گناہ عوام کے خون سے ہولی کھیلتے رہیں اور ہم شور و غوغا کر کے اپنے عوام کو الو بناتے رہیں گے۔



اس نوعیت کے انکشافات کے بعد جنہیں انکشافات کہنا بھی شاید مناسب نہ ہو، کیونکہ حقیقت احوال سے آگاہ ہر پاکستانی پہلے ہی سے جانتا تھا کہ یہ سب ملی بھگت ہے اور یہ ممکن بھی نہیں کہ امریکہ پاکستان کی اجازت کے بغیر اس کی سرحدوں میں اس طرح مداخلت کرے۔ خود امریکی ذرائع ابلاغ بھی متعدد مرتبہ یہ کہہ چکے ہیں کہ پاکستان کی اجازت ہی سے یہ ساری کارروائی ہو رہی ہے اور افغانستان میں موجود نیٹو اور امریکہ فوجوں کے کمانڈروں نے تو کبھی بھی یہ نہیں کہا کہ انہوں نے کوئی کارروائی پاکستان کے علم میں لائے بغیر کی ہے۔

اگر معاملہ امریکہ تک ہی محدود رہتا تو بھی کوئی بات تھی لیکن جیسا کہ میں نے اپنے گزشتہ مضمون میں عرض کیا تھا کہ اگر امریکہ نے ''دہشت گردوں کے تعاقب'' میں پاکستانی سرحدوں کا تقدس پامال کرنے کی ٹھان لی ہے اور ہم نے کمال فراخدلی سے اسے یہ اجازت بھی دے دی ہے تو پھر ہمیں اس بات کے لیے بھی تیار رہنا چاہئے کہ بھارت بھی اب ''گرم تعاقب'' کرے گا۔ وہ بھی خود کو بزعم خویش اس خطے کا امریکہ ہی سمجھتا ہے۔



آپ نے دیکھا جیسے ہی ہمارے صدر محترم نے ''مسلح جدوجہد کرنے والے کشمیری دہشت گرد ہیں'' کا فتویٰ جاری کیا، مقبوضہ جموں و کشمیر میں موجود بھارتی فوجی بھوکے بھیڑیوں کی طرح کشمیریوں پر حملہ آور ہوئے ہیں اور اب تک کی اطلاعات کے مطابق مقبوضہ کشمیر میں کرفیو نافذ ہے۔ سرینگر میں کسی کشمیری کو دیکھتے ہی گولی مار دینے کے احکامات جاری ہو چکے ہیں۔ بھارت اور پاکستان کے پپو کشمیری لیڈر میر واعظ عمر فاروق اور ان کے سازندوں سمیت تمام حریت اور غیر حریت کشمیری لیڈر شپ پابند سلاسل ہے۔ ان میں وہ بھی شامل ہیں جو مسلح جدوجہد کی بات کرتے ہیں اور وہ بھی جو اس کے خلاف اور ''شانتی شانتی'' کی رٹ لگائے ہوئے ہیں۔ پاکستان کی طرف سے اتنا بھرپور تبصرہ ہونے کے بعد کہ مسلح جدوجہد کرنے والے

کشمیر دہشت گرد ہیں' بھارت اگر کشمیریوں کا ناطقہ بند نہ کرے تو پھر وہ بے وقوف ہی ہو گا۔

یہ ہیں ہماری وہ انقلابی پالیسیاں جن کے بل بوتے پر ہم پاکستان کو ایشیائی ٹائیگر بنانے کی احمقانہ سوچ رکھتے ہیں۔ صدر نے اپنے انٹرویو میں فرمایا کہ پاکستانی سیمنٹ فیکٹریاں اور ٹیکسٹائل ملز بھارت کی ضروریات پوری کر سکتی ہیں۔ شاید ان کے علم میں یہ بات نہ رہی ہو کہ پاکستان بھارت سے سیمنٹ درآمد کرتا ہے اور جہاں تک ٹیکسٹائل انڈسٹری کا تعلق ہے' وہ ہماری گزشتہ حکومت کی مہربانیوں سے زندہ درگور ہے۔ اللہ جانے کس نے ہمیں یہ مشورہ دیا کہ صوبہ سرحد کے عوام کو آپس میں ٹکرا دو۔ اس طرح نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔ ہمارے سیاسی و عسکری قائدین کو شاید یہ اندازہ نہیں ہے کہ وہ امریکی ایماء پر ملک کے سرحدی علاقوں میں کس قدر خطرناک کھیل کھیلنے جا رہے ہیں اور طالبان کے خلاف لشکر کشی کے نام پر قبائل کو آپس میں لڑانے کا انجام ملک کی سالمیت کے لیے کس قدر تباہ کن ثابت ہو سکتا ہے۔ سرحد اور قبائل میں جاری شورش کی زمینی صورتحال سے واقف لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مقامی طالبان کوئی باہر کی مخلوق نہیں بلکہ اسی خطے کے غیور قبائل کا حصہ ہیں' انہیں قبائلی عوام کی اکثریت کی حمایت اس لئے حاصل ہے کہ وہ قبائلی خطے پر امریکی جارحیت کی مزاحمت کی علامت سمجھے جاتے ہیں، یہ کسی مخصوص گروہ کا نام ہے نہ اس کا کوئی متعین ٹھکانہ ہے۔ اگر مقامی طالبان کو قبائلی عوام کی حمایت حاصل نہ ہوتی تو اب تک کی جانے والی سینکڑوں کارروائیوں کے نتیجے میں ان کا خاتمہ ہو جانا چاہیۓ تھے۔ خود امریکہ کے فوجی کمانڈر جنرل پیٹرس نے کہا ہے کہ افغانستان اور پاکستان کے بعض علاقوں سے طالبان کا کنٹرول ختم کرنا انتہائی مشکل ہے۔ ایک امریکی اخبار کو انٹرویو میں انہوں نے کہا کہ افغانستان کی صورتحال پر ہر ایک کو تشویش ہے۔ ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عراق میں حاصل ہونے والے تجربے کو افغانستان میں استعمال کرنا چاہیۓ تھا۔ جنرل پیٹرس کا کہنا تھا کہ ہر جگہ صورتحال مختلف ہوتی ہے۔ افغانستان میں کامیابی کے لئے قبائلی رہنماؤں کو سیاسی دھارے میں شامل کیا جائے اور اس سلسلے میں سعودی عرب سمیت خطے کے دیگر ممالک کا تعاون بھی حاصل کیا جائے۔ پاکستان اور افغانستان میں ''دہشت گردوں'' سے نمٹنے اور بہتر نتائج حاصل کرنے کے لیے شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ امریکی سپہ سالار کا یہ بیان یہ بتانے کے لیے کافی ہے کہ بش انتظامیہ عراق میں مقامی قبائل کو مزاحمت کاروں کے خلاف اکسانے کا تجربہ اب یہاں دہرانا چاہتی ہے جس کے لیے حکومت نے اپنی خدمات پیش کر دی ہیں تاہم خود امریکی جنرل کے بقول یہ حکمت عملی یہاں مزاحمت اور تشدد کو کم کرنے کی بجائے مزید بڑھانے کا بھی باعث بن سکتی ہے جبکہ یہاں صورتحال پہلے سے انتہائی مخدوش ہے۔

اخبار نیویارک ٹائمز کے مطابق پاکستان میں جنگ صرف بم حملوں اور دہشت گردی تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ اس کا دائرہ بہت زیادہ وسیع ہو چکا ہے۔ جنگ کے باعث 1250 افراد جھڑپوں کی وجہ سے نقل مکانی کر چکے ہیں اور تقریباً 20 ہزار افراد باجوڑ سے افغانستان میں پناہ لے چکے ہیں۔ دیگر افراد پشاور میں اقوام متحدہ کے قائم کردہ کیمپوں میں پناہ گزین ہیں۔ ریڈ کراس کی بین الاقوامی کمیٹی کے مطابق تو پاکستان اب ایک وار زون ہے۔ ایسے حالات میں مقامی قبائل کو مقامی طالبان کے خلاف ہتھیار اور وسائل فراہم کر کے میدان میں اتارنے سے پورے خطے میں خانہ جنگی کی صورتحال پیدا ہونے کا خدشہ ہے جو ملک کی سالمیت کے لیے انتہائی خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ حکومت کو اس جنگ کو مزید ہوا دینے اور قبائلی عوام کو آپس میں لڑانے کے امریکی منصوبے پر عمل کرنے سے گریز کرنا چاہیۓ۔ امریکہ افغانستان کی جنگ کو پاکستان منتقل کرنا چاہتا

ہے۔ وہ پاکستان کے جوہری اثاثوں تک رسائی کے لیے راستہ ہموار کرنا چاہتا ہے۔ اس مقصد کے لیے پاکستان میں بدامنی اور انتشار پھیلانا اس کی باقاعدہ حکمت عملی کا حصہ ہے' پاکستان کے حکمران اگر اس امریکی سازش کا منہ توڑ جواب نہیں دے سکتے تو انہیں کم از کم اس کا حصہ بننے سے تو گریز کرنا چاہئے۔ انہیں اس امر کا ادراک ہونا چاہئے کہ امریکہ کی خواہشات کی کوئی حد نہیں ہے۔ امریکہ کسی کا دوست رہا ہے نہ امریکی دوستی کا بھرم رکھنے والے حکمرانوں کو دائمی اقتدار نصیب ہوا ہے۔ پرویز مشرف کی مثال زیادہ پرانی نہیں ہے۔ ہمارے حکمرانوں کو امریکی خوشنودی کی خاطر آگ سے کھیلنے اور ملک وقوم کے مفادات کو معرض خطر میں ڈالنے کی غلطی نہیں کرنی چاہئے۔ ہاں البتہ ان قوتوں کو ضرور بے نقاب کرنا چاہئے جو شورش زدہ علاقوں میں اپنے ایجنٹوں کے ذریعے حالات خراب کر کے پاکستانی فوج اور قبائلی عوام کو لڑانے کے عالمی منصوبے کو آگے بڑھا رہی ہیں۔ حکومت کو قبائلی عوام کے تعاون سے ایسے عناصر کو بے نقاب کرنے پر ہی توجہ دینی چاہئے۔ یہی پاکستان کی بقاء اور سلامتی کا راستہ ہے۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ آپ امریکہ سے جنگ شروع کر دیں۔ یا پھر امریکہ کے خلاف اتنی سخت پالیسی اپنالیں کہ وہ آپ کو بھی القاعدہ کی فہرست میں شامل کر لے لیکن یہ بھی ضروری نہیں کہ ہم امریکہ کو ہی اپنا ملجا وماوی سمجھ لیں۔ اگر پاکستان کے پاس نومبر میں پٹرول خریدنے کے لیے زرمبادلہ نہیں تو اس کا علاج یہ نہیں کہ ہم کشمیری حریت پسندوں کو دہشت گرد قرار دینے لگیں اور امریکہ کے ہر جائز ناجائز حکم پر آمنا صدقنا کہیں۔ اگر حکومت جرأت کرے' خصوصاً پیپلز پارٹی کی حکومت اپنے عظیم لیڈر ذوالفقار علی بھٹو جیسی جرأت کا مظاہرہ کرے تو اس ملک کے ذخیرہ اندوزوں کے گوداموں میں اتنی گندم موجود ہے جو اگلے دس سال تک پاکستانیوں کے پیٹ کا جہنم بجھا سکتی ہے۔ کھربوں روپے کے قرضے ہڑپ کرنے والے آدم خوروں کی جائیدادیں ضبط کر کے عوام کے خون پسینے کی کمائی ان سے واپس لے اور غیر ملکی بینکوں میں جمع وہ کھربوں روپیہ جو ان درندوں نے پاکستانی عوام کی ہڈیوں سے گودا نکالتے ہوئے جمع کیا ہے' واپس لانے کے لیے امریکہ کی مدد حاصل کرے تو یہ مسئلہ کیسے حل نہیں ہوگا' لیکن یہ کام کرے گا کون؟ جہاں حمام میں سارے ہی ننگے ہوں وہاں بلی کے گلے میں گھنٹی کون باندھے گا؟ بدترین حالات میں بھی اس مملکت خداداد میں اتنا دم خم ہے کہ یہ اپنے باسیوں کو عزت کی روٹی اور روزگار دے سکتی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ کوئی حکمران غیرت ملی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس طرف توجہ دے۔

اب شنید ہے کہ پاکستانی فوج کو تربیت دینے کے لئے ''بلیک واٹر کمانڈوز'' (Black Water Comandos) آ رہے ہیں۔ امریکہ کے نائب صدر ڈک چینی کی یہ پرائیویٹ آرمی جو جرائم پیشہ غنڈوں پر مشتمل ہے' اپنے گھناؤنے کارناموں کی وجہ سے ساری دنیا میں بدنام ہے۔ گو کہ امریکہ اور پاکستان کی حکومتیں یہ تسلیم نہیں کرتیں اور آنے والوں کو ''گردانتی ہے لیکن جنرل حمید گل نے ایک نجی ٹی وی سے انٹرویو میں اس کا سارا پول کھول دیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی آج کل امریکی افواج ''اکتوبر سرپرائز'' کا بھی چرچا کر رہی ہیں اور یہ کہا جا رہا ہے کہ اس ماہ میں امریکن فوجیں حیرت انگیز حد تک جارحیت کرتے ہوئے پاکستانی علاقوں میں کارروائیاں کریں گی تاکہ اگلے امریکی انتخابات میں اپنے امیدوار کے لیے راستہ ہموار کیا جا سکے۔ اللہ ہی ہمارے حال پر رحم کرے۔

# سازشی متحرک ہو گئے ہیں!



انتخابات کے بعد سے اب تک جہاں عوامی مینڈیٹ حاصل کرنے والی بڑی پارٹیاں مرکز اور صوبوں میں اپنی حکومتیں قائم کرنے کے باوجود ابھی تک اس خوف سے نجات حاصل نہیں کر سکیں جو ''اسٹیبلشمنٹ'' نام کی بلا نے ان پر مسلط کر رکھا ہے۔ وہ خفیہ لیکن انتہائی طاقتور ہاتھ اور چہرے جنہیں غیر ملکی پشت پناہی بھی ہمیشہ حاصل رہی ہے مخصوص مفادات کے لئے اپنے گھناؤنے کام میں مصروف ہیں کیونکہ وہ اس کام کی تنخواہ لیتے ہیں۔ 18 فروری کے نتائج حکومت کے لئے سانحہ سے کم نہیں تھے۔ انہوں نے بہر صورت یہ منصوبہ بندی کی تھی کہ اس مرتبہ بھی گزشتہ آٹھ سال کی طرح وہ اپنے حامیوں ہی کو برسر اقتدار لاکر اپنے عزائم کی تکمیل کریں گے۔ اس طرح وہ غیر ملکی ایجنڈہ بھی کامیابی سے پورا ہوتا رہے گا جس کی تکمیل ہی دراصل ان کی موجودہ نوکری کی بنیادی شرط تھی لیکن سول سوسائٹی کی بیداری خصوصاً وکلاء کی جاندار تحریک نے (جن کا بدقسمتی سے ہمارے سیاستدان مخصوص مقاصد کے تحت دل کھول کر اعتراف کرنے سے گھبراتے ہیں) سابقہ حکومت خصوصاً صدارتی محل میں بُنے سازشوں کے جال کا تانا بانا بکھیر کر رکھ دیا اور ایسے چونکا دینے والے نتائج سامنے آئے جنہوں نے حکومت کو وقتی طور پر سیاسی سرنڈر کرنے پر مجبور کر دیا۔

الیکشن نتائج آنے کے فوراً ہی بعد جب پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ (ن) کی طرف سے اتحادی حکومت قائم کرنے کا اعلان ہوا جس میں اے این پی اور کچھ دوسری جماعتیں بھی شامل ہیں تو پاکستان پر اچانک غیر ملکی سفارتکاروں نے ہلہ بول دیا۔ یہ لوگ مخصوص ایجنڈہ اور مقاصد لے کر قریباً ہر قابل ذکر سیاستدان کے دروازے پر گئے، اور انہیں اپنی بات کا قائل کرنے کی کوشش کی۔ امریکی سفارتکاروں میں نمایاں نیگرو پونٹے جو ماضی میں امریکی مفادات کے لئے درندگی کی حد تک جانے کا مظاہرہ لاطینی امریکہ کے ممالک میں کر چکے ہیں زیادہ نمایاں دکھائی دیئے، ظاہر ہے وہ پاکستان میں بھی سی آئی اے کا ایجنڈہ ہی نافذ کروانے آئے تھے۔ ان لوگوں نے نہ صرف پاکستانی سیاستدانوں بلکہ قبائلی عمائدین سے بھی ملاقاتیں کیں اور اپنے طور پر امریکہ کے لئے تحفظات حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہے گو کہ سیاستدانوں کی طرف سے یہ کہا جا رہا ہے کہ انہوں نے امریکیوں سے پارلیمنٹ کی برتری اور اس کے ذریعے فیصلے کروانے کی بات کی ہے، لیکن پاکستانی ہونے کے ناطے یہ بات ہم سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہاں ہاتھی کے دانتوں کی طرح کھانے اور دکھانے کے معاملات مختلف ہوتے ہیں، اور یقیناً ان لوگوں نے بھی کچھ گارنٹیاں موجودہ حکومت سے حاصل کی ہوں گی جو حکومت کی بھی مجبوری ہیں کیونکہ اس پر اپنے قیام کے ابتدائی دنوں ہی میں بہت سے پریشر آ گئے ہیں۔

امریکیوں کی رخصتی کے بعد عمر عبداللہ اور محبوبہ مفتی نے قدم رنجہ فرمایا، یہ لوگ کسی کانفرنس میں شرکت کرنے تشریف لائے تھے لیکن انہوں نے بھی اہم سیاستدانوں اور حکومتی عہدیداروں سے ملاقاتیں کر کے قائل کرنے کی کوشش کی کہ وہ صدر مشرف کی کشمیر پالیسی جاری رکھیں (صدر محترم کی کشمیر پالیسی یہ ہے کہ سوائے استصواب رائے کے جو پاکستان کی کشمیر پالیسی کا ہمیشہ سے بنیادی اور اصولی موقف رہا ہے باقی تمام معاملات پر

بات کی جائے) یعنی کوئی ایسا اقدام ہرگز نہ کیا جائے جو امریکہ یا بھارت کی ناراضگی کا سبب بنے یہی وجہ ہے کہ موصوف جو کبھی خود کو کارگل کا ہیرو بتایا کرتے تھے، کشمیر کے مسئلے پر بسوں اور ٹرکوں کی آمدورفت اور میل ملاپ سے آگے جانے پر تیار نہیں کیونکہ ان کے دوستوں یعنی امریکی دوستوں اور بھارتیوں کا گمان ہے کہ اس طرح مسئلہ کشمیر کا حل نکلے گا۔ جب ادھر اُدھر کے لوگ آپس میں ملیں گے موج میلہ کریں گے تو مسئلہ خود ہی حل ہو جائے گا، جو تین چار پرانے اور گھسے پٹے لیڈر ہیں وہ تب تک شاید زندہ نہ رہیں۔ امید کی جانی چاہئے کہ نئی حکومت جس کی اعلیٰ قیادت نے کشمیر کے مسئلے پر بڑی قربانیاں بھی دی ہیں، اور جو مسئلہ کشمیر کو اب تک زندہ رکھنے کا کریڈٹ بھی رکھتے ہیں کسی ڈکٹیشن کے بجائے پاکستان کے بنیادی موقف یعنی استصواب رائے کے ذریعے کشمیریوں کی قسمت کا فیصلہ کو ہی اپنی پالیسی کی بنیاد بنائیں گے، اور مقبوضہ کشمیر کے بوڑھے شیر سید علی گیلانی کے اس شکوے کا بھی ازالہ کریں گے کہ صدر مشرف نے کشمیریوں کی پیٹھ میں خنجر گھونپا ہے، اور ان کی پالیسیوں سے مقبوضہ کشمیر بھارتی فوجیوں کی شکارگاہ بن گیا ہے۔

اس مرحلے پر وزیراعظم کی طرف سے پاکستان کی شمال مغربی سرحدوں پر جاری شورش کے حوالے سے یہ بات بڑی خوش آئند ہے کہ وہ طاقت کے بجائے اس مسئلے کو بات چیت کے ذریعے حل کرنے کی کوشش کریں گے۔

مقامی طالبان نے وزیراعظم کے اس اعلان کا پرجوش خیرمقدم کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر حکومت مذاکرات کے ذریعے مسائل کے حل میں سنجیدہ ہو تو وہ نہ صرف اس میں تعاون کریں گے بلکہ اپنی روایت کے مطابق وہ پاکستان کے لئے بغیر تنخواہ کے سپاہی کا کردار ادا کریں گے۔ اب طالبان کی اس پیشکش کو قبول کرنے میں دیر نہیں کی جانی چاہئے کیونکہ خارجی ہاتھ خیرسگالی کے ان دو طرفہ جذبات کو ایک بار پھر کسی اشتعال انگیز کارروائی کے ذریعے ختم کر سکتا ہے، اور نئی حکومت کو بھی اپنے قبائلی علاقوں میں طاقت کے استعمال پر مجبور کیا جا سکتا ہے، جس کے نتیجے میں قبائلی عوام امید کی اس نئی کرن سے بھی مایوس ہو کر دوبارہ شورش کا شکار ہو سکتے ہیں۔

اس سلسلے میں یہ امر خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ حالیہ دنوں جب سے قومی رہنماؤں کی جانب سے قبائلیوں سے مذاکرات اور سابقہ حکومت کی پالیسیوں میں تبدیلی کرنے کا عندیہ دیا جا رہا ہے، قبائلی علاقوں میں تشدد کے واقعات میں نمایاں کمی دیکھی جا رہی ہے، اور ملک کے دیگر شہروں میں بھی کوئی بڑا ناخوشگوار واقعہ نہیں ہوا ہے۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ قبائلی علاقوں میں شورش اور ملک میں بدامنی کی اصل وجہ مشرف حکومت کی پالیسیاں ہی ہیں، اور اب اس عفریت سے بچنے کا واحد راستہ بھی یہی ہے کہ ان پالیسیوں پر نظرثانی کی جائے اور قبائلی عوام کے اس احساس کو دور کیا جائے کہ انہیں امریکہ اور دیگر عالمی طاقتوں کے ایماء پر نشانہ بنایا جا رہا ہے۔

وزیراعظم کی جانب سے تشدد کا راستہ اختیار کرنے والوں کو قومی سیاسی دھارے میں شامل ہونے کی دعوت اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ اس سے ملک کے ناراض دینی حلقوں کو ایک بار پھر مین سٹریم کی سیاست کی طرف آنے کی تحریک ملے گی، اور مرکز گریزی کے انتہا پسندانہ رجحانات کی حوصلہ شکنی ہوگی۔ گزشتہ آٹھ سالوں کے دوران ملک میں دینی قوتوں کو دبانے اور روشن خیالی کے نام پر غیر اسلامی سرگرمیوں کی جس طرح ترویج کی گئی، اور پھر جس طرح تمام دینی قوتوں کی رائے اور موقف کو نظرانداز کر کے قانون سازی کی گئی، سرحد میں عوام کی خواہشات کے مطابق اسلامی

قانون سازی کا راستہ روکا گیا، اس سے بہت سے دینی حلقے اس احساس کا شکار ہوگئے کہ پاکستان کی جمہوری سیاست میں دینی جماعتوں کا کردار غیر موثر ہوگیا ہے، اور دینی کاز کے تحفظ کے لئے متبادل راستہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے، اسی احساس نے لال مسجد کی نفاذ شریعت تحریک، وزیرستان میں طالبان تحریک، سوات میں مولانا فضل اللہ کی تحریک کو تقویت دی، جس کا نتیجہ قوم اور خود ق لیگ کی اس وقت کی حکومت بھگت چکی ہے۔ اب یہ امر از حد ضروری ہے کہ قومی سیاست میں ملک کی دینی قوتوں کے کردار کو اہمیت دی جائے، اور بالخصوص دینی معاملات میں علماء اور مشائخ کی ایک معقول تعداد سینٹ اور قومی اسمبلی میں موجود ہے، حکومت ان کے تعاون سے ملک بھر کی دینی قوتوں کا اعتماد بحال کر سکتی ہے جو کہ وقت کی اہم ضرورت ہے۔

یوں تو گزشتہ حکومت نے بڑی بڑی بڑھکیں لگائی تھیں، لیکن ان کے ترقیاتی اور روشن خیال منصوبوں کی قلعی اب آہستہ آہستہ کھلنے لگی ہے۔ حال ہی میں سٹیٹ بنک کی طرف سے جاری ہونے والی رپورٹ اس کا ثبوت ہے۔ مرکزی بنک کے ذریعے حکومتی قرضوں کے حجم میں گزشتہ سال کے مقابلے میں 14 گنا سے زیادہ اضافہ ہوا ہے جبکہ کمرشل بنکوں کے قرض واپس کرنے کا عمل جاری ہے، مرکزی بنک کے مطابق جولائی 07ء سے 22 مارچ 08ء تک حکومت نے بنک سے 364 ارب روپے سے زائد قرضے لئے۔ حکومت نے کمرشل بنکوں سے لئے گئے 49 ارب 18 کروڑ روپے کے قرضے واپس کر دیئے ہیں۔ معیشت میں زیر گردش کرنسی میں 59 کروڑ روپے کا اضافہ ہوا۔ اس صورتحال کی وجہ سے بنکاری نظام کے مقامی اثاثوں میں 17.19 فیصد کی شرح سے اضافہ ہوا جبکہ گزشتہ سال یہ 10.37 فیصد تھا۔

وزیر اعظم گیلانی نے منصب سنبھالنے کے بعد ملکی معیشت کو سنبھالنے کے لئے اقدامات کا اعلان کیا ہے، اس کے مدنظر قوم کو توقع ہوئی ہے کہ سابقہ حکومت نے اندھا دھند ملکی اور غیر ملکی قرضے لے کر جس طرح پورے ملک وقوم کو گروی رکھ دیا تھا، اس سے نجات کی سبیل نکل آئے گی۔ اربوں کھربوں کے قرضے معاف کروانے کی سخت ناپسندیدہ روایت ختم ہوگی خصوصاً حکومتی قرضوں کو قابو میں رکھا جائے گا۔ اس تناظر میں یہ تازہ رپورٹ ایک نہایت سنجیدہ اور تلخ سوالنامے کی حیثیت رکھتی ہے کہ آخر اتنے بھاری قرضے کس مقصد یا مقاصد کے لئے حاصل کئے جا رہے ہیں، اور صرف ایک سال میں 25 ارب 70 کروڑ سے یک لخت 14 گنا اضافے کے ساتھ 364 ارب روپے کس طرح ہو گئے، اور قوم جو کھربوں کے ٹیکس بھرتی ہے، وہ کہاں جا رہے ہیں ان کے ہوتے ہوئے یہ مزید قرضے در قرضے کیا معنی رکھتے ہیں۔ وزیر اعظم اس معاملے کی تحقیقات کروائیں اور یہ رقوم فی الفور واپس قومی خزانے پر جمع کروائیں کیونکہ سابقہ دور میں جس بڑے پیمانے پر لوٹ مچائی گئی، اس کے مدنظر اب کسی ایسے اقدام کی طرف سے نرمی یا چشم پوشی یا رعایت اس کا سارا وبال موجودہ حکمرانوں کے سر لے آئے گی۔ یہ بات نئے حکمرانوں کو اچھی طرح سمجھ لینا اور یاد رکھنا چاہیے۔



# وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے!

5 دسمبر کا پشاور دھماکہ ممکن ہے سکیورٹی حکام کی ناکامی کا شاخسانہ قرار دیا جائے۔ کیونکہ ممبئی کے بعد جس طرح کا موڈ بھارتی حکمرانوں بن چکا ہے۔ خصوصاً ان کے میڈیا کی طرف سے جس تعصب کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے اور انہوں نے جس طرح اسے ایک ذاتی جنگ بنا رکھا ہے۔ یہ امید ضرور کی جا رہی تھی کہ بھارتی انٹیلی ایجنسیاں پاکستانی عوام کو نا کردہ جرم کی سزا ضرور دیں گی اور اس کی ابتداء بھی فوراً کراچی سے کر دی گئی۔ ہماری منافقت اور خوف کی ماری سیاسی قیادت جس کے مخصوص مفادات عموماً انہیں مخصوص موضوعات تک ہی بولنے کی اجازت دیتے ہیں اس ضمن میں تشکیک کا شکار ضرور رہی ہوگی لیکن جو لوگ انٹیلی جنس کی الف ب بھی جانتے ہیں انہیں اس کا بخوبی اندازہ ہے کہ کس کا کارنامہ ہے اور جو لوگ پاکستانی عوام کو گمراہ کرنے کے لئے آئیں بائیں شائیں کر رہے ہیں ان سے متعلق بھی پاکستانی عوام بخوبی جانتے ہیں کہ وہ کس کی نوکری کر رہے ہیں۔

آزمائش اللہ کی سنت ہے اور اس سے ہر مسلمان پناہ مانگتا ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ کسی کو انعام سے نوازے اور اس کے درجات بلند کرنے کے لئے کسی امتحان میں ڈالیں تو مومن کی اطاعت لازم ماننا ہے اور گھبراتا نہیں کیونکہ اسے یہ امید ہوتی ہے کہ وہی اللہ اس مصیبت کو ٹال بھی دے گا اور نجات بھی دلائے گا بد قسمتی سے ہماری بیشتر سیاسی قیادت نے اس مملکت خداداد کی بنیاد کو فراموش کر دیا ہے یا پھر انہیں اس پر یقین ہی نہیں رہا کہ یہ ملک جس نظریے کی بنیاد پر معرض وجود میں آیا وہ کوئی ایسا معمول کا واقعہ نہیں تھا انسانی معلوم تاریخ کا دوسرا بڑا واقعہ ہے اور جس اللہ کے نام پر اسے لاکھوں جانوں کی قربانیاں دے کر حاصل کیا گیا ہے اصل میں وہی اس کی حفاظت کا ذمہ دار بھی ہے ہم نے بد قسمتی سے اس کی حفاظت کا ذمہ دار کسی اور کو سمجھ لیا ہے اور نادانوں کی طرح ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ ذلیل ہو رہے ہیں' دھتکارے جا رہے ہیں' اس کے باوجود بضد ہیں کہ ان ہی مصنوعی خداؤں کا محتاج بنے رہیں گے جو در اصل شیطان کا دوسرا روپ ہیں اور دنیا کو اپنی مرضی سے چلانا چاہتے ہیں۔ حیرت' شرم اور دکھ کی بات ہے کہ ہم حق گوئی کی قریباً آخری سٹیج یعنی برے کو زبان سے برا کہنے سے بھی لاچار ہیں۔ ایک طرف بھارتی اور امریکی میڈیا ہے جس نے ساری دنیا کو چیخ چیخ کر ہمارے دہشت گرد' روگ سٹیٹ' ناکام ریاست' ناکام حکومت وغیرہ وغیرہ کی دھائی دے رکھی ہے اور ایک ہم ہیں کہ ان کے جھوٹ کا زبانی جواب دینے سے بھی اس لئے خوفزدہ رہیں گے کہ ہمارے آقا ناراض نہ ہو جائیں یا ہماری کسی بات سے ان کی تیوری پر بل نہ پڑے۔ ہم نے ملکی سالمیت کو مذاق بنا کر رکھ دیا ہے فاٹا پر امریکی میزائلوں کے حملے معمول بن چکے ہیں۔ بے گناہ پاکستانی بچوں' عورتوں اور بوڑھوں کو جس بے رحمی سے ان حملوں کے ذریعے قتل کیا جا رہا ہے اس پر دنیا کی ہر قابل ذکر انسانی حقوق کی تنظیم سراپا احتجاج ہے لیکن ہماری زبان گنگ ہیں۔ وزیر دفاع صاحب جو اپنے عجیب و غریب بیانات کے حوالے سے شہرت پا چکے ہیں اب اس لئے بھی مزید خاموشی اختیار کر لیں گے کہ انہوں نے خود کو وزارت عظمیٰ کی دوڑ میں شامل کر لیا ہے جس کے لئے ضروری ہے کہ امریکہ کو خوش رکھا جائے' اطاعت کا یہ عالم ہے کہ ابھی آئی ایم ایف کا قرضہ جاری نہیں ہوا تھا کہ اس کے

احکامات پر عمل شروع ہوگیا۔ آئی ایم ایف نے پاکستان کو 7.6 ارب ڈالر قرضے کے عوض 24 صفحات پر مشتمل شرائط تھما دی ہے جس کے مطابق پاکستان کو آئندہ سال ترقیاتی اخراجات میں ایک ارب 70 لاکھ ڈالر کی کمی اور ٹیکسوں میں ایک ارب ڈالر اضافہ کرنا ہوگا۔ اس کے علاوہ رواں مالی سال میں حکومت اسٹیٹ بینک میں مزید کوئی رقم حاصل نہیں کر سکے گی اور جون 2009ء تک بجلی پر سبسڈی ختم کر دی جائے گی۔ اس شرائط نامے کے مطابق 2012ء تک قومی ترقی کی شرح بڑھا کر 7 فیصد اور افراط زر کی شرح کم کر کے 5 فیصد پر لانا ہوگی' کرنٹ اکاؤنٹ خسارہ 10.6 ارب ڈالر اور مالیاتی خسارہ 4.2 فیصد تک کم کرنے کا ہدف دیا گیا ہے۔ آئی ایم ایف کی شرائط کے مطابق حکومت پہلے ہی پٹرولیم مصنوعات پر سبسڈی ختم کر چکی ہے جبکہ بجلی پر سبسڈی ختم کرنے کے لئے اب تک حکومت نے 71 فیصد بجلی کے نرخ بڑھائے ہیں اور آئندہ سال اس میں مزید 62 فیصد تک اضافہ کر دیا جائے گا' بلکہ آئی ایم ایف کے شرائط نامے کی خبر کے ساتھ ہی متصل دوسری خبر یہ ہے کہ نیشنل پاور پرچیز پرائس ویری ایشن کے تحت پاور ڈسٹری بیوشن کمپنیوں کو 1.18 روپے سے 2.13 روپے فی یونٹ کی حساب سے بجلی کی قیمتوں میں اضافہ کرنے کی منظوری دے دی ہے۔ حکومت نے یہ اقدام بھی آئی ایم ایف کے کہنے کے مطابق ہی کیا ہے جس سے یقیناً بجلی کے صارفین پر خاطر خواہ بوجھ پڑے گا۔ اکتوبر کے بجلی کے بلوں میں حکومت نے 40 فیصد کٹوتی پھر عائد کر دی گئی ہے جس پر کراچی کے تمام صارفین احتجاج کر رہے ہیں مگر حکومت اس سلسلے میں کوئی کردار ادا نہیں کر رہی بلکہ مکمل طور پر ڈھٹائی کا مظاہرہ کر رہی ہے اور صارفین کی کہیں بھی شنوائی نہیں ہو رہی ہے کہ ان کے ساتھ ہونے والی زیادتی کا ازالہ آخر کون کرے گا؟ اس کے علاوہ عالمی مارکیٹ میں فرنس آئل کی قیمتوں میں 70 فیصد تک کمی ہونے کے باوجود حکومت کی طرف سے بجلی کے نرخ مہنگے کرتے چلے جانا اور آئی ایم ایف کے کہنے پر عوام پر ٹیکسوں کا بوجھ بڑھا کر حکومتی اخراجات کا جوں کا توں رکھنا سمجھ سے بالاتر معاملہ ہے جس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ حکومت کو چاہئے کہ وہ کم از کم ان اشیاء صرف میں تو عوام کو فائدہ پہنچائے جن کی قیمتیں عالمی مارکیٹ میں انتہائی کم ہو چکی ہیں جس وقت حکومت اشیاء صرف کی قیمتوں میں اضافہ کرتی ہے تو ہمیشہ عالمی مارکیٹ میں بڑھتی ہوئی قیمتوں کا حوالہ دیتی ہے مگر جب عالمی مارکیٹ میں انہی اشیاء کی قیمتیں گرتی ہیں تو حکومت چپ سادھ لیتی ہے جو کہ غریب اور مہنگائی کی چکی میں پسے ہوئے عوام کے لئے سراسر ناانصافی اور زیادتی ہے۔ یہ زیادتی اور ناانصافی صرف ہماری حکومت ہی ہمارے ساتھ نہیں کر رہی ہماری حکومت کے ساتھ بھی ہو رہی ہے اور حکومت شاید یہ غصہ عوام پر نکالتی ہے۔ کنڈولیزا رائس ممبئی حادثے پر تشریف لائیں تو یہ احساس ہوا جیسے وہ بھارت کی وکیل بن کر پاکستان آئی ہیں۔ بی بی سی کے مطابق امریکی وزیر خارجہ کنڈولیزا رائس اسلام آباد کے اپنے ایک روزہ مختصر دورے میں پاکستانی قیادت کے لئے کافی واضح اور سخت پیغام دے کر چلی گئی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ کافی خفیہ معلومات دستیاب ہیں لہٰذا پاکستان کو اب اگر کچھ کرنا ہے تو بس مشتبہ افراد کے خلاف کارروائی ہی کرنی ہے۔ وزیر خارجہ رائس محض پانچ گھنٹے کے قیام کے دوران اپنی اور بھارت کی پوزیشن واضح کرتے ہوئے بال پاکستانی کورٹ میں چھوڑ کر چلی گئی ہیں۔ تاہم انہوں نے یہ واضح نہیں کیا کہ پاکستان کی جانب سے کارروائی نہ ہونے کی صورت میں دوممالک کا یہ پاکستان مخالف اتحاد کیا کر سکتا ہے۔ ویسے پاکستانی سیکورٹی فورسز کی مغربی سرحد پر دہشت گردی کے خلاف نام نہاد جنگ کی وجہ سے شاید نہ امریکہ اور نہ ہی بھارت کے پاس زیادہ آپشن موجود ہیں۔ اکثر تجزیہ نگاروں کے مطابق ایسے میں نہ تو کسی حملے اور نہ ہی کسی جنگ کا امکان موجود ہے۔ مبصرین اسے پاکستان کے خلاف تیار کئے جانے

والے کیس کا حصہ قرار دیتے ہیں۔ اگر کوئی خطرہ ہے تو پاکستان پر مسلسل دباؤ کا جس کا مقابلہ موجودہ حکمرانوں نے اب تک کوئی زیادہ اچھے انداز میں نہیں کیا ہے۔ آئی ایس آئی کے سربراہ کو تحقیقات کے لئے بھجوانے سے لے کر صدر آصف علی زرداری کا خود اعتراف کہ ممبئی حملوں میں حکومت یا اس کا کوئی ادارہ ملوث نہیں تاہم یہ ''نان سٹیٹ'' یا غیر ریاستی عناصر ہو سکتے ہیں۔ حکومت کے لئے آگے چل کر مشکلات پیدا کر سکتی ہیں۔ امریکی وزیر خارجہ غیر ریاستی عناصر کے ''بھونڈے موقف'' پر بھی اپنی پوزیشن واضح کر چکی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اگرچہ یہ عناصر حکومت سے یقیناً باہر ہوتے ہیں لیکن ان سے نمٹنا حکومت وقت کی ہی ذمہ داری ہوتی ہے۔ ان کا مطلب درست ہے کہ پھر یہ کیسی ریاست ہے جہاں سے دوسرے ممالک پر مبینہ حملے ہوں اور آپ خاموشی سے انہیں دیکھتے رہیں۔ سابق سفارت کار طیب صدیقی کا کہنا ہے کہ غیر ریاستی عناصر والا مفروضہ کوئی بھی نہیں خرید رہا۔ آپ تو یہ کہہ کر مان رہے ہیں کہ حملے شاید اسی علاقے سے ہوئے ہوں۔ یہ راگ الاپنا ہرگز ملک کے مفاد میں نہیں۔ پاکستان کے بھارت سے مطالبے کے مشتبہ افراد کے خلاف ٹھوس ثبوت فراہم کئے جائیں' کنڈولیزا رائس نے اس کو بھی بے معنی قرار دے دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ یہاں جو ہوا اس کے بارے میں بہت معلومات دستیاب ہیں۔ لہٰذا شواہد کے تبادلے کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔ انہوں نے یعنی صاف صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ معلومات بہت ہیں اصل مسئلہ اس کی بنیاد پر کارروائی کا ہے۔ اس کے علاوہ امریکی وزیر خارجہ کے دونوں ہمسایہ ممالک کے دورے کے دوران ان کے رویے سے بھی تعلقات کی نوعیت سے متعلق اشارے ملتے ہیں۔ بھارت میں تو وزیر خارجہ کے ساتھ اظہار یکجہتی کے لئے مشترکہ پریس کانفرنس منعقد کی لیکن اسلام آباد میں انہوں نے ایسا کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ پاکستان میں بلکہ صدر نے اس نازک موقع پر سنجیدہ مذاکرات کے ساتھ ساتھ اس کو اپنی بیٹی کے ساتھ مشترکہ تصویر کا نادر موقع سمجھتے ہوئے اس سے فائدہ اٹھایا۔ بعض تجزیہ نگاروں کے مطابق پاکستان کے ساتھ یہ سب سلوک محض اور محض اس کی جوہری صلاحیت کی وجہ سے ہے۔ جوہری ہتھیار جو کہ پاکستان کے لئے سکیورٹی نکتہ نظر سے باعث اطمینان ہونا چاہئے تھا وہی اس کے لئے باعث مشکل بنائی جا رہی ہے۔ اس بابت ماہرین اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ گزشتہ دنوں 'دنیا خطرے میں' کے عنوان سے امریکی کانگریس کی اس رپورٹ میں اس خدشے کا اظہار کیا گیا ہے دہشت گرد آئندہ تین سے پانچ برس میں نیوکلیائی یا حیاتیاتی ہتھیار حاصل کر سکتے ہیں اور ممکن ہے کہ اس طرح کے حملوں کا منبع پاکستان ہو ماہرین کے مطابق ملک کے اس اہم اور نازک موڑ پر ضرورت 'ایک ٹیلی فون' کی بنیاد پر قومی پالیسی کی تیاری کی بجائے قومی سطح پر بحث کی ضرورت ہے۔ جس پر ہم عموماً گومگو کا شکار رہتے ہیں۔ افسوس پارلیمنٹ کی طرف سے جو مشترکہ قرارداد امریکی حملوں کے ضمن میں پاس کی گئی وہ بھی مذاق بن کر رہ گئی شاید امریکی اس قرارداد کا تمسخر اڑانے کے لئے اپنے حملوں میں اتنی تیزی لے آئے ہیں۔ ان حالات میں صرف اپنی صفائیاں پیش کرتے رہنا مسئلہ کا حل نہیں۔ اب ہمیں جرأت سے کام لے کر اپنے دشمن کو یہ پیغام بہرحال دینا پڑے گا کہ ہمیں حلوہ ہی نہ سمجھ لے۔ یہ قوم بدترین حالات میں بھی اپنی عزت نفس کے ساتھ زندہ رہنے کا شعور رکھتی ہے۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے

ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

# پاکستان کے خلاف ''گریٹ گیم''



بے روزگاری یا بھوک کے ہاتھوں خودکشی، بچوں کی فروخت، گردوں کا بیوپار وغیرہ جیسی خبریں اب ہمارے لئے معمول کی خبریں بن چکی ہیں اس لئے ان پر اب اہم زیادہ سرکھپائی نہیں کرتے یوں بھی پاکستان کی زیادہ آبادی قریباً 98 فیصد آبادی غریب یا سفید پوش ہے۔ سفید پوش بھی اب غریب والی کیٹگری میں آچکے ہیں۔ ان لوگوں کو خود بھی اپنے مسائل خصوصاً غم روزگار سے فرصت نصیب نہیں ہوتی اپنے ہی مسائل اتنے زیادہ ہوتے ہیں کہ بیچارے اردگرد کی فکر سے ویسے ہی بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ کہیں بڑے دھماکے کی خبر آئے تو چند لمحوں کے لئے ضرور کسی کو اس کا خیال آتا ہوگا لیکن بعد میں سب نارمل ہو جاتے ہیں۔ لاہور ہائی کورٹ کے باہر اور نزدیک ہی ایف آئی اے کی بلڈنگ اس کی بہترین مثال ہے۔ یہاں دھماکوں کی تباہی کے آثار بڑے نمایاں ہیں لیکن اب شاید کسی کو یاد بھی نہیں رہا ہوگا۔ اب تو میریٹ ہوٹل والا دھماکہ بھی لوگ بھول گئے ہیں۔

اس کی دوسری اہم وجہ ان دھماکوں سے بڑے دھماکے ہیں جن کی خبریں ہمیں روزانہ ملتی ہیں قریباً ہر دوسرے تیسرے روز امریکن ڈرائونز بمبار پاکستانی شہریوں کو پرندوں کی طرح شکار کر کے اپنی راہ ناپتے ہیں۔ حال ہی میں انہوں نے ''فاٹا'' سے آگے بندوبستی علاقے بنوں کے ایک گاؤں کو بھی نشانہ بنایا گیا ہے، اور ہمارے ارباب اختیار معمول کا بیان جاری کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں۔

شاید کوئی نفسیاتی عارضہ من حیث القوم ہمیں لاحق ہو گیا ہے۔ کہ اب ہم نے اپنے اور اپنوں کے ساتھ ہونے والے مظالم پر احتجاج ہی کرنا چھوڑ دیا ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ہلاکو خان جب دنیا کو روندتا اور برصغیر کو تاخت وتاراج کرتا مسلمانوں کے مرکز بغداد کی طرف بڑھا تو اس کے مشیروں نے رک کر دم لینے کی ہدایت کی اور نصیحت کے انداز میں بتایا کہ یہ مسلمان کتنے بھی گئے گزرے ہوں ان میں جہاد کا کیڑا ضرور سلگتا رہتا ہے ایسا نہ ہو وہ لوہے کے چنے بن جائیں۔ ہلاکو خان کو تردد ہوا اور اس کا علاج دریافت کیا تو ایک تدبیر پر سب متفق ہو گئے اس پر عمل کا آغاز بھی کر دیا۔

اس تدبیر کے مطابق بغداد کے دو تین جید علماء اور دانشور خریدے گئے۔ مسلمانوں میں ''بکاؤ مال'' وافر مقدار میں موجود رہتا ہی ہے۔ ان علما اور دانشوروں کو ایک مہم سونپی گئی جس پر انہوں نے کام شروع کر دیا۔ اب بغداد کے گلی کوچوں خصوصاً جمعہ کے اجتماع میں تکرار سے یہ بات کہی جانے لگی کہ مسلمانو! تمہارے گناہ اور بداعمالیاں بہت بڑھ گئی ہیں اور اب ہلاکو خان تم پر اللہ کا عذاب بن کر نازل ہونے والا ہے۔ بظاہر تو یہ ''وعید'' ہی تھی اس کے پس منظر پر کسی کا دھیان نہیں گیا نتیجہ ظاہر ہے جب ہلاکو خان نے بغداد پر حملہ کیا تو مسلمانوں کی غالب تعداد ذہنی طور پر اس کے لئے تیار تھی کہ یہ ہماری بداعمالیوں کا نتیجہ ہے سو مزاحمت دم توڑ گئی، اور عوام نے ہلاکو کے حملے کو ''اللہ کا عذاب'' جان کر قبول کر لیا۔

اس سے ملتی جلتی حکمت عملی پاکستان پر اپنائی گئی۔ ہمیں بھی صحافتی گماشتوں، دو نمبر دانشوروں اور ملت فروش نام نہاد علماء نے یہ بتانا عرصے سے شروع کر دیا ہے۔ کہ امریکہ کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ دیکھ لیجئے تمام وزراء یہی راگ الاپ رہے ہیں۔ بلکہ زیادہ تعداد تو ان کی ہے جنہوں نے

باقاعدہ ڈرانا شروع کردیا ہے کہ جتنے جوتے پڑ رہے ہیں انہیں اپنا مقدر جان کر قبول کر لو بصورت دیگر وہ لتر پڑیں گے کہ نانی یاد آ جائے گی۔

امریکہ تو بہت دور کی بات ہے ہمارے ہاں تو "مقامی مافیاز" سے بھی اب عوام کو اتنا ڈرایا جاتا ہے کہ لوگ ظلم پر فریاد نہیں کرتے چپ چاپ کان لپیٹ کر نکل جاتے ہیں۔ حال ہی میں کراچی، حیدرآباد اور سندھ کے کچھ علاقوں میں کچھ چینلز کی نشریات اچانک روک دی گئیں جس پر خاصا واویلا مچا۔ ایک ٹی وی چینل نے وزیر نشریات محترمہ شیری رحمان کو بھی اپنے مذاکرے میں زحمت دی جنہوں نے بڑی ردو قد کے بعد فرمایا کہ اگر آپ کے (چینل والوں کے) علم میں ہے کہ ملزم کون ہیں وہ ان کے نام لے کر شکایت کریں۔ چینل کی نمائندگی کرنے والے صاحب نے کہا کہ بطور حکومت آپ کا فرض ہے کہ ملزموں کا تعین آپ کریں۔ دونوں کی بحث ہوئی دونوں نے ایک دوسرے پر ثابت کیا کہ "ملزموں" کا انہیں علم ہے لیکن دونوں ملزموں کا نام لینے سے قاصر تھے کیونکہ اس کی قیمت پھر توقع سے بڑھ کر ادا کرنی پڑتی۔

یہ حال ہے حکومت اور ریاست کے پانچویں ستون کا کہ وہ ملزموں کو جانتے ہیں اور ان کا نام لینے سے ڈرتے ہیں۔ ان حالات میں عام پاکستانی شہری کا رویہ کیا ہو سکتا ہے؟ اس پر کسی عالمانہ تبصرے کی ضرورت نہیں۔ حالات ہمیں کس طرف لے جا رہے ہیں اور ساری قوم کو بھیڑوں کا ریوڑ بنا کر جس طرح ہانکا جا رہا ہے۔ اس کے نتائج کیا ہو سکتے ہیں یہ بھی کوئی بہت بڑا نہیں، نہیں ابھی آئی ایم ایف کی پہلی قسط پاکستان نہیں پہنچی لیکن حکومت "ان ایکشن" ہو گئی ہے۔ پہلے او جی ڈی سی کی نجکاری کا نعرہ لگایا گیا جسے وقتی طور پر بظاہر ورکرز نے ناممکن بنا دیا ہے لیکن اس انقلابی حکومت سے یہ توقع رکھنا کہ وہ اپنی بات پر قائم رہے گی احمقانہ سوچ ہے۔

مملکت خداداد پاکستان سترہ کروڑ پچاس لاکھ نفوس کی آبادی کا حامل ملک، سات لاکھ چھیانوے ہزار چھیانوے مربع کلومیٹر پر محیط ہے۔ عالم اسلام کی پہلی اور دنیا کی ساتویں بڑی ایٹمی قوم ہے۔ گندم، کپاس، چاول، کھاد، گنا، سویابین، (تیل کے لحاظ سے) خود کفیل ہے۔ زرعی ملک ہونے کے ساتھ ساتھ معدنیات و قدرتی وسائل کے لحاظ سے پاکستان کا اہم مقام ہے۔ خام تیل برآمد کرنا پڑتا ہے جبکہ 47 فیصد خام تیل پاکستان میں خود پیدا ہوتا ہے۔ گیس میں خود کفیل ہے مگر گیس کے ذخائر تقریباً تیس سالوں تک کے لئے ہیں۔ پاکستان کو پھر اس کی ضرورت بڑے پیمانے پر پڑے گی۔ گندھک، کرومائٹ اور کوئلے میں پاکستان خود کفیل ہے۔

پاکستان میں کوئلے کے ذخائر ایک ارب پچاس کروڑ ٹن سے بھی زائد ہیں۔ پاکستان پٹرول کا خام مال صرف 53 فیصد درآمد کرتا ہے جسے بعد میں Refine کیا جاتا ہے، اور Purification کے بعد پٹرول کی متعدد اقسام حاصل ہوتی ہیں۔ گویا پاکستان پٹرول میں خود کفیل ہوا۔ اس کے علاوہ پاکستان کا نہری نظام پوری دنیا میں اپنی مثال آپ ہے۔ ملک میں بہنے والے دریاؤں کی بدولت زرخیز زمین کی وجہ سے پاکستان مختلف اجناس کے ساتھ ساتھ ان سے حاصل ہونے والی اشیاء کی بدولت برآمدات میں بین الاقوامی منڈی میں نمایاں مقام رکھتا ہے۔ بالخصوص ٹیکسٹائل کی مصنوعات وغیرہ۔ اس کے ساتھ ساتھ پاکستان افرادی قوت کے لحاظ سے یورپ، امریکہ اور مشرق وسطی کے ممالک کو باصلاحیت ہنرمند اور پیشہ ور افراد مہیا کرتا ہے۔ جہاں یہ لوگ دوسرے ملکوں میں اپنی خدمات سرانجام دیتے ہیں وہاں اپنے ملک کی نیک نامی کے ساتھ ساتھ کثیر زرمبادلہ ملک کو فراہم کرتے ہیں مگر ان تمام خصوصیات کے باوجود پاکستان معاشی اور سیاسی عدم استحکام کا شکار ہے۔ زرمبادلہ کے ذخائر 17 ارب ڈالر سے گھٹتے

گھٹتے 6 کروڑ 9 لاکھ ڈالر تک آ گئے ہیں۔ کرنٹ اکاؤنٹ خسارہ پانچ ارب ڈالر تک پہنچ گیا ہے۔

تجارتی خسارہ 7.5 ارب ڈالر سے تجاوز کرنے کو ہے۔ بیرونی قرضوں کی مالیت 56 ارب ڈالر کے لگ بھگ ہے۔ مجموعی قرضوں کا حجم اس سے کہیں زیادہ ہے۔

پاکستان کا بجٹ 55 ارب ڈالر کے قریب ہوتا ہے، اور پھر منی بجٹ آ جاتا ہے۔ کیا کبھی کسی نے سوچا کہ تمام خرابیوں کی وجہ کیا ہے؟ ہم کرپشن کے حوالے سے رینکنگ کے لحاظ سے 138 ویں نمبر پر ہیں۔ یعنی 137 ممالک ہم سے بہتر ہیں۔

ہنڈی والوں کو تو حکومت نے پکڑ لیا لیکن یہاں ایک اور سوال ابھرتا ہے کہ اسٹیٹ بنک اور ہمارے دوسرے قانونی ادارے کیا کر رہے تھے؟ اس حکومتی اقدام سے ایک نئے بحران نے جنم لیا ہے کہ جو سرمایہ ان منی چینجرز کے ذریعے ملک میں آ رہا تھا وہ بھی رک گیا ہے۔ سرعام لوگ یہ کہتے نظر آ رہے ہیں کہ منی چینجرز بحران کے پیچھے وہ مافیا ہے جو ان گرفتار لوگوں کو ڈرا دھمکا کر اپنا حصہ مانگ رہا ہے۔ اس میں ملک کی ایک مقتدر ترین شخصیت کا نام ماضی کی طرح ایک بار پھر سننے کو مل رہا ہے۔ پاکستان میں ہر پانچ سے دس سال بعد فاریکس مارکیٹ میں بحران آتا ہے اور کرنسی ڈیلرز کے خلاف کریک ڈاؤن شروع کر دیا جاتا ہے۔ ثبوت نہ ملنے، دباؤ اور مفادات کے تحت آپریشن خاموشی سے بند کر دیا جاتا ہے۔ ماضی میں ایک کریک ڈاؤن میں امریکہ سے ایف بی آئی کی ٹیم بھی تحقیقات کر چکی ہے، مگر ٹھوس شواہد کی عدم دستیابی کے باعث تحقیقات سرد خانے کی نذر ہو گئی۔ وقت جوں جوں گزر رہا ہے معاملات ماضی کی طرح الجھ رہے ہیں۔ ویسے بھی پاکستان میں قانون سے بڑے افراد ہوتے ہیں۔ قانون تو موم کی ناک کی طرح ترمیمات سے ادھر ادھر موڑ لیا جاتا ہے۔ پاکستان کی معیشت سے کھیلنے والے ہوں یا معاشرت سے، ان کے لئے آپشن ہمیشہ کھلے ہوتے ہیں، صرف عہدہ، تعلقات اور سفارش ہونی چاہئے یا آپ حصہ بقدر جثہ دینے پر آمادہ ہوں۔

گذشتہ 61 سالوں میں کبھی وائٹ کالر جرائم کرنے والے ہوں یا دیگر کیفر کردار تک نہیں پہنچے۔ پاکستان پر 42 ارب ڈالر کا قرضہ ہے اور اس سے دوگنے چوگنے ڈالر ہمارے سابقہ اور موجودہ مقتدرین کے بیرونی بنکوں میں ہیں۔ صرف 150 ارب ڈالر سوئٹزر لینڈ کے بنکوں میں ہیں۔ پاکستانی عوام جانتے ہیں کہ ان کے حکمرانوں کو پاکستان کی سالمیت کا یقین ہی نہیں اس لئے تو انہوں نے اپنی دولت، گھر، بچے سب باہر رکھے ہیں۔ کیا ہمارے ارباب اختیار اپنا روپیہ پاکستان لا کر کوئی اچھی مثال قائم کرنا اپنی توہین خیال کرتے ہیں۔

16 نومبر کو حکومت نے انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ (آئی ایم ایف) سے 7.6 ارب ڈالر کا قرضہ حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کا اعلان وزیراعظم کے غیر منتخب مشیر شوکت ترین اور گورنر سٹیٹ بنک شمشاد اختر نے کراچی میں ایک پریس کانفرنس کے دوران کیا۔ یہ قرضہ دیگر ممالک کی نسبت کہیں زیادہ شرح سود پر حاصل کیا گیا ہے۔ اس قرضہ پر 3.51 سے لے کر 4.51 فیصد تک شرح سود دیا جائے گا۔ قرضہ حاصل کرتے وقت آئی ایم ایف نے کم از کم دو فیصد شرح سود کرنے کی شرط پیش کی تھی جسے زرداری حکومت نے بلا چوں چرا تسلیم کر لیا۔ قرضہ کے ساتھ منسلک شرائط کا ذکر کرتے ہوئے دونوں نے فخریہ انداز میں کہا کہ دفاعی بجٹ میں کمی نہیں کی جائے گی۔ البتہ ترقیاتی اخراجات کم از 50 کم فیصد کم ہو جائیں گے۔

4 سے 5 فیصد تک شرح سود پر حاصل کیا جانے والا یہ قرضہ زیادہ شرح سود پر حاصل کیا جانے والا یہ قرضہ زیادہ شرح سود اور زیادہ سخت

شرائط کے ساتھ لیا گیا ہے۔ان شرائط کے تحت تیل، گیس اور بجلی کی قیمتوں میں 39 فیصد تک اضافہ ہوگا۔ کمرشل اور غیر کمرشل گاڑیوں پر 4 گنا زیادہ محصولات یعنی چنگی لگائی جائے گی۔ دوا ساز کمپنیوں پر کم از کم 10 فیصد تک نیا ٹیکس لگایا جائے گا۔ موجودہ مالی سال میں ایک ہزار ارب روپے ٹیکس وصولی کا ٹارگٹ ہے اسے 10 فیصد بڑھا کر ایک ہزار ایک سو (1100) ارب روپے ٹیکس وصول کیے جانے کا ٹارگٹ ہے۔ یعنی اس قرضہ کے حاصل کرنے کے بعد عوام پر 100 ارب روپے کے مزید ٹیکس لگائے جائیں گے۔ حکومت کو اپنے انتظامی اخراجات میں بھی 2 فیصد تک کمی لانے کی شرط ہے۔

حکومت قرضہ حاصل کرنے کے عمل کو اپنی کامیابی پر تعبیر کر رہی ہے کہ اس نے یہ قرضہ حاصل کر کے پاکستان کو دیوالیہ پن ہونے سے بچا لیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ دیگر بنکوں اور مالیاتی اداروں سے مزید قرضہ جات حاصل کرنے کی نوید بھی سنائی جا رہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب سے یہ حکومت اقتدار میں آئی ہے اس نے جنرل مشرف حکومت سے بڑھ کر آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک کو خوش کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ دونوں ادارے مطالبہ کر رہے تھے کہ قومی بجٹ کا 7.9 فیصد حصہ جو ریاستی سبسڈی کی صورت میں تیل، بجلی، ریلوے اور دیگر اداروں کو دیا جا رہا ہے کو ختم کر دیا جائے۔ ریاستی سبسڈی دینے کا سلسلہ ہی بند کیا جائے۔ پیپلز پارٹی حکومت نے یہ مطالبہ پورا کر دیا ہے۔ تیل پر تمام حکومتی امداد ختم کر کے اس پر منافع کمایا جا رہا ہے۔ اسی طرح بجلی کے بلوں پر جنرل سیلز ٹیکس دوبارہ لگا دیا گیا ہے، اور اس کی شرح بھی 15 فیصد سے بڑھا کر 16 فیصد کر دی ہے۔ پاکستان میں اس تمام تر مہنگائی کی ایک بڑی وجہ حکومت کی جانب سے آئی ایم ایف کی شرائط پورا کرتے ہوئے سرکاری امداد یعنی سبسڈی کا خاتمہ تھا۔ قرضہ تو ملنا ہی تھا کیونکہ حکومت نے نہ صرف شرائط کو پورا کیا بلکہ یہ قرضہ دیگر ممالک کی نسبت 2 فیصد زیادہ شرح سود پر حاصل کیا۔ بنگلہ دیش نے 490 ملین ڈالر کا قرضہ 3 سال کے لئے 2.9 فیصد پر حاصل کیا۔ روزنامہ جنگ 17 نومبر کو اپنی اشاعت میں اس بارے میں لکھتا ہے۔ ’’پاکستان کو پیش کی جانے والی سٹینڈ بائی سہولت پر مارک اپ کی شرح 3.51 سے 4.51 ‘‘فیصد تک ہے جو غیر ملکی کرنسی کے بیل آوٹ پیکج کے لئے کسی بھی ملک کے لئے سب سے زیادہ ہے۔‘‘ حکومت نے اپنے لئے بیل آوٹ پیکج حاصل کیا عوام کو گروی رکھ کر۔ عوام کی زندگی قرضہ جات کے گھناؤنے چنگل میں پھنسا دی گئی ہے۔ یہ قرضہ جات معیشت کی بحالی کا تو باعث نہ بنے گا مگر عوام کے لئے مزید تنگی کا باعث ضرور بن جائے گا۔

بجلی گیس کی قیمتوں میں اضافہ اور اب زرعی ٹیکس کی گھناؤنی تجویز اس کی مثال ہیں۔ اس مرتبہ گلوبلٹون نے کہا ہے کہ پہلے کچھ کر کے دکھاؤ پھر ہمارے پاس آنا یہی وجہ ہے کہ قرضے کی پہلی قسط اپنی حکومت نے جاری ہونے سے پہلے ہی حکومت نے اپنا کام شروع کر دیا ہے۔

اقتصادی ماہرین نے وزیر اعظم کو معاشی بحران سے نمٹنے کے لئے 9 نکاتی اقتصادی پلان پیش کر دیا ہے جس میں 30 ارب روپے دفاعی اخراجات اور سبسڈیز سے کمی، 25 ارب روپے قرضوں اور 40 ارب روپے کے دیگر اخراجات کم کرنے کی سفارش کی گئی ہے۔ رپورٹ میں 75 ارب روپے کی محصولات جمع کرنے کے لئے خدمات پر بھارتی طرز کا سیلز ٹیکس، زرعی انکم ٹیکس اور مہنگی گھریلو اشیاء پر ٹیکس لگانے کی تجاویز کے علاوہ پراپرٹی پر کیپٹل گینز ٹیکس لگانے اور انکم ٹیکس کی مراعات واپس لینے کی سفارش بھی کی گئی ہے۔

نیا ’’اقتصادی پلان‘‘ آئی ایم ایف سے قرضے کے حصول کی درخواست کے دو ہی روز بعد سامنے آیا ہے جس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے

کہ اسے آئی ایم ایف کے شرائط کے مطابق ہی ڈیزائن کیا گیا ہے۔ ان شرائط پر دفاعی بجٹ میں کمی اور زرعی ٹیکس کا نفاذ بھی شامل تھے لیکن حکومت چند روز قبل وضاحت کر چکی ہے کہ دفاعی بجٹ میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ اس لئے بہت سے مبصرین کے نزدیک اقتصادی پلان میں یہ تجویز محض ''زیب داستاں'' کے لئے ہی رکھی گئی ہے، اس کی منظوری مشکل ہے۔ اسی طرح زرعی ٹیکس کا نفاذ نہ صرف آئی ایم ایف کا مطالبہ کر رہا ہے لیکن کیا یہ ٹیکس بھی نافذ ہوگا؟ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ پارلیمنٹ میں سب سے پہلے جس تجویز کے خلاف آواز بلند ہوئی وہ زرعی ٹیکس کے نفاذ کی تجویز تھی۔ اس کی وجہ بالکل ظاہر ہے پارلیمنٹ میں موجود زمیندار اور جاگیردار یہ چاہتے ہی نہیں۔ اس لئے اس تجویز پر عملدر آمد بھی بظاہر مشکل لگ رہا ہے البتہ وہ تمام دیگر تجاویز بہت جلد منظور ہوں گی جن کی زد عام آدمی پر پڑتی ہے اور جن سے ملک میں مہنگائی کی نئی خطرناک لہر آئے گی۔ ہمارے حکمرانوں کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ پاکستانی عوام میں اب مزید ٹیکسوں کا بوجھ اٹھانے کی سکت باقی نہیں رہی۔ اب ان کی ہڈیوں میں گودا ہی باقی نہیں بچا۔ اگر کسی میں شرم ہے تو اسے اس بات پر ڈوب مرنا چاہئے تھا کہ دو ماؤں نے اپنے آٹھ بچے بھوک کے ہاتھوں تنگ آ کر ایدھی ہوم روانہ کر دیئے۔

ایک طرف ہمارا کردار ہے کہ اپنے دشمنوں کے خلاف صف آرا ہونے کے بجائے آپس میں یا پھر اپنوں کے خلاف صف آرا ہو گئے ہیں اور دوسری طرف ہمارا دشمن بھارت ہے، جس نے مقبوضہ کشمیر میں انتخابات کے نام پر خونی ڈرامہ رچا کر ساری دنیا کے سامنے کھلی جارحیت کا ارتکاب کیا اور ساری دنیا اپنے منہ میں گھونگنیاں ڈال کر بیٹھی ہوئی ہے۔ کبھی کبھی تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہم کرزئی سے بھی گئے گزرے ہیں کیونکہ اب تو صدر کرزئی بھی طالبان سے مذاکرات کے لئے چیخ و پکار کرنے لگا ہے۔

کرزئی حکومت پر کافی عوامی دباؤ تھا کہ وہ اس طویل جنگ کا فوجی ذرائع کے علاوہ کوئی سیاسی حل بھی نکالیں۔ اب تک ان کی نہ تو جنگی کارروائیاں اور نہ ہی سیاسی کوششیں کسی ٹھوس پیش رفت کا باعث بنی ہیں۔ جنگ سے تباہ حال اس ملک میں آئندہ برس صدارتی اور پارلیمانی انتخاب منعقد ہونے والے ہیں۔ اکثر علاقوں میں ووٹر اندراج جاری ہے۔ کرزئی حکومت اب تک بظاہر اتحادی افواج کی موجودگی کے نشے میں عوامی رائے کو کوئی خاص اہمیت نہیں دے رہی تھی۔ پژمردہ دل سے انہوں نے ماضی میں بھی طالبان کو مذاکرات کی پیشکشیں کیں لیکن ان کو سنجیدگی سے آگے نہیں بڑھایا۔ بات صرف بیانات کی حد تک ہی محدود رہی لیکن اب چونکہ کرزئی حکومت نے آئندہ برس دوبارہ عوام کے پاس جانا ہے اور سیاسی فرنٹ پر اپنی کارکردگی عوام کے سامنے رکھنی ہے تو شاید اس وجہ سے اس نے مذاکرات کا عمل شروع کیا ہے۔ یہ مذاکرات کا عمل شروع کیا ہے۔ یہ مذاکرات ماضی سے مختلف ہوں گے یا نہیں یہ ابھی دیکھنا باقی ہے لیکن سعودی بات چیت کی پسندیدگی کا اظہار اتحادی اقوام اور افواج نے بھی گزشتہ دنوں ایک بیان کے ذریعے کر دیا کہ یہ جنگ محض فوجی طریقوں سے نہیں جیتی جاسکتی ہے لیکن اکثر افغانوں کو خدشہ ہے کہ یہ مذاکرات محض سیکورٹی کی بگڑتی ہوئی صورتحال کی وجہ سے نہ کہ کسی بڑی سیاسی منصوبہ بندی کے تحت کئے جا رہے ہیں۔

بی بی سی کی رپورٹ کے مطابق مذاکرات کے کامیاب ہونے سے پہلے کئی ماہرین کا خیال ہے کہ افغان حکومت کو چند تلخ لیکن اہم فیصلے کرنا ہوں گے۔ سینٹر فار سٹریجک اینڈ انٹرنیشنل سٹریٹجی نامی تھنک ٹینک کی تازہ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ افغان حکومت کو یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ

مذاکرات کی میز پر کون بیٹھ سکتا ہے اور کون نہیں۔ ماضی میں صدر کرزئی کہہ چکے ہیں کہ ملا محمد عمر اور حکمت یار جیسے شدت پسندوں کے ساتھ بات ممکن نہیں تو آیا اب اس کا امکان ہے یا نہیں؟ انہیں یہ بتانا ہوگا کہ آیا امریکی اور دیگر اتحادی ممالک کے علاوہ آیا پاکستان اور ایران جیسے کون کون سے ایسے اہم ممالک ہیں جنہیں اس عمل میں شامل کرنا ہوگا۔ کیا اس عمل میں بھارت کی شرکت بھی ضروری ہوگی یا نہیں۔ افغان حکومت کو فیصلہ کرنا ہوگا کہ باضابطہ مذاکرات کا یہ اہم موقع ہے یا پھر اسے مزید فوجی کامیابیوں کا انتظار کرنا ہوگا تاکہ ایک مضبوط فریق کے طور پر وہ اس میں شامل ہو۔ کئی لوگوں کے خیال میں اتحادی افواج سن دو ہزار ایک اور دو میں طالبان جب وہ شکست خوردہ اور انتہائی کمزور تھے ختم کرنے کا موقع ہاتھ سے کھو چکی ہے اسے یہ خیال بھی رکھنا ہوگا کہ طالبان نے اکثر مذاکرات اور امن معاہدوں کو دوبارہ منظم اور مستحکم ہونے کے اپنے فائدے کے لئے استعمال کیا ہے۔

امریکی اور دیگر اتحادی افواج کے طور طریقوں سے محسوس ہوتا ہے کہ اب وہ قلیل مدت کے لئے افغانستان میں رہنا نہیں چاہ رہے بلکہ ان کی نظریں طویل مدتی موجودی پر ہیں جو بھی نیا امریکی صدر منتخب ہوا اس نے عراق کی بجائے افغانستان پر تمام توجہ مرکوز کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ ان افواج میں چین آف کمانڈ کا مسئلہ بھی اب پائیدار امن کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ بن کر سامنے آ رہا ہے کثیر الملکی امن فوج ایساف میں اکتالیس ممالک نے فوجیں بھیجی ہیں ان سب کو ایک کمانڈ کے تحت لانے کی بھی بات کی جارہی ہے۔ ماہرین کے خیال میں طالبان کے ساتھ مذاکرات کے لئے افغان حکومت کو چاہئے کہ وہ عوامی بحث اور مباحثے کا بندوبست کرے۔ اس سے عوامی اعتماد میں اضافہ ہوگا اور سیکیورٹی کی صورتحال میں بھی بہتری آنے کی امکانات ہیں۔ ان حالات میں کہ جب افغانستان میں تو امریکی طالبان سے مذاکرات چاہتا ہے، اور پاکستان میں ہم اپنے ہی لوگوں کو اپنا دشمن اور خودکش بمبار بنا رہے ہیں ہم کس کا کھیل کھیل رہے ہیں؟ کیا پاکستان کے خلاف ”گریٹ گیم“ کا آغاز نہیں ہو چکا اور ہم ابھی تک اسمبلی کی قراردادوں اور ایک دوسرے پر الزام تراشی ہی میں مصروف ہیں۔ اول تو ہم کوشش ہی نہیں کرتے اگر خدا خدا کر کے کوئی جرگہ بھی ہو جائے اور امریکہ کو یہ محسوس ہونے لگے کہ شاید یہاں امن بحال ہو جائے گا تو وہ خود بمباری کر کے رہی سہی کسر پوری کر دیتے ہیں۔ باراک اوباما نے کہا تھا کہ عراق سے فوجیں نکال کر افغانستان میں لائے گا لیکن حکمت عملی ایسی بن رہی ہے۔ جیسے اب عراق اور افغانستان کے بجائے خدانخواستہ پاکستان براہ راست امریکہ کا ٹارگٹ بن چکا ہے۔ صدر بش کا یہ فرمان بھی خالی از علت نہیں کہ نئے امریکی صدر کے لئے عراق اور افغانستان نہیں، بلکہ پاکستان سب سے بڑا مسئلہ ہوگا۔ امریکی جنرل کی پاکستان پر حملے کی دھمکی اور افغانستان کے دورے پر آئے ہوئے امریکی صدارتی امیدوار باراک اوباما کا یہ بیان کہ پاکستان دہشت گردی کے تربیتی مراکز بند کرے، یہ سب اشارات ہمیں بتا رہے ہیں کہ 11 ستمبر کے بعد ایک فون کال پر ہم نے اپنے لئے پسپائی کا جو راستہ چنا، وہ ہمارے لئے تاریک رات کا پیغام لے کر آیا۔ ہم اس کا ایک مطالبہ تسلیم کرتے ہیں تو دوسرا مطالبہ تیار ملتا ہے۔ یعنی ایک گڑھے کے بعد دوسرا گڑھا تیار ملتا ہے۔ کیا امریکہ افغانستان میں پتھر چاٹنے کے لئے آیا تھا ہزاروں میل دور اپنی افواج کو جنگ میں جھونکنے اور اربوں کھربوں ڈالر کے جنگی اخراجات کا مقصد صرف نائن الیون کے مجرموں کو سزا دینا تھا۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ اسے اس خطے میں ایک بیس کیمپ کی ضرورت تھی، جو افغانستان کی صورت میں اس کے ہاتھ لگ گیا تاکہ یہاں بیٹھ کر وہ ان ممالک پر جو اس کی نظر میں بدمعاش، خطرناک اور عالمی امن کے لئے خطرہ ہیں۔ عالمی امن کے خطرے سے مراد جو امریکی پالیسیوں کے لئے خطرہ ہوں۔ ان پر نظر رکھنا اور انہیں سبق سکھانا تھا، جن

میں ایک پاکستان بھی شامل تھا۔

پاکستان میں گذشتہ کچھ عرصہ سے قبائلی علاقوں میں برپا شورش، مسلح تحریکیں، بلوچستان میں فوج کشی، بدامنی، بم دھماکے، لاقانونیت، مہنگائی اور دیگر بہت سے عوامل ایک ایسی فضا ترتیب دے رہے ہیں جو امریکی مقاصد کے حصول کے لئے نہایت سازگار ہیں۔ 18 فروری کی تبدیلی کے بعد پاکستان میں آنے والی نئی حکومت نے شورش زدہ علاقوں میں طاقت کے استعمال کی بجائے گفت وشنید سے تمام معاملات حل کرنے کا اعلان کیا اور اس پر عمل درآمد بھی شروع ہوگیا، جس کے مثبت نتائج سامنے آئے، لیکن امریکہ کا مقصد اس خطے میں لگی آگ کو بجھانا نہیں بلکہ اسے مزید بھڑکانا ہے، تبھی اس نے دباؤ ڈال کر حکومت اور مسلح گروپوں کے درمیان طے پانے والے امن معاہدوں پر عمل درآمد نہیں ہونے دیا۔ امریکہ اور اتحادی اس بدامنی کی آڑ میں پاکستان کو ایک ناکام ریاست ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور یہ سب کچھ دوستی، مشترکہ مفادات اور دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر ہو رہا ہے۔ آج جبکہ خطرات حقیقت بن کر ہمارے سر پر منڈلا رہے ہیں ہمیں شتر مرغ کی طرح اپنا سر ریت میں دبانے کی بجائے کوئی ٹھوس لائحہ عمل طے کرنا چاہئے اس کے لئے ہمیں امریکہ کی بجائے قوم کو اعتماد میں لینا ہوگا۔ پاکستانی قوم اس وقت جان کنی کے عذاب سے گزر رہی ہے۔ آمریت، دہشت گردی، لاقانونیت، عسکریت پسندی، بدامنی، بدانتظامی، ناانصافی اور مہنگائی کا عفریت جہاں قوم کو نگل رہا ہے، وہاں ان کے ذہنوں میں ملک کے مستقبل کے بارے میں بھی خدشات جنم لے رہے ہیں، جن کا صرف دعوؤں اور بیانات سے زائل ہونا ممکن نہیں۔ کیا ہمارے عالی دماغ قوم کو یہ بتانا پسند کریں گے کہ نائن الیون کے بعد کئے گئے ان کے فیصلوں سے قوم کو کیا ملا؟

پاکستانی سرحدوں کی حالت غریب کے گھر کی گری چار دیواری کی سی بن گئی ہے کہ جسے راستہ بنالیا جاتا ہے جس کا دل چاہا منہ اٹھائے گزر گیا۔ امریکہ اور نیٹو کے طیارے جب چاہتے ہیں ہماری سرحدوں کو پامال کرتے ہوئے اندر تک گھس آتے ہیں ان کی مسلح فورسز جب چاہتی ہیں پاکستانی چوکیوں پر حملہ کر کے پاک فوج کے جوانوں کے لاشے دوستی کے ''لازوال رشتے'' کی ''یادگار'' کے طور پر ہمیں پیش کر جاتے ہیں۔ رہا مسئلہ کشمیر تو وہ سانپ کی لکیر پیٹنے کی طرح ہے اور ایٹمی پروگرام تو اس کو لاحق خطرات قوم سے پوشیدہ نہیں۔ پاکستانی معیشت میں امریکہ سے آنے والے ڈالروں کی برسات سے پوری قوم ''لطف اندوز'' ہو رہی ہے کب تک ہم جھوٹے وعدوں کے سنہری جال میں پھنستے رہیں گے، کب تک ہم اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ کر حقائق کو جھٹلاتے رہیں گے کہ حوادثات کی یلغار نے پاکستانیوں کو بے بس کر دیا ہے اور ان میں احتجاج کی طاقت بھی نہیں رہی لیکن یہ بات امریکہ اور ہمارے حکمران نہ بھولیں کہ کبھی کبھی شیر کے گھیرے میں پھنس جانے والی بلی شیر سے زیادہ خطرناک ہوجاتی ہے۔



# حمیت نام تھا جس کا......



یہ بات تو طے ہے کہ پاکستان پر اب شاید ہی کبھی ''پاکستانیوں'' کی حکومت ہو۔ ایسا نہیں کہ یہاں کے ارباب حکومت غیر ملکی ہی ہوں گے۔ ان کی شہریت تو پاکستانی ہوگی لیکن وہ اپنے دماغ کے بجائے ان کے دماغ سے سوچیں گے جنہوں نے ان کی ضمانتیں لے کر انہیں یہاں تک پہنچایا ہے ان ہی کی زبان بولیں گے اور جہاں تک ممکن ہوا اپنے ملک کے عوام کی ہڈیوں کا گودا نکال کر ایک ایک پائی ڈالروں میں تبدیل کر کے ان ہی کے بنکوں میں جمع رکھیں گے۔ تا کہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آئے۔ شاید ہمارے حکمرانوں کے ''حکمرانوں'' نے دیکھ لیا ہے کہ پاکستانی عوام اکسٹھ سال تک اپنے مسلمان اور پاکستانی ہونے کی اتنی سزا بھگت چکے ہیں کہ اب ان میں کوئی دم خم باقی ہی نہیں رہ گیا شاید اسی لئے انہوں نے بے دھڑک اپنا ایجنڈا آگے بڑھانا شروع کر دیا ہے۔

واشنگٹن پوسٹ کی اس خبر کے بعد کہ امریکہ اور پاکستان کی برسر اقتدار جماعت کے درمیان یہ طے پا چکا ہے کہ امریکی بمباری پر حکومت کوئی چوں چراں نہیں کرے گی البتہ عوام کا تمسخر اڑانے اور ان کے زخموں پر نمک چھڑکنے کا سلسلہ زور و شور سے جاری رہے گا یعنی حکومت عہدیداروں کی طرف سے مذمتی بیانات آتے رہیں گے لیکن اب تو ایسا دکھائی دے رہا ہے جیسے یہ تکلف بھی ختم ہونے لگا ہے۔ جس بے رحمی اور تسلسل سے امریکیوں نے پاکستانی سرحدوں میں بمباری شروع کی ہے اس سے تو یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے امریکی ویت نام کا غصہ پاکستان کے بے گناہ قبائل پر اتار رہے ہیں۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کسی ایک القائدہ کے رکن کو مارنے کے لئے امریکن درجنوں پاکستانی بے گناہ بچوں عورتوں اور بوڑھوں اور جوانوں کو کیوں آتش و آہن کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں۔ اگر انہیں اتنا ہی یقین ہوتا ہے کہ ان کا ''ٹارگٹ'' موقع پر موجود ہے تو دنیا کی بہترین فوج ہونے کے دعوے اور امریکی آخر اپنے کمانڈوز کے ذریعے زمینی کارروائی کیوں نہیں کرتے؟ یا ان کی حلیف پاکستانی سکیورٹی فورسز یہ کار خیر کیوں انجام نہیں دیتیں؟ اس طرح کم از کم کچھ بے گناہوں کی جان تو بچ سکتی ہے۔ جہاں تک غیر ملکی مداخلت کا مسئلہ ہے تو اب کم از کم ہماری حکومت کے لئے یہ کوئی مسئلہ نہیں رہا کیونکہ وہ امریکنوں کو ناراض کرنے کا خطرہ کبھی مول نہیں لیں گے یہ طے شدہ پالیسی ہے۔ 6 نومبر سے تادم تحریر ہونے والے حملوں سے یوں لگتا ہے جیسے خودکش دھماکے اور حملے شاید ہماری روزمرہ زندگی کا معمول بن چکے ہیں اور حکومت نے بھی اسے معمول کی کارروائی سمجھ کر اس طرف توجہ دینا کم کر دی ہے۔ اس کے پیش نظر شاید سب سے اہم کام ملک و قوم کے لئے قرضوں کی بھیک مانگنا رہ گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صدر مملکت قرضوں کے حصول کے لئے دو ڈھائی سو افراد کا جم غفیر اکٹھا کر کے سعودی عرب تشریف لے گئے اس پر مزید ستم یہ کہ وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی فرماتے ہیں کہ صدر زرداری یہ پورا وفد اپنے ذاتی خرچے پر لے گئے ہیں۔ کیا پاکستان کے سولہ کروڑ عوام میں سے کوئی ایک فرد بھی اس دعوے پر یقین کرنے کے لئے تیار ہے؟ علاوہ ازیں موجودہ حکومت کے معمولات کو دیکھا جائے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہر طرف امن کا سائبان

تنا ہے اور چاروں اطراف میں دودھ کی نہریں بہہ رہی ہیں جو ہم اتنے خوش و خرم ملکی و غیر ملکی دوروں پر دورے کر رہے ہیں۔ وزیروں اور مشیروں کی فوج ظفر موج تیار کی جا رہی ہے۔ تھوڑے بہت بچے کھچے ملکی خزانے کی لوٹ سیل لگی ہے اور اوپر سے مزید فرمایا جا رہا ہے کہ کابینہ میں توسیع میں ملکی خزانے پر زیادہ بوجھ نہیں پڑے گا۔ انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ ایک طرف تو پوری قوم مہنگائی' لوڈ شیڈنگ' بے روزگاری' افراتفری اور خودکش حملوں کی چکی میں پس رہی ہے جبکہ دوسری طرف حکومت کے اللے تللے دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے ہاں کوئی بحران اور مسئلہ سرے سے ہی نہیں۔ کیا صدر' وزیر اعظم سمیت بلٹ پروف گاڑیوں میں گھومنے والے تمام اعلیٰ حکام اندازہ کر سکتے ہیں کہ آئے دن خودکش دھماکوں اور حملوں میں جان توڑنے والے افراد کے اہل خانہ کے ساتھ کیا بیت رہی ہوگی؟

امریکہ کی جنگوں کو اپنی جنگ قرار دے کر پوری قوم کو رفتہ رفتہ اس کی بھینٹ چڑھائے جانے کی تیاری کی جا رہی ہے۔ نہ معلوم اقتدار کی کرسی میں وہ کون سا نشہ ہے جو انسان کے تمام حواس کو شل کر دیتا ہے اور پھر وہ سیاہ و سفید میں تمیز کرنے سے بھی قاصر ہو جاتا ہے۔ امریکی جنگ کو اپنی جنگ قرار دے کر قبائلی علاقوں میں لشکر تیار کرانے والے وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی کو چاہئے کہ وہ اقتدار میں آنے سے قبل اپنے ہی ہاتھ سے لکھی ہوئی کتاب ''چاہ یوسف سے صدا'' کا ایک بار پھر مطالعہ کر لیں اور قبائلی علاقوں کے بارے میں جو فرمودات انہوں نے اپنی کتاب میں تحریر فرمائے ہیں ان پر عمل درآمد کرنے کی کوشش کریں' کیونکہ اقتدار کے سنگھاسن پر براجمان ہونے سے پہلے ان کا بھی یہی خیال تھا کہ مذکورہ جنگ ہماری نہیں بلکہ امریکہ کی جنگ ہے جس پر پاکستانی قوم کو جھونکا جا رہا ہے۔ یہ کتنا کھلا تضاد ہے کہ موجودہ حکومت میں شامل اکثریت 18 فروری کے انتخابات سے قبل قبائلی علاقوں میں لڑی جانے والی جنگ کو امریکی جنگ قرار دیتی تھی جبکہ حکومتی عہدوں پر متمکن ہونے کے بعد انہی افراد نے یہ موقف اختیار کر لیا ہے کہ پہلے یہ جنگ امریکی جنگ تھی مگر اب یہ ہماری اپنی جنگ ہو چکی ہے اور اس کے لئے ہم نے خود لڑنا ہے۔ حکمران طبقہ شاید اس جنگ کی حساسیت سے آگاہ نہیں کہ آگے چل کر اس نے اگر خدانخواستہ خانہ جنگی کی شکل اختیار کی اور مزید علاقوں میں پھیل گئی تو ہمارے لئے یہ ملک بچانا بھی مشکل ہو جائے گا۔ حکومت نے پہلے ایک غلطی کی تھی کہ قبائلی علاقوں میں فوج کو بھیج کر ہلکی پھلکی شدت پسندانہ کارروائیوں کو باقاعدہ ایک جنگ کی شکل دے دی تھی جبکہ اب دوسری غلطی یہ کی جا رہی ہے کہ مقامی قبائل پر مشتمل لشکر تیار کر کے ان کو عسکریت پسندوں کے ساتھ لڑایا جا رہا ہے جس سے نہ صرف خانہ جنگی کے خدشات بڑھتے جا رہے ہیں بلکہ عسکریت پسندوں کو اپنے آسان اہداف میسر آ گئے ہیں اور وہ کسی بھی علاقے میں ہونے والے ایسے جرگے پر بہ آسانی حملے کر سکتے ہیں جن میں کے خلاف کارروائی کی تیاریاں کی جا رہی ہوں۔ حکومت کے اس اقدام سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ معاملے کی نزاکت کو سمجھے بغیر ایک ایسے حل کی طرف جا رہی ہے جو مسئلے کو سلجھانے کی بجائے مزید گھمبیر کر دے گا۔

پشاور کی دیواروں پر ''آزاد پختونستان'' کے نعرے اب معمول کی بات بنتے جا رہے ہیں۔ آج ہی وزیر اعلیٰ سرحد نے فرمایا ہے کہ وہ اس کی تفتیش کروائیں گے۔ جب اے این پی کی لیڈر شپ لاہور ڈرائی پورٹ سے صوبہ سرحد کے عوام کے لئے بھارتی امداد براہ راست وصول کرنے گئے تو کسی اور تفتیش کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔ ایسا دکھائی دیتا ہے جیسے ملک میں لسانی عصبیت کا تازہ حملہ ہوا ہے اور پرانے ایجنڈے کو آگے بڑھایا جا رہا ہے کیونکہ یہ لوگ جانتے ہیں جیسے ہی مرکزی حکومت نے نوٹس لیا فوراً صوبائی خودمختاری پر آنچ آ جائے گی اور افسوس تو اس بات کا ہے کہ

صرف پنجاب دشمنی میں ملکی سالمیت داؤ پر لگائی جا رہی ہے۔ پانی کی تقسیم کو کچھ سیاسی جماعتوں نے ''را'' کے لٹریچر سے متاثر ہو کر سیاسی رنگ دے دیا ہے۔ سندھ' سرحد اور بلوچستان کے عوام کو احساس کمتری میں مبتلا کر دیا ہے۔ کچھ لیڈروں نے اس کی مخالفت کو انا کا مسئلہ بنا رکھا ہے۔ بدقسمتی سے اس وطن میں ایسے بھی لیڈر ہیں جو بگلیہار ڈیم کی تعمیر کو بھارت کا اندرونی مسئلہ قرار دے رہے ہیں اور کالا باغ ڈیم کی بے جا مخالفت کر رہے ہیں۔ 1985ء میں ایک لیڈر کا بیان تمام اخبارات میں چھپا تھا کہ اگر کالا باغ ڈیم بنا تو اس کو بارود سے اڑا دیا جائے گا۔ 9 سال تک جنرل (ر) مشرف نے اسے تعمیر کرنے کا جھوٹا بیان دیا اور بالآخر چک شہزاد کی تاریکیوں میں گم ہو گیا ہے۔ کالا باغ ڈیم تقریباً 15 کروڑ ایکڑ فٹ ذخیرہ کر سکے گا اور اس سے روزانہ 4200 میگا واٹ بجلی پیدا ہو گی سرحد کے جنوبی اضلاع سیراب ہو سکیں گے اور کرک و بنوں کے زیر زمین پانی کے ذخائر میں اضافہ ہو گا۔ بجلی کی فی یونٹ پیداواری لاگت ایک روپیہ سے بھی کم ہو گی۔ گیریٹر تھل کینال چالو ہو کر لاکھوں ایکڑ رقبہ کو سیراب کر سکے گا جبکہ لاکھوں افراد کو بھکر' لیہ' مظفر گڑھ' خوشاب اور جھنگ کے اضلاع میں پینے کا میٹھا پانی میسر ہو گا۔ سائٹ پر کام مکمل ہے بھاری مشینری کے نیچے ریلوے ٹریک اور روڈ کی سہولت مہیا ہے سائٹ قدرتی جھیل کا منظر پیش کرتی ہے۔ اس کی تعمیر میں صرف 3 سال کا عرصہ لگے گا۔ آج ہمیں پانی کی شدید قلت کا سامنا ہے۔ زیر زمین پانی کی سطح مزید گہرائی میں چلی گئی ہے۔ بھارت اس مسئلہ پر ہمیں 1948ء سے ہی پریشان کر رہا ہے۔ 1969ء میں اس نے دریائے گنگا پر فرخا بیراج بنا کر مشرقی پاکستان کے دریائی پانی کو روک دیا۔ سندھ طاس کے معاہدے کے بعد مسلسل ہمیں پانی سے محروم کر دیا ہے بدقسمتی سے ہمارے ہاں ایسے لیڈروں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے۔ جو ''را'' کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ پانی کے مسئلہ پر ہمیں بھارت کے سامنے جھکنا پڑا ہے۔ سندھ طاس معاہدہ ہماری ہی بے بسی اور کمزوری کی علامت ہے جس پر بگلیہار ڈیم کی تعمیر نے مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ آج بھارت ہماری سرسبز و شاداب زمینوں کو بنجر بنانے پر تلا ہوا ہے۔ اور ہم اس مرحلے پر شدید احتجاج کی تیاری کر رہے ہیں۔

پاکستان کی غالب آبادی دانشوروں پر مشتمل نہیں عام لوگ ہیں جو نارمل انسانوں کی طرح سوچتے ہیں جب انہیں یہ دکھائی دے گا کہ قحط کی حالت سے دوچار ملک میں وزیروں اور مشیروں کی فوج ظفر موج بھرتی کی جا رہی ہے تو وہ ضرور چیخیں چلائیں گے کیونکہ ماضی کا تجربہ بتاتا ہے کہ وزیروں اور مشیروں کی یہ فوجیں عوامی مسائل سے نمٹنے کے لئے نہیں بلکہ آئندہ الیکشن میں اپنے ووٹرز پکے رکھنے کے لئے بھرتی کی جاتی ہیں لیکن عوامی اضطراب کے جواب میں جب سینیٹر بابر اعوان جیسے ''عوام دوست'' سوال کرنے کا تمسخر اڑاتے ہوئے یہ کہیں کہ ''ابھی اور وزراء کی گنجائش ہے'' تو اس کا کیا مطلب لیا جائے؟ جو وزراء رکھے گئے ہیں ان کی صرف ایک مثال 6 نومبر کو پرائیویٹ ٹی وی چینل کا مذاکرہ ہے جس میں وزیر تعلیم میر ہزار خان بجرانی پر ان کے ساتھ موجود مہمان معروف ہیومن رائٹس ایکٹی وسٹ محترمہ شرمن اللہ نے ثبوت کے ساتھ جو الزامات لگائے اور سپریم کورٹ کی کارروائی سے دستاویزی ثبوتوں تک جو کچھ پاکستان کے لاکھوں عوام کے سامنے پیش کیا اس کے بعد بھی کوئی گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟ حکمرانو! خدا کے غضب سے ڈرو۔ اللہ کی لاٹھی بے آواز ضرور ہے لیکن سر پر پڑے تو پھر آواز نکالنے کی مہلت بھی نہیں ملتی۔

# آئی ایم ایف کا پھندہ اور لائن آف کامرس



1973ء کے آئین کی متفقہ منظوری کے بعد غالباً پاکستانی پارلیمانی تاریخ کا سب سے اہم واقعہ حالیہ 14 نکاتی ایجنڈے کی منظوری ہے جس پر حکومت اور اپوزیشن کی تمام جماعتوں نے متفقہ صاد کیا ہے اور مل کر ملک میں جاری دہشت گردی عسکریت پسندی یا اسے کچھ اور نام دے لیں کا مقابلہ کرنے کا عزم ظاہر کیا ہے۔ اس قرارداد میں حسب روایت حکومت کی طرف سے اس عزم کا اظہار کیا گیا ہے کہ پاکستان پر غیر ملکی مداخلت کسی بھی صورت برداشت نہیں کی جائے گی، لیکن حیرت انگیز طور پر قرارداد کی منظوری کے بمشکل دو یا تین گھنٹے بعد ہی امریکی ڈراؤن نے حملہ کیا اور وزیرستان میں دس بے گناہ پاکستانی جاں بحق ہوئے جس کے بعد سے اب تک یہ سلسلہ جاری ہے۔

صدر آصف علی زرداری کے بعد وزیراعظم یوسف رضا گیلانی نے بھی چین کا دورہ کیا جہاں ان کی ملاقات بھارتی وزیراعظم من موہن سنگھ سے ہوئی۔ اس ملاقات کا دورانیہ 20 منٹ تھا۔ جناب یوسف رضا گیلانی نے بھارتی وزیراعظم سے درخواست کی کہ وہ کم از کم دریائے چناب کا پانی ہی کھول دیں جو بھارت نے غنڈہ گردی اور پاکستان کے اندرونی مسائل کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے بند کر رکھا ہے۔ پاکستان جن مصائب اور مسائل میں گھرا ہے اگر اس کا فائدہ بھارت نہ اٹھائے تو موجودہ بھارتی قیادت کی بھارتی اپوزیشن خصوصاً بھاجپائی ذہنیت کے حامل بھارتی عوام پرخچے اڑا کر رکھ دیں گے۔ بھارتی وزیراعظم نے کہ تاریخ نے جسے سنہری موقع دیا ہے پاکستانی وزیراعظم کی درخواست پر فرمایا ہے کہ وہ اس کا جائزہ لیں گے کہ پاکستان کے ساتھ معاہدہ طاس کی پابندی ہو رہی ہے یا نہیں؟

حیرت اور شرم کا مقام ہے کہ وہ بھارتی وزیراعظم جو خود کو دنیا کا بزعم خویش سب سے بڑی جمہوریہ کا وزیراعظم سمجھتا ہے۔ اس Humble Request پر کس شان بے نیازی سے تبصرہ کر رہا ہے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ بھارت نے ناجائز طور پر پاکستان کا پانی روکا ہوا ہے۔ البتہ حاتم کی قبر پر لات مارتے ہوئے بھارتی وزیراعظم نے یہ ضرور کہا ہے کہ پاکستان جس صورتحال سے دوچار ہے اس پر بھارت کو افسوس ہے اور ورلڈ بنک یا آئی ایم ایف سے پاکستان کو قرضہ دلانے میں اس کی مدد کریں گے۔ اس نوعیت کی باتیں اگر ہمارے ازلی دشمن کے منہ سے نکل رہی ہیں تو اس میں اس کا قصور نہیں ہم خود اس کے ذمہ دار ہیں۔ یہ نتیجہ ہے جنرل (ر) مشرف کی ان بزدلانہ اور بے وقوفانہ پالیسیوں کا جو گذشتہ آٹھ سال تک جاری رہیں جن میں جنرل (ر) مشرف نے بھارت کو کشمیر کے حوالے سے ایسی ایسی فیاضانہ پیشکشیں کیں کہ خود بھارتی چکرا کر رہ گئے اگر بھارت میں کوئی مضبوط حکومت ہوتی تو ضرور ان میں سے ایک آدھ تجویز صادر کر کے اس ٹنٹے کو ختم کر دیتی۔ اسے کشمیریوں کی خوش قسمتی سمجھیں یا بھارت کی بے وقوفی کہ وہاں بھی گذشتہ دس بارہ سال سے مخلوط حکومتیں بن رہی ہیں اور کانگریس اکیلی کوئی اہم فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ورنہ یہ حلوہ وہ آسانی سے نگل جائے اور ہم حسب سابق منہ ہی دیکھتے رہ جاتے۔

گذشتہ حکومت کی پالیسیوں کا تسلسل جاری ہے خصوصاً کشمیر کے حوالے سے ہمارے ارباب اختیار کے بیانات نے بھارتی حکومت کا حوصلہ خاصا بلند اور بھارت کی وہ آٹھ لاکھ فوج جس کا بمشکل تین ہزار منتشر کشمیری مجاہدین نے ناطقہ بند کر رکھا تھا مورال بھی خاصا بلند ہو گیا ہے۔ جس کا ثبوت آئے روز مقبوضہ کشمیر کے بے گناہ مسلمانوں کی ہلاکت کی شکل میں ہمیں ملتا رہتا ہے۔ خدا جانے ہماری معیشت کو کس نے نگل لیا کہ اب ہم آئی ایم ایف کی گداگری پر مجبور ہو گئے ہیں۔



مشیر خزانہ شوکت ترین کے مطابق آئی ایم ایف ہمیں پہلی مرتبہ محض ڈیڑھ ارب ڈالر قرضہ فراہم کرنے والا ہے جبکہ غیر ملکی ذرائع ابلاغ میں پیش کی جانے والی ایک رپورٹ کے مطابق آئی ایم ایف پاکستان کے لئے ''بیل آوٹ پیکج'' کا اعلان سات نومبر کو کرے گا۔ رپورٹ کے مطابق آئی ایم ایف پاکستان کو چھ ارب ڈالر کا قرضہ فراہم کر سکتا ہے۔ آئی ایم ایف کے مقامی ذرائع کے مطابق پاکستان نے ابھی تک قرضہ کے لئے درخواست نہیں دی۔ خود حکومتی ذرائع بھی کہہ چکے ہیں کہ آئی ایم ایف کی طرف رجوع آخری آپشن ہوگا، ممکن ہے ان اطلاعات میں صداقت ہو تاہم بیجنگ کانفرنس کے اعلامیہ میں پاکستان کو آئی ایم ایف کی طرف سے آسان شرائط پر قرضے فراہم کرنے کے مطالبے اور مشیر خزانہ کی طرف سے ڈیڑھ ارب ڈالر کے قرضے کی تائید سے ظاہر ہوتا ہے۔ پاکستان اور آئی ایم ایف کے درمیان قرضوں کی فراہمی کے سلسلے میں خاصی پیش رفت ہو چکی ہے۔

جہاں تک آئی ایم ایف سے قرضہ لینے کا تعلق ہے تو اس بابت دو رائے نہیں ہو سکتی کہ موجودہ حالات میں آئی ایم ایف سے قرضہ لینے کا مطلب پاکستان کو عالمی یہودی ساہوکاروں کے چنگل میں دینا ہے اور جس کا سیدھا اور واضح مطلب یہ ہے کہ آئندہ کئی برسوں تک ہم آزاد خارجہ پالیسی اور ملکی خود مختاری جیسے اہم قومی مفادات کے حصول سے محروم رہیں گے۔ معاشی امور کے کچھ ماہرین کی طرف سے کہا گیا ہے اور حکومتی نمائندے بھی اس پہلو کو اجاگر کر رہے ہیں کہ آئی ایم ایف سے قرضہ لینا ہماری مجبوری بن گئی ہے۔ بصورت دیگر حکومتی امور کو چند ہفتوں تک چلانا بھی دشوار ہو جائے گا۔ اس وقت بھی ملک پر غیر ملکی واجب الادا قرضہ 3735 ارب روپے ہو چکا ہے۔ روپے کی گرتی ہوئی قدر سے اس میں مزید اضافہ ممکن ہے جبکہ دوسری طرف آئی ایم ایف سے 6 ارب ڈالر قرضہ وصول کرنے کے لئے تیار ہو چکے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہمارے معاشی ماہرین کے پاس ملکی معیشت کی بہتری کے لئے سوائے قرضے کی پالیسی اختیار کرنے کے اور کوئی حل نہیں ہے؟ آج تک دنیا کا کوئی ملک اقتصادی بحرانوں پر قرضوں کی مدد سے قابو پا نہیں سکا۔ جنگ عظیم دوم کے بعد جب جنگ سے تباہ حال اور یورپی ممالک کو تعمیر نو کا چیلنج درپیش تھا اور آئی ایم ایف نے یورپی ممالک کو قرضے دینے کی پالیسی اختیار کی تھی۔ اس وقت کے بعد سے آج تک آئی ایم ایف کے قرضوں سے کسی ملک کی معیشت کو استحکام حاصل نہیں ہوا۔ آئی ایم ایف کے قرضوں سے اپنی معیشت کو زیادہ دیر نہیں چلا سکتے۔ یہ توقع ہی عبث ہے کہ آئی ایم ایف ہمیں آسان شرائط پر قرضے فراہم کرے گا۔ آئی ایم ایف پاکستان کے فوجی اخراجات میں ایک تہائی کمی کا مطالبہ کر کے اپنے مذموم مقاصد کا اظہار کر چکا ہے۔ پاکستان اگر اپنے فوجی اخراجات پر بہت رقم خرچ کر رہا ہے تو اس کی وجہ کوئی ایک نہیں ہے۔ پاکستان نہ صرف بیرونی جارحیت کے خطرات سے دوچار ہے بلکہ داخلی حوالے سے بھی اسے اپنا استحکام برقرار رکھنے کے لئے سنگین چیلنج درپیش ہیں۔

ان حالات میں آئی ایم ایف کی طرف پاک فوج کے فنڈ میں کمی جیسا مطالبہ یقیناً سنجیدہ پہلو ہے۔ جس پر اس ضمن میں مزید غور کی ضرورت ہے کہ بھارتی وزیراعظم نے بھی آئی ایم ایف کی جانب سے پاکستان کو قرضہ فراہم کیے جانے کی حمایت کی ہے' لیکن بھارت نے دریائے چناب کے پانی کو روکنے اور بگلیہار ڈیم کی تعمیر جیسے موضوعات پر پاکستان کے موَقف کو درخوراعتناء سمجھا۔ یہ بات دھیان میں رہے کہ آئی ایم ایف سے قرضے حاصل کرنے کا معاملہ اتنا سادہ نہیں ہے۔ اس پر مزید غوروغوض کی ضرورت ہے۔ پارلیمنٹ کی طرف سے ملکی دفاع' آزادانہ خارجہ پالیسی اور قومی خودمختاری جیسے معاملات پر جو موَقف اختیار کیا گیا' اسے فوج کی معیشت کی بہتری کے لئے ہمیں اپنے مسلم دوستوں کی مدد حاصل کرنی چاہئے۔ ہمیں گزرے دور کی وہ پالیسیاں جن کی بدولت آج قرضوں تلے دب چکا ہے اور ملکی صنعتیں ٹھپ ہو چکی ہیں' اب بدل دینی چاہئیں۔ ہمیں دوسرے کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی بجائے خود انحصاری پر مبنی معاشرے کی تشکیل کرنی چاہئے۔ عالمی ساہوکاروں کے چنگل سے ہم اسی صورت میں بچ سکتے ہیں۔

آرمی چیف کا یہ کہنا ہے کہ حکومت' عوام اور فوج کو باہمی تعاون سے آگے بڑھنا ہوگا' لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم اندرونی معاملات میں بیرونی ہاتھوں کو خارج کر دیں۔ ورنہ ملکی حالات مزید بگڑتے ہی جا رہے ہیں، اور ہم پالیسیاں بنا رہے ہیں ان سے ان کے سنوارانے کی کوئی امید بھی دکھائی نہیں دے رہی۔ تازہ ترین اطلاعات کے مطابق بھارت نے سندھ طاس معاہدہ کی مسلسل خلاف ورزی کرتے ہوئے دریائے چناب کا پانی مکمل بند کر دیا ہے جس کے باعث اپر چناب میں پانی کی مقدار انتہائی کم ہو گئی ہے جبکہ راوی لنک دو ماہ سے بند پڑی ہے اور ہیڈ مرالہ پر پانی کا اخراج صرف 8642 کیوسک رہ گیا ہے اسی طرح دریائے مناور توی پر پانی کا اخراج صرف 5003 کیوسک رہ گیا ہے۔ جس کے نتیجے میں پاکستان میں زیر کاشت 53 لاکھ ایکڑ رقبہ پر موجود دھان کی فصل تباہ و برباد ہو کر رہ گئی ہے۔ انڈس واٹر کمشنر جماعت علی شاہ نے گزشتہ روز بھارت سے وطن روانگی کے وقت اندرا گاندھی انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر بھارتی صحافیوں سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ بگلیہار ڈیم کے ڈیزائن اور چناب کا پانی روکنے پر بھارت کے ساتھ بات چیت کے عمل میں روایتی بھارتی ہٹ دھرمی کا عنصر جاری رہا ہے' اس لئے وہ پاکستان بھارت باہمی مذاکرات سے ہرگز مطمئن نہیں ہیں اور چناب کا پانی روکنے پر بھارت سے ہرجانہ طلب کرنے کے لئے عالمی بنک سے رجوع کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا ہے۔ یہ انتہائی افسوسناک صورتحال ہے کہ بھارت تو اپنے خبث باطن سے باز نہیں آ رہا اور جہاں بھی موقع ملتا ہے وہ پاکستان کی سالمیت پر وار کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ سندھ طاس معاہدے کی مسلسل خلاف ورزی کرنا اور چناب کا پانی مکمل بند کر کے پاکستان کی زرخیز دھرتی کو بنجر بنانا اسی بھارتی ذہنیت کا شاخسانہ ہے مگر بھارت کے ان مکروہ عزائم کو دیکھ اور بھانپ کر بھی ہمارے حکمران چالباز ہندو بنیئے کے ساتھ دوستی کی پینگیں ڈالنے اور بھارت کے ساتھ تجارت کے لیے بچھے چلے جانے میں مصروف ہیں اور دانستہ طور پر اس سانپ کو دودھ پلا رہے ہیں جس نے ہمیں ڈنگ ہی مارنا ہے۔ ان حالات میں جب ہمارے حکمران لائن آف کنٹرول کو لائن آف کامرس بنانے کی باتیں کرتے ہیں تو عام پاکستانی لرز کر رہ جاتا ہے کہ کہیں ہم نے واقعی کشمیر سے باقاعدہ دستبرداری کا فیصلہ تو نہیں کر لیا۔

# آئی ایس آئی اور ہمارے اربابِ اختیار



پنجابی زبان کی ایک کہاوت ہے ''گھر آٹا نہیں اماں پیئن (پسینے) نوں چلی'' ملک مسائل کی آگ میں جل رہا ہے، اور ہمارے عوام دوست انقلابیوں کو اصلاحات کا شوق چرایا ہے جس کیلئے ان کا انتخاب بھی الا ماشاء اللہ کوئی اور نہیں آئی ایس آئی (انٹر سروسز انٹیلی جنس ایجنسی) ہے۔ سبحان اللہ! کیا نظرِ انتخاب پائی ہے آپ نے۔ شاید میثاق جمہوریت مرحوم یکے از لندن میں ایک شق یہ بھی تھی کہ انٹیلی جنس ایجنسیوں کو ''قابو'' کرنے کیلئے انہیں ''عوامی عدالت'' کے ماتحت کیا جائے' چونکہ باقی تمام شقوں پر عمل ہو چکا ہے، اور ملک میں چاروں طرف جمہوریت کی گنگا بہہ رہی ہے جس میں عوام وخواص جی بھر کے منہ بھی دھو رہے ہیں اور سیراب بھی ہو رہے ہیں۔ شاید اسی لئے اب ہمارے اربابِ اختیار کو ''آئی ایس آئی'' بھی یاد آ گئی جس کی اصلاح کرنے کا شوق چرایا ہے۔ اس ضمن میں گزشتہ ہفتے عجیب وغریب مخبوط الحواسی دیکھنے کو ملی جب محض 24 گھنٹے کے اندر آئی ایس آئی کے متعلق دو مرتبہ فیصلہ تبدیل کیا گیا۔ پہلے پاکستان کی اس مایہ ناز سپریم انٹیلی جنس ایجنسی کو وزارت داخلہ کے ماتحت کر دیا گیا جبکہ دوسرے نوٹیفکیشن کے تحت آئی ایس آئی وزیر اعظم کے ماتحت رہے گی۔ شنید ہے کہ پہلا حکم مردِ حُر جناب آصف علی زرداری کی منشاء پر جاری ہوا۔ واقفان حال بتاتے ہیں کہ جیسے ہی پہلا حکم جاری ہوا' فوجی قیادت میں کھلبلی مچ گئی کیونکہ ترجمان پاکستان آرمی کے مطابق اس ''انقلابی اقدام'' سے آرمی چیف کو بھی آگاہ کرنے کی زحمت نہیں کی گئی تھی۔ پہلی خبر کی اشاعت کے ساتھ جو فوری ردِعمل عوام میں پیدا ہوا وہ یہ تھا کہ جناب آصف علی زرداری سویلین معاملات کو اپنے اور ملکی سکیورٹی معاملات کو رحمٰن ملک کے ماتحت کرنے کا عزم رکھتے ہیں اور اس پر کاربند ہیں۔

اس بحث سے ہٹ کر کہ حکومت کو آئی ایس آئی کا کردار دفاعی ہونا چاہئے یا سیاسی؟ یہ سوال محلِ نظر ہے کہ حکومت کو اچانک آئی ایس آئی کی یاد کہاں سے آ گئی؟ بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ طالبان کی طرف سے امریکہ کو جو ٹف ٹائم مل رہا ہے، اور خصوصاً کابل میں بھارتی سفارتخانے پر ہونے والے خودکش حملے کے بعد معمول کے مطابق بھارت کی طرف سے جو آئی ایس آئی پر دشنام طرازی شروع ہوئی، اس کے ساتھ ہی نیٹو اور امریکی فورسز کے کمانڈروں اور امریکی عمال حکومت کی طرف سے برملا کہا جانے لگا کہ پاکستانی ایجنسیوں میں کچھ عناصر درپردہ طالبان کے ہاتھ مضبوط کر رہے ہیں۔ چونکہ ہمارے وزیر اعظم اپنے بھاری بھرکم وفد کے ساتھ امریکہ تشریف لے جا رہے ہیں تو شاید امریکہ کو ''گڈول جیسچر'' دینے کیلئے یہ انقلابی فیصلہ لازم تھا، جو ابھی وزیر اعظم صاحب کا جہاز ہوا میں تھا جب کر لیا گیا اور پھر بادل نخواستہ پانچ گھنٹے بعد ہی جب وہ ابھی لندن میں استراحت فرما رہے تھے' تبدیل بھی کر دیا گیا جس سے کم از کم امریکہ کو یہ سمجھ ضرور آ گئی ہو گی کہ ابھی اس کے احکامات کی مکمل تعمیل شاید ممکن نہیں۔

ہمارے ہاں گو کہ بعض کالم نگار حضرات محض خود کو زیادہ ''باخبر'' ثابت کرنے کے چکر میں عجیب وغریب قسم کی درفطنی چھوڑنے کے عادی ہیں اور اپنے ''مسمرائز قارئین'' پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کیلئے بعض ایسی خبریں بھی سنا دیتے ہیں جن کا افشاء قومی رازوں کے افشاء کے مترادف

ہوتا ہے۔ اس طرح کی توقع کسی باشعور محب وطن صحافی سے کرنا تو عبث ہے۔ اس لئے میں آپ کو خبریں نہیں سنا سکتا صرف یہ ضرور بتا سکتا ہوں کہ پاکستان پر زمین' آسمان اور چاروں سمتوں سے "را" "موساد" "سی آئی اے" اور جیسی تیسی بھی ہے' افغان انٹیلی جنس ایجنسیاں ہی نہیں اور طاقتیں بھی الا ماشاءاللہ حصہ بقدر جثہ کے مطابق حملہ آور ہیں۔

27 جولائی کے لاس اینجلس ٹائمز کی رپورٹ کے مطابق پاکستان میں امریکی خفیہ ایجنسی سی آئی اے کے قریباً 200 باقاعدہ ایجنٹ تعینات ہیں جبکہ بُش انتظامیہ نے عراق کی طرح پاکستان میں اور طالبان کے خلاف قبائلی مزاحمت کے امکان کو مسترد کر دیا ہے۔ امریکی اخبار لاس اینجلس ٹائمز کے مطابق سی آئی اے کے ان ایجنٹوں کو قبائلی علاقوں میں مختلف کمپاؤنڈز پر تعینات کیا گیا ہے جو وہاں موجود آئی ایس آئی کو فنڈز، آلات اور انٹیلی جنس معلومات فراہم کرتے ہیں۔ باہمی تعاون کا یہ سلسلہ 2001ء میں ورلڈ ٹریڈ سینٹر پر دہشت گردی کے حملوں کے بعد شروع کیا گیا۔ پاکستان میں سی آئی اے کے مشن کو یہ ٹاسک دیا گیا کہ وہ القاعدہ کے اندرونی سرکل کو نہیں بلکہ دوسرے یا تیسرے درجے کے رہنماؤں کا پتہ لگائے۔ سی آئی اے کے بعض حاضر سروس اور سابقہ عہدیداروں کے مطابق اس وقت پاکستان میں ادارے کے تقریباً 200 ایجنٹ تعینات ہیں اور عراق کے بعد سی آئی اے کا یہ دوسرا بڑا آپریشن ہے۔ اخبار کے مطابق سی آئی اے کے علاوہ بھی امریکہ کی دیگر خفیہ ایجنسیوں کے اہلکار پاکستان میں تعینات ہیں جن میں نیشنل سکیورٹی ایجنسی اور دوسری جیو سپیشیل انٹیلی جنس ایجنسی شامل ہے۔ ان تمام ایجنسیوں نے اسلام آباد میں واقع امریکی سفارتخانے میں ایک جوائنٹ ٹارگٹنگ سیل قائم کر رکھا ہے۔ پاکستان میں تعینات تمام امریکی خفیہ ایجنٹوں کی جانب سے القاعدہ کے سربراہ اسامہ بن لادن سمیت دیگر مطلوب افراد کے بارے میں جمع کیا جانے والا انسانی اور الیکٹرانک ڈیٹا اس سیل کو بھجوایا جاتا ہے۔ آئی ایس آئی بعض اوقات اپنے قبائلی رابطوں کے نیٹ ورک سے حاصل ہونے والی معلومات کا سی آئی اے سے تبادلہ کرتی ہے تاہم سی آئی اے کے ایک سابق اہلکار نے الزام عائد کیا کہ آئی ایس آئی کئی معاملات میں ہمیں جان بوجھ کر اندھیرے میں رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ دریں اثناء لاس اینجلس ٹائمز کے مطابق بعض امریکی اہلکاروں نے عراق میں مزاحمت کے خاتمے کیلئے اپنائی گئی حکمت عملی کو پاکستان میں بھی استعمال کرنے کی تجویز پیش کی ہے۔ بُش انتظامیہ کے ایک سینئر اہلکار کے مطابق امریکہ کی نیشنل سکیورٹی کونسل نے رواں سال کا ایک بڑا عرصہ اس بات پر غور و خوض کرنے میں گزار دیا ہے کہ عراقی صوبہ الانبار میں سنی عرب شیوخ اور مقامی جنگجوؤں کو القاعدہ کے خلاف اپنے اپنے علاقوں کے دفاع کیلئے رقوم فراہم کرنے کی طرز پر کوئی حکمت عملی پاکستان کے قبائلی علاقوں میں بھی اپنائی جا سکتی ہے یا نہیں؟ پاکستان سے متعلق پالیسی کی تیاری میں شامل پینٹاگون کے ایک اہلکار نے بتایا کہ قبائلی علاقوں میں الانبار جیسی کوئی پالیسی نہیں اپنائی جا سکتی کیونکہ الانبار کے برعکس امریکی افواج پاکستان کے قبائلی علاقوں میں موجود نہیں اس وجہ سے ہم وہاں اپنے حامی قبائلی رہنماؤں کی مدد نہیں کر سکیں گے جس کی وجہ سے وہ القاعدہ اور طالبان کے رحم و کرم پر ہوں گے۔

افغانستان نہ تو امریکہ جتنا بڑا ملک ہے اور نہ ہی بھارت کے اس سے کوئی امریکہ بھارت نوعیت کے تعلقات ہیں لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ افغانستان میں 21 بھارتی قونصلیٹ کام کر رہے ہیں۔ ان کے کام کی نوعیت سے دنیا کا ہر باشعور اور حالات پر نظر رکھنے والا قاری آگاہ ہے۔ بلوچستان میں فراری کیمپوں کا قیام' تربیت' اسلحہ اور پیسے کی فراہمی کے درجنوں ثبوت حکومت کی طرف سے پیش کئے جا چکے ہیں۔ افسوس اور دکھ کی

بات تو یہ ہے کہ بلوچستان میں صرف ''را'' ''سی آئی اے'' ہی نہیں بعض ہمسایہ ممالک کی ایجنسیاں بھی حسب توفیق حصہ ڈال رہے ہیں۔اس ساری صورتحال کا مقابلہ صرف آئی ایس آئی کرتی ہے،اور یہ بات بلا مبالغہ کہی جاسکتی ہے کہ آئی ایس آئی نے ان کا ناطقہ بند کر رکھا ہے،اور یہی وہ ناقابل برداشت تکلیف ہے، جو امریکہ اور بھارت کو مستقل لاحق ہے اور وہ اپنی ہر نالائقی کا ذمہ دار پاکستانی ایجنسیوں کو ٹھہراتے ہیں۔

حکومت کی طرف سے آئی ایس آئی کو وزارت داخلہ کے ماتحت کرنے کے فیصلے کو عسکری ماہرین پاکستانی سالمیت کے خلاف سازش سمجھتے ہیں۔ممتاز عسکری تجزیہ نگار جنرل (ر) حمید گل کا کہنا تھا کہ یہ فیصلہ امریکہ کو خوش کرنے کیلئے کیا گیا۔آئی ایس آئی پاکستان کے دفاع کی ضمانت ہے۔ فیصلہ واپس نہ لیا جاتا تو یہ دفاعی نظام کے اوپر کاری ضرب تھا۔امریکہ سمیت دیگر ممالک اس کو ختم کرنے کے درپے ہیں۔سپر پاور کو شکست دینے میں آئی ایس آئی کا بڑا کردار رہا ہے۔ان خیالات کا اظہار انہوں نے اتوار کے روز ایک نجی ٹیلیویژن چینل سے گفتگو کرتے ہوئے کیا۔حمید گل نے کہا کہ آئی ایس آئی کو وزارت داخلہ کے کنٹرول میں لانے کا فیصلہ احمقانہ اور ہر اعتبار سے غلط تھا۔انہوں نے کہا کہ دنیا میں ہمارے پاس ایسی مثالیں ہیں جس کے مطابق یہ 100 فیصد غیر دانشمندانہ اور غیر سنجیدہ فیصلہ تھا۔حمید گل نے کہا کہ اچھا ہوا اس فیصلے کو واپس لے لیا گیا۔اگر واپس نہ لیا جاتا تو یہ ہمارے دفاعی نظام کے اوپر ایک کاری ضرب ہوتی اور ہمارے دشمن اس پر بہت خوش ہوتے۔انہوں نے کہا کہ وزیراعظم دورہ امریکہ کے دوران امریکی حکام کو خوش کرنے کیلئے ایسا کر رہے تھے کیونکہ اس وقت امریکہ سمیت دیگر ممالک آئی ایس آئی کو توڑنے میں مصروف ہیں۔انہوں نے کہا کہ آئی ایس آئی کا کردار مثالی ہے۔یہ تو ہمہ وقت جنگ میں رہتی ہے۔

پاکستان کی فوج نے تو صرف 61 سالوں میں 65ء اور 71ء کی دو باقاعدہ جنگیں لڑی ہیں باقی وقت تو دشمن کے ساتھ مقابلہ آئی ایس آئی ہی کرتی ہے'یہ تو ہمارے ملک کی پہلی دفاعی لائن ہے۔ایک سپر پاور کو شکست دینے میں آئی ایس آئی کا بہت بڑا کردار رہا ہے۔آج تک کسی انٹیلی جنس ایجنسی نے یہ مقام حاصل نہیں کیا۔اس وقت دنیا اس پر رشک کرتی ہے۔انہوں نے کہا کہ حیرت کی بات یہ ہے کہ ہمارے حکمرانوں کو کیا ہوگیا ہے۔آئی ایس آئی کو وزارت داخلہ کے کنٹرول میں دیتے ہیں لیکن اس پر سیاسی کردار کو نہیں ہٹایا گیا جو سب سے بڑی خرابی ہے۔اصل بات یہ ہے کہ آئی ایس آئی میں سیاسی مداخلت کو ختم کیا جائے۔حمید گل نے کہا کہ حکومت کے فیصلے اتنے احمقانہ ہیں کہ کبھی کہتے ہیں غلطی سے صدر مشرف کو نہیں بتایا گیا'انہوں نے کہا کہ اگر حکومت کی یہی حالت رہی تو اسے 16 کروڑ عوام کی نمائندگی کا کوئی حق نہیں ہے۔انہوں نے کہا کہ حکومت کو اب امریکہ کی اس طرح کی خوشنودی بند کرنا چاہیے۔عوام نے مینڈیٹ دیا ہوا ہے'پارلیمنٹ موجود ہے'اب تو فیصلے پارلیمنٹ میں ہونے چاہئیں۔

آئی ایس آئی کے سیاسی ونگ پر مختلف قومی حلقوں میں ایک عرصے سے اعتراضات ہوتے رہے ہیں کہ یہ اپنے بنیادی مقاصد پر توجہ دینے کی بجائے ہارس ٹریڈنگ اور سیاسی جوڑ توڑ جیسے غیر مقصدی معاملات میں الجھی ہوئی ہے، لہٰذا اس کے سیاسی ونگ کو ختم کر کے اسے مکمل طور پر دفاعی مقاصد کیلئے استعمال کیا جائے لیکن ہر آنے والی حکومت نے ان حقائق سے نظریں چراتے ہوئے آئی ایس آئی کے پولیٹیکل ونگ کو ختم کرنے کی بجائے اسے ہمیشہ اپنی سیاسی سرگرمیوں کیلئے استعمال کیا جس سے نہ صرف اس کی ساکھ بری طرح متاثر ہوئی بلکہ اس عمل سے اس کی پیشہ ورانہ کارکردگی بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔موجودہ مخلوط حکومت سے امید کی جارہی تھی کہ وہ دیگر سیاسی' معاشی اور دفاعی معاملات کے ساتھ ساتھ اس

معاملے کو بھی بخوبی نبٹائے گی مگر اس کے برعکس موجودہ حکومت نے جہاں دیگر قومی مسائل کا ابھی تک کوئی حل نہیں ڈھونڈا ہے وہاں اس نے مذکورہ فیصلہ کر کے متنازعہ مسائل میں ایک اور مسئلے کا اضافہ کر دیا ہے۔ موجودہ مخلوط حکومت میں شامل بڑی پارٹی کے سربراہ آصف علی زرداری نے اس ضمن میں کہا ہے کہ ''ہمیں امید ہے کہ اس تاریخی فیصلے کے مثبت نتائج سامنے آئیں گے۔ آئندہ کوئی یہ نہیں کہہ سکے گا کہ یہ ایجنسی حکومت کے کنٹرول میں نہیں ہے۔ اب وزارت داخلہ آئی ایس آئی پر عائد کردہ الزامات کیلئے جوابدہ ہوگی''۔

اس فیصلے کے سلسلے میں وزارت داخلہ کے اعلیٰ عہدیداروں نے یہ بھی دعویٰ کیا تھا کہ یہ فیصلہ آرمی چیف جنرل اشفاق پرویز کیانی کی رضامندی سے کیا گیا ہے تاہم آئی ایس پی آر کے ڈائریکٹر جنرل میجر اطہر عباس نے اس دعوے کی تصدیق نہیں کی اور کہا ہے کہ انہیں اس بارے میں کوئی علم نہیں۔ مجموعی طور پر اس فیصلے نے پاکستان کے سیاسی وسفارتی حلقوں میں متعدد قسم کے سوالات کھڑے کر دیئے ہیں۔ کئی سفارتکاروں کی جانب سے پوچھا جانے والا سب سے اہم ترین سوال یہ ہے کہ وزیراعظم نے اپنے اختیارات اپنے مشیر داخلہ کو کیوں سونپ دیئے ہیں؟ بعض دفاعی ماہرین کی رائے ہے کہ آئی ایس آئی بنیادی طور پر داخلی معاملات کی ذمہ دار نہیں ہے بلکہ یہ بیرونی سلامتی کی دیکھ بھال کیلئے قائم کی گئی ہے، لہٰذا اس کا اندرونی وسیاسی معاملات سے کوئی لینا دینا نہیں ہونا چاہئے۔ پاکستان کے تمام سنجیدہ اور دانشور حلقوں میں اس فیصلے کے بارے میں سخت تشویش پائی جاتی ہے کیونکہ اس سے پاکستان کے پہلے سے دگرگوں سیاسی معاملات کے مزید بگڑنے کا امکان پیدا ہو گیا ہے۔ حکومت کو چاہئے کہ وہ اس بارے میں ایک بار پھر نظرثانی کرلے اور اس معاملے کو قومی اسمبلی میں پیش کر کے اس پر اتفاق رائے حاصل کرنے کے بعد کوئی فیصلہ کرے۔

ان حالات میں حکومت کی طرف سے اچانک آئی ایس آئی پر توجہ فرمانے کا نوٹس پاکستان میں ہر سطح پر لیا گیا ہے۔ پاکستانی عوام کو گو کہ ہمارے حکمرانوں نے کبھی بھیڑ بکریوں سے زیادہ اہمیت نہیں دی لیکن وہ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ ملکی دفاع خصوصاً بھارت یا امریکی جارحیت کو پاکستانی عوام کبھی نظرانداز نہیں کر سکتے۔ اپنے مسائل میں پھنسے اور تجربات کی بھینٹ چڑھے پاکستانی عوام یہ کبھی برداشت نہیں کریں گے کہ انہیں باندھ کر دشمن کے آگے پھینک دیا جائے۔ یہ سوال عوامی اذہان کو ڈستا رہے گا کہ جس حکومت نے اپنا پہلا باقاعدہ اعلان اور ایجنڈا 30 دنوں کے اندر ججوں کی بحالی قرار دیا تھا۔ اس نے اچانک اس اہم مسئلے پر آئیں بائیں شائیں شروع کر دی ہے۔ اپنا انتخابی اتحاد خطرے میں ڈال دیا ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ پہلے اس اہم سیاسی مسئلے کو حل کیا جاتا لیکن اچانک اور بغیر عوام' پارلیمنٹ یا متعلقہ اداروں کو اعتماد میں لیے آئی ایس آئی پر ہی کیوں نظر کرم فرمائی جارہی ہے؟ کہیں یہ بھی کسی خفیہ ڈیل کا شاخسانہ تو نہیں؟ عوام کو ان سوالوں کے جواب چاہئیں۔ صرف محترمہ شیری رحمٰن کا یہ فرما دینا کہ یہ غلط فہمی کا نتیجہ تھا' کافی نہیں۔



# ڈاکٹر عافیہ صدیقی کا اغواء



5 اگست کی شام میرے موبائل فون کی گھنٹی بجی۔ کراچی کے ایک نمبر سے فون آ رہا تھا۔ میں نے اسے معمول کی کال سمجھ کر ''ہیلو'' کہا لیکن دوسری طرف ''امریکی انصاف اور انسانی حقوق'' کی شکار ڈاکٹر عافیہ صدیقی کی والدہ محترمہ عصمت صدیقی بات کر رہی تھیں۔ عصمت صدیقی مبلغہ ہیں۔ ان کی بیٹی کی فردِ جرم میں یہ بھی ایک شق ضرور شامل ہوگی۔ ایک ماں اپنی قابل صد احترام اور دین و دنیاوی تعلیم سے آراستہ بیٹی سے متعلق کیا بات کر سکتی ہے' اس کا اندازہ کوئی ''صاحب اولاد'' ہی کر سکتا ہے۔ مجھ میں حوصلہ نہیں کہ اس درد کو زبان دے سکوں جو ان کی گفتگو میں موجود تھا۔ انہوں نے جگر پاش حقائق بیان کیے جنہیں صفحۂ قرطاس پر لانے کا بھی یارا نہیں۔ اگلے روز ڈاکٹر فوزیہ صدیقی نے مجھے روزنامہ ''لاس اینجلس ٹائمز'' کی ایک خبر دکھائی جس کے مطابق ڈاکٹر فوزیہ صدیقی کو دہشت گردی کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا ہے۔ اس معزز اخبار نے ان کی تصویر بھی شائع کی ہے جبکہ وہ پاکستان میں اسی روز پریس کانفرنس کر رہی تھیں۔ ڈاکٹر فوزیہ صدیقی اس پر حیران و پریشان تھیں چونکہ انہوں نے امریکی انصاف و انسانیت کے ایسے بھیانک روپ دیکھ لیے ہیں جن کے بعد ان کیلئے کوئی بات نئی بات نہیں، اس لیے سکتہ کی کیفیت میں تھیں۔ وہ امریکی قوانین جانتی ہیں اور یہ بھی علم رکھتی ہیں کہ لاس اینجلس ٹائمز کی اس شر انگیز خبر پر ہتک عزت کا مقدمہ دائر کر سکتی ہیں لیکن مجبور ہیں کہ زادِ راہ میں جو کچھ تھا وہ ڈاکٹر عافیہ صدیقی کے کیس کی نذر ہو رہا ہے۔ ڈاکٹر عافیہ صدیقی پانچ سال پہلے کراچی سے اغوا ہوئی تھیں جن کی موجودگی کا انکشاف ایک برطانوی صحافی خاتون نے 5 سال بعد افغانستان کی ایک جیل میں کیا۔ حقوق انسانی کی ایک تنظیم نے لاپتہ پاکستانی ڈاکٹر عافیہ صدیقی کی افغانستان کے ایک امریکی فوجی مرکز میں ممکنہ موجودگی کی تحقیقات کرنے کے لیے اقوام متحدہ سے اپیل کی۔ ایشیائی ہیومن رائٹس کمیشن نے خدشہ ظاہر کیا کہ پانچ سال قبل اپنے بچوں سمیت کراچی سے لاپتہ ہونے والی ڈاکٹر عافیہ صدیقی، جنہوں نے امریکہ میں تربیت حاصل کی تھی، بگرام میں واقع امریکی جیل میں قید ہیں اور وہاں واحد خاتون قیدی ہونے کی وجہ سے اذیت ناک زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔



ڈاکٹر عافیہ امریکی تحقیقاتی اداروں کو مطلوب تھیں، اور ان پر القاعدہ کا رکن ہونے اور امریکہ پر دہشت گردانہ حملوں کی منصوبہ بندی کا الزام ہے۔ گمشدگی کے فوراً بعد امریکی اور پاکستانی خفیہ اداروں نے ان کی گرفتاری کی تصدیق کی تھی تاہم بعد میں ڈاکٹر عافیہ کے بارے میں سرکاری سطح پر لاعلمی کا اظہار کیا جاتا رہا ہے۔ مختلف ذرائع سے حاصل ہونے والی اطلاعات کی بنیاد پر حقوق انسانی کی تنظیم نے قید خانے میں ڈاکٹر عافیہ کے شب و روز کی ہولناک تصویر کشی کی۔ اقوام متحدہ کے ورکنگ گروپ، اور لاپتہ افراد اور خواتین کے خلاف تشدد کے حوالے سے قائم دیگر بین الاقوامی اداروں کو بھیجی جانے والی یادداشت میں دعویٰ کیا گیا کہ اس بات کے کافی شواہد ملے ہیں کہ بگرام جیل کی قیدی نمبر 650 ڈاکٹر عافیہ ہی ہیں۔ جیل انتظامیہ بگرام جیل میں کسی خاتون قیدی کی موجودگی کی تردید کر چکی تھی تاہم اپنی رپورٹ میں اپنے ذرائع کے حوالے سے الزام لگایا گیا کہ بگرام ایئر

بیس میں ڈاکٹر عافیہ پر اس قدر تشدد کیا گیا ہے کہ وہ ذہنی توازن کھو چکی ہیں۔

رپورٹ میں برطانوی رکن پارلیمنٹ لارڈ نذیر احمد کے حوالے سے کہا گیا کہ اس خاتون کو جیل کے عملے کی جانب سے مسلسل جنسی زیادتی کا شکار بنایا جاتا ہے، اور قیدی نمبر 650 کے نام سے مشہور اس خاتون کو نہانے اور دیگر ضروریات کے لیے مردانہ غسل خانہ استعمال کرنا پڑتا ہے جس میں پردے کا کوئی بندوبست نہیں ہے۔ رپورٹ میں ایک برطانوی صحافی وون ریڈلے کا حوالہ بھی دیا گیا جس نے اس خاتون کو ''جیل میں قید ایک بھوت'' سے تشبیہ دی جس کی کوئی شناخت نہیں لیکن اس کی چیخیں ان لوگوں کا پیچھا کرتی رہتی ہیں جو انہیں ایک بار سننے کا تجربہ کر چکے ہوں۔ ایشیائی ہیومن رائٹس کمیشن نے اقوام متحدہ اور حقوق انسانی کی دیگر تنظیموں سے مطالبہ کیا کہ وہ بگرام جیل کی قیدی نمبر چھ سو پچاس کی شناخت اور حالات کو منظر عام پر لانے کے لیے مداخلت کریں۔ ڈاکٹر عافیہ صدیقی کی بگرام بیس پر موجودگی اور ان کے ساتھ انسان نما درندوں کے بھیانک سلوک کا نوٹس ایمنسٹی انٹرنیشنل نے لیا۔ پاکستان میں چونکہ سینکڑوں افراد لاپتہ ہیں اس لیے ایمنسٹی انٹرنیشنل نے پاکستان کی نئی حکومت سے کہا کہ ان سینکڑوں افراد کے بارے معلومات فراہم کی جائیں جو دہشت گردی کے خلاف جنگ کے سلسلے میں لاپتہ ہو گئے ہیں۔ ایمنسٹی نے کہا کہ یا تو ان کو رہا کیا جائے ورنہ ان کو باضابطہ سرکاری قید خانوں میں منتقل کیا جائے۔ ایمنسٹی نے پچاس صفحے کی اپنی رپورٹ میں کئی ایسے افراد کی تفصیلات بتائی جن کو زبردستی لے جایا گیا اور اس کے بعد سے ان کا کوئی اتہ پتہ نہیں ہے۔ ایمنسٹی نے یہ بھی کہا کہ پاکستان میں معزول ججوں کو بحال کیا جائے۔ اس ادارے کی ایشیا پیسفک شاخ کے ڈائریکٹر وسیم ظریفی نے کہا کہ وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی کا اصرار ہے کہ ان کی مخلوط حکومت حقوق انسانی کا پاس کرے گی۔ اس لیے ہمارا اصرار ہے کہ ان زبردستی کی گمشدگیوں کا معاملہ جلد از جلد حل کریں۔ ایمنسٹی کی رپورٹ کے مطابق لاپتہ افراد کی تنظیم ڈیفنس آف ہیومین رائٹس اس وقت پانچ سو تریسٹھ غائب افراد کے لواحقین کی نمائندگی کر رہی ہے۔ گزشتہ برس یکم نومبر کے بعد سے لاپتہ افراد کی بازیابی کے لیے سپریم کورٹ میں کوئی سماعت نہیں ہوئی اور یوں یہ مسئلہ بھی ججوں کی بحالی کے معاملے کے ساتھ خود بخود ختم ہو گیا۔

ڈیفنس آف ہیومین رائٹس کے مطابق تین نومبر کو ججوں کی برطرفی کے بعد سے اب تک لاپتہ افراد کے ساٹھ نئے کیس سامنے آئے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ تعداد صوبہ بلوچستان سے ہے۔ ہیومین رائٹس کمیشن آف پاکستان کے مطابق بلوچستان میں چھ سو کے لگ بھگ لوگ لاپتہ ہیں۔ بلوچ تنظیمیں لاپتہ افراد کی تعداد ہزاروں میں بتاتی ہیں۔ جبکہ بلوچستان کے موجودہ وزیر اعلیٰ نواب اسلم رئیسانی ان افراد کی تعداد نو سو سے زائد کہتے ہیں۔ ایمنسٹی کے مطابق اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی نے دسمبر 2006ء میں شہریوں کو جبری طور پر غائب کرنے کے خلاف جو کنونشن منظور کیا اس پر بہتر ممالک دستخط کر چکے ہیں اور چار ممالک نے توثیق کر دی ہے۔ پاکستان نے تاحال اس کنونشن کو تسلیم نہیں کیا۔ اس کے باوجود صدر پرویز مشرف متعدد مرتبہ ایمنسٹی کی رپورٹوں کو پوری طرح مسترد کر چکے ہیں۔ گزشتہ برس مارچ میں پاکستانی صدر نے اس بات کو بے بنیاد قرار دے کر مسترد کر دیا کہ سینکڑوں لاپتہ افراد انٹیلی جینس ایجنسیوں کی تحویل میں ہیں۔ بقول صدر مشرف انہیں یقین ہے کہ یہ افراد شدت پسند تنظیموں کے کنٹرول میں ہیں۔ جہاں تک لاپتہ افراد کے معاملے میں نئی حکومت کی دلچسپی کا سوال ہے تو ایمنسٹی کی رپورٹ میں کہا گیا کہ مشیرِ داخلہ رحمان ملک نے حکومت کی تشکیل کے فوراً بعد کہا کہ لاپتہ افراد کے بارے میں تفصیلات جمع کی جا رہی ہیں۔ وزیرِ قانون فاروق نائیک نے بھی اسی طرح کی یقین

دہانی کراتے ہوئے وعدہ کیا کہ لاپتہ افراد جلد رہا ہو جائیں گے۔ جبکہ بلوچستان کے نومنتخب وزیرِ اعلیٰ اسلم رئیسانی نے بھی یقین دلایا کہ لاپتہ افراد کی بازیابی ان کی حکومت کی ترجیحات میں شامل ہے۔ اس سال مئی میں نئی حکومت نے بلوچستان میں حالات کو معمول پر لانے کے لئے لاپتہ افراد کی بازیابی کے لئے ایک کمیشن کے قیام کا اعلان کیا۔ تاہم آج تک اس کمیشن کے ارکان، اختیارات اور تحقیقاتی دائرہ کار کا اعلان نہیں کیا گیا۔ اسی دوران وزارتِ داخلہ نے لاپتہ افراد کے لواحقین اور ارکانِ پارلیمان پر مشتمل ایک تحقیقاتی کمیٹی قائم کی۔ تاحال اس کمیٹی کے بھی صرف دو اجلاس ہوئے ہیں اور یہ بھی واضح نہیں کہ اس کمیٹی کا دائرہ کار کیا ہے۔

رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ چشم دید گواہوں اور بازیاب افراد کے بیانات کی روشنی میں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ لاپتہ افراد میں بچے بھی شامل ہیں، اور ایجنسیاں ان بچوں کو اپنے عزیزوں کے خلاف گواہی دینے پر بھی مجبور کرتی ہیں۔ رپورٹ میں ایک دس سالہ بچے عبداللہ کا تذکرہ ہے جسے سولہ مئی دو ہزار چھ کو اس کے والد مفتی منیر شاکر کے ہمراہ کراچی ایئرپورٹ سے گرفتار کیا گیا۔ عبداللہ نے رہائی کے بعد بتایا کہ اس کے ساتھ دورانِ حراست بدسلوکی کی گئی تاکہ وہ یہ اعتراف کرے کہ اس کے باپ کا تعلق القاعدہ سے ہے۔ انکار کے بعد اسے پندرہ دن تک ایک علیحدہ سیل میں رکھا گیا۔ عبداللہ کو رہائی کی پیش کش کی گئی لیکن اس نے باپ کے بغیر رہا ہونے سے انکار کر دیا۔ بالآخر عبداللہ کو اٹھاون روز کی قید کے بعد پشاور میں یہ کہہ کر ایک جگہ چھوڑ دیا گیا کہ اس کے باپ کو بھی پندرہ دن میں رہا کر دیا جائے گا۔ عبداللہ کے والد مفتی شاکر کو کئی ماہ بعد اگست 2007ء میں رہا کیا گیا۔ اسی طرح ایک نو سالہ لڑکے اسد عثمان کو گزشتہ سال اپریل میں سپریم کورٹ کی مداخلت پر رہا کیا گیا۔ اسے فرنٹیئر کانسٹیبلری نے پکڑ کر تربت میں ایک جگہ رکھا تھا، اور اس وقت کی وفاقی وزیر زبیدہ جلال کا یہ بیان ریکارڈ پر ہے کہ اسد کو اس وقت رہا کر دیا جائے گا جب اس کا مطلوب بڑا بھائی خود کو پیش کر دے گا۔ ایمنسٹی کی رپورٹ میں دسمبر 2006ء میں سپریم کورٹ کے روبرو بازیاب ہونے والے دس لاپتہ افراد کے بیاناتِ حلفی کی روشنی میں بتایا گیا ہے کہ ان لوگوں کو آئی ایس آئی، ملٹری انٹیلی جینس اور فیلڈ انویسٹی گیشن یونٹ نے پشاور، لاہور نوشہرہ، اٹک فورٹ کے علاوہ اسلام آباد کے سیکٹر آئی نائن کے سیل نمبر بیس اور قاسم مارکیٹ کے قریب ایف آئی اے کے مرکز، راولپنڈی کے علاقے فیض آباد، چکلالہ سکیم تھری، ایئرپورٹ کے نزدیک پانچ سو ایک نامی ورکشاپ، آئی ایس آئی کے حمزہ کیمپ، گیریژن، اور پنڈی کینٹ سمیت ملک کے مختلف حصوں میں رکھا گیا۔

رپورٹ کے مطابق ایجنسیاں ان افراد کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتی رہتی ہیں اور حتمی طور پر یہ کہنا مشکل ہے کہ ان ایجنسیوں کے کتنے خفیہ یا اعلانیہ نظر بندی اور پوچھ گچھ مراکز پورے ملک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ رپورٹ کے مطابق انٹیلی جینس ایجنسیاں اکثر و بیشتر لاپتہ افراد کے لواحقین پر عدالت سے رجوع نہ کرنے اور اخباری بیانات سے پرہیز کرنے کے لئے دباؤ ڈالتی ہیں۔ کبھی انہیں یقین دہانی کرائی جاتی ہے کہ چپ رہنے کی صورت میں ان کے عزیز جلد سامنے آجائیں گے اور کبھی سنگین نتائج اور لاپتہ فرد کے دیگر عزیزوں کو اٹھانے کی دھمکیاں ملتی ہیں۔

ایمنسٹی کا کہنا تھا کہ لاپتہ افراد کی بازیابی میں ایک بنیادی مشکل یہ ہے کہ انٹیلی جنس ایجنسیوں کی جوابدہی اور ان پر کنٹرول کا نظام غیر واضح اور مبہم رکھا گیا ہے۔ سندھ ہائی کورٹ میں جولائی دو ہزار چھ میں حبسِ بے جا کی ایک درخواست کی سماعت کے دوران سیکرٹری دفاع نے عدالت کو بتایا کہ آئی ایس آئی اور ملٹری انٹیلی جینس پر وزارتِ دفاع کا انتظامی کنٹرول تو ہے لیکن آپریشنل کنٹرول نہیں ہے۔ لہٰذا ان ایجنسیوں سے

عدالتی احکامات کی تعمیل نہیں کروائی جاسکتی۔

ایمنسٹی کی رپورٹ میں عدالتی طریق کار پر بھی تنقید کی گئی ہے۔ رپورٹ کے مطابق ہائی کورٹس ریاستی وکلاء کی جانب سے کسی شخص کی نظر بندی سے لاعلمی یا انکار کی صورت میں مزید جرح کے بغیر اکثر حبسِ بے جا کی درخواستیں خارج کر دیتی ہیں۔ اسی طرح سپریم کورٹ لاپتہ افراد کی بازیابی کے بعد یہ جاننے کے لئے بہت کم دلچسپی کا مظاہرہ کرتی ہے کہ مذکورہ شخص کس ادارے کی تحویل میں تھا اور اس ادارے کی جوابدہی کیسے ہو۔ اس کے علاوہ گمشدگی کے مقدمات کی سماعت طویل عرصے کے لئے ملتوی کر دی جاتی ہے، اور یوں گمشدہ فرد اور اس کے عزیزوں کی تکالیف کا دائرہ بڑھ جاتا ہے۔

ایمنسٹی نے اپنی رپورٹ میں مطالبہ کیا ہے کہ لاپتہ افراد کو یا تو فوری طور پر منظر عام پر لایا جائے یا ان پر باقاعدہ فردِ جرم عائد کی جائے لیکن اس نوعیت کی رپورٹیں اس ملک کیلئے کیا اہمیت رکھتی ہیں جس کے صدر نے اپنی آپ بیتی میں بڑے فخر سے یہ بات کہی ہو کہ انہوں نے کئی پاکستانی شہری پکڑ کر امریکہ کے حوالے کئے اور ان کے بدلے امریکن حکومت سے ڈالروں کی صورت میں انعام بھی وصول کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ساؤتھ ایشین ہیومن رائٹس کمیشن نے جنرل مشرف، سابق وزیر اعلیٰ سندھ ڈاکٹر ارباب غلام رحیم، گورنر سندھ ڈاکٹر عشرت العباد اور اس دور کے وزیر داخلہ فیصل صالح حیات پر ڈاکٹر عافیہ صدیقی کے اغوا کے الزام میں مقدمہ چلانے کا مطالبہ بھی کیا ہے۔

اس رپورٹ کے منظر عام پر آنے کے بعد 28 جولائی کو حبس بے جا کی درخواست دائر کی گئی اور اسلام آباد ہائی کورٹ کے چیف جسٹس سردار محمد اسلم نے پانچ سال قبل کراچی سے لاپتہ ہونے والی ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو، جو امریکہ سے لوٹ کر پاکستان آئی تھیں، حبس بے جا میں رکھنے کی درخواست سماعت کے لیے منظور کر لی لیکن عدالت نے جوہری سائنسدان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو عدالتی حکم کے باوجود رشتہ داروں اور دوستوں سے ملاقات کے لئے سہولیات فراہم نہ کرنے پر سیکرٹری داخلہ سمیت دیگر سرکاری افسران کے خلاف توہین عدالت کی کارروائی کی درخواست مسترد کر دی۔ یہ دونوں درخواستیں بیرسٹر اقبال جعفری نے دائر کی تھیں۔ ڈاکٹر عافیہ کے معاملے میں بیرسٹر جعفری نے سیکرٹری داخلہ کمال شاہ کے توسط سے پاکستان کے انٹیلی جنس اداروں کو اور امریکی سفارتخانے کے قانونی مشیر کے ذریعے امریکی انٹیلی جنس اداروں کو فریق بنایا۔

درخواست میں انسانی حقوق کی تنظیم ایشین ہیومن رائٹس کونسل کی ایک رپورٹ کا حوالہ دیا گیا جس کے مطابق ڈاکٹر عافیہ کو پاکستانی اور امریکی انٹیلی جنس ایجنسیوں نے گرفتار کرنے کا اعتراف کیا تھا لیکن بعد میں اس سے لاتعلقی ظاہر کر دی گئی تھی۔ ڈاکٹر عافیہ اپنے تین نوعمر بچوں کے ہمراہ کراچی سے پانچ برس قبل لاپتہ ہو گئی تھیں۔ ان پر القاعدہ کی مدد کرنے کا الزام ہے اور پوچھ گچھ کے لیے وہ امریکی تفتیشی ایجنسی ایف بی آئی کو مطلوب ہیں۔ انسانی حقوق کی ایشیائی تنظیم نے خیال ظاہر کیا کہ ڈاکٹر عافیہ کو افغانستان میں بگرام کے مقام پر قائم امریکی جیل میں قید رکھا گیا ہے جہاں وہ قیدی نمبر 650 کے نام سے مشہور ہیں۔ عدالت نے اپنے مختصر فیصلے میں کہا کہ پٹیشنر افتخار حسین کا اس مقدمے سے کوئی تعلق نہیں ہے، اور وہ اس مقدمے کے بارے میں کسی اعتراض کے مجاز نہیں ہیں۔ عدالت نے کہا کہ درخواست میں صدر مملکت کو بھی فریق بنانے کی درخواست کی گئی ہے جبکہ آئین کی دفعہ 246 کے تحت ایسا ممکن نہیں ہے۔ اسلام آباد ہائیکورٹ نے لاپتہ ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو حبس بے جا میں رکھنے کے الزامات پر

وزارت داخلہ سے جواب طلب کرلیا اور 29 جولائی کو وزارت داخلہ کو نوٹس جاری کردیا۔ وزارت کے سیکرٹری سید کمال شاہ کو بھیجے گئے ایک نوٹس میں چیف جسٹس سردار محمد اسلم پر مشتمل عدالت نے ان سے کہا کہ وہ بیرسٹر اقبال جعفری کی جانب سے لگائے گئے الزامات کا جواب دیں جن میں کہا گیا ہے کہ ڈاکٹر عافیہ صدیقی پاکستانی اور امریکی خفیہ اداروں کی تحویل میں ہیں۔ عدالت نے بیرسٹر اقبال جعفری کی جانب سے دائر کی گئی درخواست پر ابتدائی سماعت کے بعد عدالت کی کارروائی نو ستمبر تک ملتوی کردی اور اس دوران سیکرٹری داخلہ سے کہا گیا وہ پٹیشنر کی جانب سے اٹھائے گئے نکات کے جواب دو ستمبر تک عدالت میں جمع کروائیں۔ ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو حبس بے جا میں رکھنے کی درخواست میں بیرسٹر اقبال جعفری نے سیکرٹری داخلہ کمال شاہ کے توسط سے پاکستان کے انٹیلی جنس اداروں کو امریکی سفارتخانے کے قانونی مشیر کے ذریعے امریکی انٹیلی جنس اداروں کو فریق بنایا تھا۔ درخواست میں ایشین ہیومن رائٹس کونسل کی ایک رپورٹ کا حوالہ دیا گیا، جس کے مطابق ڈاکٹر عافیہ کو پاکستانی اور امریکی انٹیلی جنس ایجنسیوں نے گرفتار کرنے کا اعتراف کیا تھا لیکن بعد میں اس سے لاتعلقی ظاہر کردی گئی تھی۔

ان رپورٹوں کی اشاعت اور بیرسٹر اقبال جعفری کی طرف سے عدالت عالیہ کے دروازے پر دستک دینے سے بہر حال ایک فائدہ ضرور ہوا کہ سول سوسائٹی بیدار ہوگئی اور ڈاکٹر عافیہ صدیقی کی رہائی کا مطالبہ زور پکڑنے لگا۔ ملک کے مختلف شہروں میں احتجاجی جلوس نکلے۔ کراچی میں جماعت اسلامی کی خواتین کی طرف سے بڑا مظاہرہ کیا گیا۔ 5 اگست کو پاکستان کی اس مظلوم ومقہور بیٹی کی بہن ڈاکٹر فوزیہ صدیقی نے رندھے ہوئے گلے اور آنسو بھری آنکھوں کے ساتھ پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر عافیہ صدیقی کی بہن نے کہا کہ ڈاکٹر عافیہ کی گرفتاری کے وقت ان کے ساتھ ایک بچہ بھی موجود تھا اور وہ بچہ عافیہ کا بیٹا ہوسکتا ہے جسے رہا کیا جائے۔ انہوں نے امریکی حکام کی جانب سے ڈاکٹر عافیہ صدیقی کے خلاف جاری کردہ چارج شیٹ کی نقلیں صحافیوں میں بانٹیں۔ اس چارج شیٹ میں بتایا گیا کہ ڈاکٹر عافیہ کی گرفتاری کے وقت ان کے ساتھ ایک بچہ بھی موجود تھا۔ چارج شیٹ میں کہا گیا کہ ڈاکٹر عافیہ کو غزنی میں گورنر کی رہائش گاہ کے احاطے سے افغان پولیس نے گرفتار کیا تھا۔ ان کے ساتھ ایک نوعمر لڑکا بھی تھا تاہم اس میں یہ نہیں واضح کیا گیا کہ وہ لڑکا بھی امریکی تحویل میں ہے یا نہیں۔

اسلام آباد میں پاکستانی دفتر خارجہ نے کہا کہ وہ ڈاکٹر عافیہ صدیقی کے بارے میں امریکی حکام سے رابطے میں ہے، اور سفارتخانے کے ذریعے ان تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ دفتر خارجہ کا مختصر بیان امریکہ میں ڈاکٹر عافیہ کی موجودگی کی خبر سامنے آنے کے بعد اور ان کے اہل خانہ کی جانب سے کراچی میں کی جانے والی پریس کانفرنس کے بعد جاری کیا گیا۔ ڈاکٹر فوزیہ صدیقی نے پاکستانی شہریوں اور مسلمانوں سے اپیل کی کہ ان کی بہن بے قصور ہیں اور انہوں نے کوئی جرم نہیں کیا ہے۔ ان کے ساتھ جو ظلم ہوا ہے اسے انسانیت سوز قرار دے کر اس کے خلاف آواز اٹھائی جائے۔ پاکستان اور امریکہ میں ڈاکٹر عافیہ صدیقی کی گمشدگی کے بارے میں عدالتوں، سینٹ، صدر اور وزیراعظم سے درخواست کی گئیں جو کارگر ثابت نہیں ہوسکیں۔ ڈاکٹر فوزیہ نے بتایا پاکستان میں میڈیا کا دباؤ بڑھنے کے بعد ان کے خاندان کو یہ اطلاع ملی کہ عافیہ کو افغانستان میں گرفتار کیا گیا ہے۔ یکم اگست کو ایف بی آئی کے ایجنٹ نے تصدیق کی کہ ڈاکٹر عافیہ زخمی ہیں اور امریکی حراست میں ہیں۔ پانچ سال کی گمشدگی کے بعد اس کی گرفتاری نا قابل یقین ہے۔

امریکہ میں ملازمت کرنے والی ڈاکٹر فوزیہ صدیقی کا کہنا تھا کہ اب میں نے خاموشی توڑ دی ہے تاکہ آپ لوگوں کو حقائق سے آگاہ کر سکوں۔ یہ بین الاقوامی قانون ہے کہ ہر وہ شخص بے قصور ہے جس پر کوئی جرم ثابت نہیں ہو جاتا۔ انہوں نے واضح کیا کہ عافیہ کسی جرم میں شریک نہیں رہی ہیں۔ ایف بی آئی کی ویب سائٹ پر پانچ سال تک یہ درج رہا ہے کہ عافیہ سے کچھ سوالات کے جوابات مطلوب ہیں۔ ان پر کسی تخریب کاری میں ملوث ہونے کا الزام نہیں تھا۔ انہوں نے بتایا کہ ڈاکٹر عافیہ کی گمشدگی کے بعد 2003ء میں ان کی والدہ عصمت صدیقی نے ہیوسٹن اور بوسٹن میں ایف بی آئی اے حکام سے ملاقات کی۔ انہوں نے میری والدہ کو یقین دہانی کرائی تھی کہ عافیہ زندہ ہیں۔ اسی طرح اسسٹنٹ اٹارنی نے ملاقات میں کہا تھا کہ عافیہ پر دہشت گردی کا الزام نہیں عائد کیا جا رہا ہے۔ ڈاکٹر فوزیہ کا کہنا تھا کہ عافیہ صدیقی نیورو بائلا جسٹ نہیں ہیں۔ ان کی مہارت اس میں تھی کہ کمزور ذہنی بچوں کی قوت یادداشت کیسے بڑھائی جائے۔ اس کا کیمسٹری، اور کیمیائی ہتھیاروں سے کوئی لینا دینا نہیں تھا۔ انہوں نے ایف بی آئی کے الزامات کو بھی رد کیا اور کہا کہ ڈاکٹر عافیہ نے لائبیریا میں ہیروں جواہرات کی کوئی ڈیل نہیں کی۔ جولائی 2001ء میں وہ بوسٹن میں بچوں کے ایک پروگرام اور شہر کو صاف کرنے کی مہم میں مصروف تھیں ان دنوں میں ان کی موجودگی لائبیریا میں ظاہر کی جا رہی ہے۔ انہوں نے میڈیا سے درخواست کی کہ ان کا موقف بھی سامنے لایا جائے۔ انہوں نے مزید کہا 'اگر امریکہ کہتا ہے کہ عافیہ تخریب کار ہیں اور اس کے تخریب کاروں سے تعلقات ہیں تو اسے ایڈٹ کر دیا جائے جب تک کہ وہ خود اس کے شواہد نہیں دیکھ لیتے۔ وہ عافیہ کے بارے میں پانچ سال میں کچھ ثابت نہیں کر سکے اور یہ اس کی بے گناہی کا ثبوت ہے۔ ڈاکٹر فوزیہ صدیقی کا کہنا تھا کہ عافیہ کو اپنے ملک واپس لایا جائے جہاں سے اسے گرفتار کیا گیا۔ وہ پاکستانی شہری ہیں اور یہ پاکستانیوں اور مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس معاملے پر اٹھ کھڑے ہوں۔ اس موقع پر موجود انسانی حقوق کمیشن کے رہنما اقبال حیدر نے کہا کہ پانچ سال کے بعد ڈاکٹر عافیہ کی گرفتاری ظاہر کی گئی ہے۔ امریکہ خود دہشت گردی کو فروغ دے رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر عافیہ کی رہائی کے لیے انسانی حقوق کمیشن کی جانب سے مہم چلائی جائے گی۔

ڈاکٹر عافیہ کی گرفتاری' ان کا مسلسل پانچ سال تک غائب رہنا اور اچانک ایف بی آئی کی طرف سے یہ اقرار کہ وہ ان کے پاس موجود ہیں' طلسم ہوشربا کی کہانی معلوم ہوتا ہے۔ ڈاکٹر فوزیہ کی گرفتاری کا غلغلہ پانچ سال سے برپا ہے۔ دنیا کا بچہ بچہ اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ انہیں پاکستان سے اغوا کیا گیا تھا، لیکن ایف بی آئی نے حیرت انگیز طور پر ان کی گرفتاری افغانستان کے صوبہ غزنی سے ظاہر کی جس کا علم ان کو عدالت میں پیش کرنے پر ہوا۔ 6 اگست کو پانچ برس سے لاپتہ پاکستانی ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو ایک امریکی عدالت کے سامنے پیش کیا گیا جہاں انہوں نے اپنے خلاف لگائے گئے الزامات سے انکار کیا۔ ڈاکٹر عافیہ کو منگل کو نیویارک کی عدالت میں پیش کیا گیا اور ان کے خلاف لگائے الزامات انہیں سنائے گئے۔ عدالت میں ڈاکٹر عافیہ بہت نحیف نظر آ رہی تھیں۔ انہوں نے اپنے خلاف لگائے گئے الزامات سے انکار کیا۔ ڈاکٹر عافیہ کی وکیل ایلان واٹکفیلڈ شارپ نے کہا کہ انکی موکل گولی لگنے کی وجہ سے شدید تکلیف میں ہیں۔ وکیل نے ڈاکٹر عافیہ پر لگائے الزامات کو مسترد کرتے ہوئے کہا کہ یہ "ناقابل یقین کہانی" ہے اور اس کہانی کو ثابت کرنے کیلئے کوئی شواہد سامنے نہیں لائے گئے۔ ڈاکٹر عافیہ کے مقدمے کی باقاعدہ سماعت 19 اگست کو ہوگی۔ ڈاکٹر عافیہ پر مضحکہ خیز الزامات لگائے گئے ہیں۔ ڈاکٹر عافیہ صدیقی پر الزام ہے کہ انہوں نے امریکی فوجیوں اور اہلکاروں پر حملہ کیا ہے۔

نیویارک میں ایف بی آئی اور نیویارک کے پولیس کمشنر ریمنڈ کیلی کی طرف سے جاری کیے جانے والے ایک بیان میں کہا گیا ہے کہ ڈاکٹر عافیہ کو ایک ماہ قبل افغانستان میں غزنی کے صوبے سے گرفتار کیا گیا تھا۔ ڈاکٹر عافیہ پر الزام ہے کہ انہوں نے 18 جولائی کو ایف بی آئی اور امریکی فوجیوں کی ایک تفتیشی ٹیم پر ایک فوجی کی بندوق چھین کر فائرنگ کر دی تھی۔ اس ٹیم میں شامل ایک امریکی فوجی کی جوابی فائرنگ اور اس کے بعد کشمکش میں ڈاکٹر عافیہ زخمی ہو گئی تھیں۔ اس بیان کے مطابق ڈاکٹر عافیہ ایف بی آئی کو کافی عرصے سے دہشت گردی کے الزامات میں مطلوب تھیں۔ اس بیان میں دی گئی تفصیلات کے مطابق ڈاکٹر عافیہ کو غزنی میں گورنر کی رہائش گاہ کے احاطے سے افغان پولیس نے گرفتار کیا تھا۔ امریکی حکام کے مطابق افغان پولیس کو شیشے کے مرتبانوں اور بوتلوں میں سے کچھ دستاویزات ملی تھیں جن میں بم بنانے کے طریقے درج تھے۔ اس بیان میں کہا گیا ڈاکٹر عافیہ ایک کمرے میں بند تھیں۔ جب ان سے تفتیش کے لیے ایف بی آئی اور امریکی فوجیوں کی ایک ٹیم پہنچی تو انہوں نے پردے کے پیچھے سے ان پر دو گولیاں چلائیں لیکن وہ کسی کو نشانہ نہ بنا سکیں۔

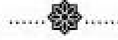
عافیہ صدیقی کی والدہ عصمت صدیقی کا کہنا ہے کہ ان کی بیٹی کا وزن 90 پاؤنڈ ہے اور جس رائفل ایم فور کا تذکرہ کیا جا رہا ہے وہ عافیہ صدیقی اٹھا ہی نہیں سکتیں۔ اس کا جھٹکا ہی اتنا شدید ہوتا ہے کہ فائر کرنے والا اگر اناڑی ہو تو اس کا نشانہ بن جائے۔

عافیہ صدیقی پر الزامات کی نوعیت کیا ہے؟ ان میں کتنی سچائی ہے؟ ان سوالوں کے جوابات دنیا کے ہر ذی شعور شخص کو معلوم ہیں۔ ان کی وکیل نے پریس کانفرنس میں ان الزامات کو مضحکہ خیز قرار دیا۔ انہوں نے ان الزامات کو تمسخر آمیز قرار دیا جبکہ ایمنسٹی انٹرنیشنل نے الزامات کی حقیقت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ مقدمے کی سماعت کے دوران امریکی جج نے کہا کہ ''اتنے عرصے میں کوئی شخص برونکس سے مین ہٹن (نیویارک کے دو مقامات) نہیں پہنچ پاتا جتنے وقت میں آپ مدعا علیہ کو افغانستان سے نیویارک لے آئے ہیں۔ گزشتہ پانچ برسوں سے لاپتہ ڈاکٹر عافیہ کو نیویارک کی عدالت یونائیٹڈ سٹیٹس کورٹ سدرن ڈسٹرکٹ میں پیش کیا گیا۔ عافیہ صدیقی کی کسی امریکی عدالت میں یہ پہلی پیشی تھی۔ بی بی سی کی ایک رپورٹ کے مطابق جب عدالتی کارروائی شروع ہوئی۔ مدعا علیان آتے رہے، پیش کیے جاتے رہے۔ اتنے میں ایک خاتون عدالت میں داخل ہوتی ہیں جن کے ہاتھ میں فائل تھی جس پر عافیہ صدیقی لکھا ہوا تھا۔ اسی دوران ایف بی آئی اور پولیس والے عافیہ صدیقی کو کمرہ عدالت میں لائے۔ ایسے نظر آ رہا تھا کہ ایک ہڈیوں کی گٹھڑی بنی عورت، لاغر اور کمزور اس کی دونوں وکیل اسے سہارا دے کر کرسی پر بٹھانے لگیں۔ سر پر سرخ رنگ کا سکارف یا حجاب، نیلے رنگ کی قمیص اور لمبے سکرٹ میں ملبوس عافیہ صدیقی کو کرسی پر بیٹھنے میں کچھ منٹ لگ گئے۔ ان کی وکیل نے کہا کہ ان کی موکل پاکستانی قونصلر سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی ہیں۔ جب عدالت کی کارروائی شروع ہوتی ہے۔ تو جج نے کہا عافیہ صدیقی کھڑی ہو جائیں۔ عافیہ صدیقی کی وکیل الزبتھ فنک نے عدالت کو بتایا کہ ڈاکٹر عافیہ کھڑی نہیں ہو سکتیں۔ وہ زخمی ہیں۔ عافیہ کی دوسری وکیل ایلین وٹفیلڈ شارپ بھی موجود تھی۔ جج نے عافیہ صدیقی سے پوچھا 'کیا تم جانتی ہو کہ حکومتِ امریکہ نے ایک کرمنل کمپلینٹ میں تم پر کیا الزام لگایا ہے۔ 'یس' عافیہ صدیقی نے نحیف آواز میں جواب دیا۔ جج نے ایف بی آئی کی طرف سے عافیہ صدیقی کے خلاف داخل کردہ فوجداری مقدمے کی تفصیلات پڑھ کر سنائیں۔ عافیہ صدیقی کی وکیل الزبتھ فنک نے عدالت سے سوال کیا کہ کیا عدالت سمجھتی ہے یہ نوے پاؤنڈ کی عورت ایم فور رائفل امریکی فوجی کے بوٹوں کے بیچ سے اٹھا کر ان پر فائر کر سکتی

ہے، اور یہ بڑی مضحکہ خیز تہمت ہے۔ وکیل نے کہا کہ عافیہ صدیقی کے بارے میں جو کچھ کہا جا رہا ہے وہ سب کچھ سنی سنائی باتوں پر مبنی ہے۔ وکیل الزبتھ نے جج سے مخاطب ہو کر کہا کہ اس ایجنٹ نے بھی انہی باتوں کی بنیاد پر مدعا علیہ کے خلاف نیویارک میں بیٹھ کر کیس بنایا ہے۔ پانچ ہزار میلوں پرے جو افغانستان میں ہے اسے بیٹھ کر اس ایجنٹ نے نیویارک میں کیسے دیکھا؟ وکیل الزبتھ نے کہا کہ انہوں نے منگل کے روز پہلی بار عافیہ صدیقی کو دیکھا ہے اور عافیہ صدیقی اتنے برسوں بعد غیر حکومتی آدمی سے پہلی بار مل رہی ہے اور یہ سب سے بڑی انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہے۔ بہرحال وکیل الزبتھ نے کہا کہ بتایا جاتا ہے کہ خالد شیخ محمد نے اپنی تفتیش کے دوران عافیہ صدیقی کا نام لیا تھا جبکہ اس سے قبل بائیو ٹیررزم یا حیاتیاتی دہشتگردی میں اس کا کوئی تعلق نہیں رہا۔ اس موقع پر عافیہ صدیقی کی وکیل نے میڈیا کو بتایا کہ پاکستانی حکومت نے امریکی محکمہ خارجہ سے عافیہ صدیقی کو آزاد کرنے اور اس سے ملنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔ دریں اثناء ثناء نیوز کے مطابق کراچی میں ڈاکٹر عافیہ کے اہل خانہ سے ملاقات کے دوران ہیومن رائٹس نیٹ ورک (کراچی) کے صدر انتخاب عالم سوری نے کہا کہ امریکی حکام کی جانب سے ڈاکٹر عافیہ کے 3 میں سے ایک ڈکلیئر کیے گئے معصوم بچے کو فوری طور پر پاکستان میں اہل خانہ کے حوالے کیا جائے۔ انتہائی کمزور اور لاغر خاتون پر الزام کی کوئی حیثیت نہیں۔ انسانیت سوز امریکی مظالم کے خلاف پاکستان اور عالمی رائے عامہ کی بیداری کے بعد امریکی انتظامیہ نے بوکھلا کر عافیہ کو نئے الزام کے ساتھ امریکہ منتقل کر دیا۔ بیرون ملک قید پاکستانیوں پر قائم مقدمات پاکستان میں ہی چلائے جائیں۔ اس دوران ڈاکٹر عافیہ کے اہل خانہ نے بتایا کہ گزشتہ 5 سال میں ڈاکٹر عافیہ پر ظلم و تشدد کی انتہا ہو چکی ہے اس دوران امریکی انتظامیہ اور ایف بی آئی نے نائیجیریا میں ہیروں کی خریداری سمیت متعدد سنگین الزامات لگائے جنہیں امریکہ ہی کی عدالتوں نے بے بنیاد قرار دیتے ہوئے مسترد کر دیا، اور اب 5 سال کے بعد بگرام سے واپس امریکہ لے جانے کے ساتھ ہی کمزور خاتون پر 5 سکیورٹی گارڈز سے 20 کلو کی رائفل چھین کر فائرنگ کرنے کا لغو اور احمقانہ الزام عائد کیا ہے۔ ڈاکٹر عافیہ کی والدہ عصمت صدیقی نے گفتگو کرتے ہوئے رندھی ہوئی آواز میں ملک کی تمام سرکردہ شخصیات سے اپیل کی کہ وہ ڈاکٹر عافیہ اور اس کے بچوں سمیت اور تمام اسیر پاکستانیوں کی رہائی اور ان کے مقدمات ان کے وطن ہی میں چلانے کے لیے آوازِ حق بلند کریں۔

ڈاکٹر عافیہ صدیقی کا جرم صرف یہ ہے کہ وہ ایک مسلمان پابند شریعت پردہ دار خاتون ہیں، جن کا سارا گھرانہ شعائر اسلام کی سختی سے پابندی کرتا ہے۔ انہیں اس جرم کی سزا دی جا رہی ہے۔ ان کی والدہ نے مجھے فون پر بتایا کہ ظالموں نے تشدد سے ڈاکٹر عافیہ صدیقی کے دانت توڑ دیئے ہیں۔ ان کی ناک کی ہڈی توڑ دی ہے، اور خدشہ ظاہر کیا کہ ان کے پیٹ میں گولی مارنے کے بعد مخصوص کیمیکل ان کے جسم میں داخل کیے گئے ہیں۔ ان کی طرف سے بتائے گئے ان انسانیت سوز مظالم کی تفصیل ناقابل بیان ہے، لیکن سی آئی اے سے متعلق دنیا بھر میں پھیلی کہانیوں، طبع شدہ کتابوں اور فلموں میں اس نوعیت کے مظالم معمول کی بات دکھائی دیتے ہیں۔ عالم انسانیت نے گوانتاناموبے اور عراق کے اذیت خانوں میں امریکیوں کے مظالم کی زندہ تصویریں بھی دیکھ لی ہیں۔ اپنے حکمرانوں کے اقدامات سے فرسٹریشن کا شکار امریکی فوجی بسا اوقات انسانیت کی سطح سے گر جاتے ہیں۔ اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا اور ڈاکٹر عافیہ صدیقی بھی اس کا شکار ہوئی ہیں۔ اب پاکستان کے غیور عوام کو فیصلہ کرنا ہے کہ وہ اپنی اس بیٹی کو زندہ درگور ہوتے دیکھیں گے یا پھر اپنا احتجاج ریکارڈ کروائیں گے، اور پاکستانی حکومت کیا صرف ڈاکٹر عافیہ صدیقی سے ملاقات کی

درخواستوں تک محدود رہے گی یا پھر دہشت گردی کے خلاف جنگ میں امریکہ کے شانہ بشانہ لڑنے والی حکومت کی حیثیت سے امریکی حکومت سے کہے گی کہ اگر ڈاکٹر عافیہ صدیقی نے "ان کے مطابق" کسی دہشت گرد سے فون پر بات کی تھی یا اس کا علاج کیا تھا تو اس جرم کی سزا وہ بھگت چکی ہیں' خدارا انہیں اب رہا کر دیں۔ یہ وقت ہے خود کو زندہ قوم کی حیثیت سے متعارف کروانے کا اور امریکہ ہی نہیں ساری دنیا کو یہ بتانے کا کہ ہمارے صدر کے اس اعتراف کے باوجود کہ انہوں نے پاکستانیوں کو امریکہ کے ہاتھ فروخت کیا ہے' ہم من حیث القوم اپنی بچیاں فروخت نہیں کیا کرتے! کچھ کر گزریئے اس سے قبل کہ مکافاتِ عمل وقوع پذیر ہو اور ہمیں کچھ کرنے کی مہلت ہی نہ ملے۔



# کمانڈو جرنیل بالآخر عوام کے غضب کا شکار ہو گیا



وقت کا پہیہ الٹا گھوم گیا۔ کمانڈو جرنیل جسے تکبر کی حد تک خود پر ناز تھا' بالآخر پاکستانی عوام کے صبر کا شکار ہو گیا۔ دمِ رخصت اس کی حالت دیدنی تھی' نہ کوئی ڈھول پیٹا گیا نہ کوئی ہنگامہ ہوا۔ نہ گانے بجانے کی مخلوط محفل سجی کہ جس کے آپ بڑے شائق تھے۔ آخری لحات میں ہمارا کمانڈو جرنیل بضد رہا کہ وہ قوم سے براہ راست خطاب کرے گا لیکن پی ٹی وی انتظامیہ اس کا ریکارڈ شدہ خطاب حاصل کرنے کا تقاضہ کر رہی تھی جس پر صدارتی محل نے پرائیویٹ چینلز کو بھی طلب کر لیا۔ یہ تھا اس صدر کا آخری لحات میں حال جو 12 مئی کو کراچی میں ہونے والے قتل عام کے جواب میں راولپنڈی کی جلسہ گاہ میں مکے لہرا رہا تھا اور بآواز بلند کہہ رہا تھا کہ ''آج ہم نے عوامی طاقت کا مظاہرہ کر دیا ہے۔ اگر کسی نے آئندہ ایسی جرأت کی تو اس کا بھی یہی حشر ہو گا''۔ یہ وہی صدر تھے جو پارلیمنٹ کو مکے دکھایا کرتے تھے۔ جو لاہور کے مینار پاکستان پر کھڑے ہو کر دونوں مکے لہراتے ہوئے وارننگ دیا کرتے تھے۔ جنہیں امریکی صدر بش سے اپنی دوستی پر اتنا غرور تھا کہ جب انہیں مغربی اور امریکی میڈیا نے ''مش'' بہ وزن ''بش'' کہنا شروع کیا تو سی این این کی رپورٹر نے انہیں اس سے آگاہ کرتے ہوئے سوالیہ لہجے میں پوچھا کہ وہ اس سے آگاہ ہیں؟ تو صدر کی باچھیں مکمل کھل گئیں۔ معمول کے مطابق آپ نے اپنا سینہ پھلاتے ہوئے کہا کہ ''انہیں اس کا علم ہے'' اور دیر تک مسکراتے رہے اور رپورٹر حیرت سے صدر محترم کا چہرہ دیکھتی رہی۔

یہی وہ جنرل (ر) پرویز مشرف تھے جنہوں نے سانحہ لال مسجد' جس پر ساری قوم سکتے کی حالت میں تھی' اظہار افسوس کرنے کے بجائے اسے حکومت کی ''رٹ'' بحال کرنے سے تعبیر کیا اور فرمایا تھا کہ ''آئندہ بھی اگر کسی نے حکومت کی رٹ چیلنج کرنے کی کوشش کی تو اس کا یہی انجام ہو گا' اور آج تک اپنے اس موقف پر قائم ہیں کہ انہوں نے لال مسجد کے ضمن میں جو کچھ کیا وہ بالکل صحیح تھا' بالکل اسی طرح جیسے انہوں نے امریکی حکومت کے ایک عہدیدار کے فون پر انتہائی فراخدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پاکستان کے تمام دروازے امریکہ کے لیے کھول دیئے تھے جس پر سی آئی اے کے ڈائریکٹر نے حیرت زدہ لہجے میں کہا کہ ''انہیں اتنی مراعات کی توقع ہرگز نہ تھی''۔

مسئلہ کشمیر اور افغانستان پر سابقہ صدر صاحب کے یوٹرن نے ساری پاکستانی قوم کو چکرا کر رکھ دیا اور دنیا کے ہر مہذب انسان نے حیرت اور دہشت کے عالم میں یہ خبر بھی سنی کہ پاکستان کی تسلیم کردہ افغان طالبان حکومت کے سفیر ملا ضعیف کو جو جنیوا کنونشن کا مکمل اتفاق استحقاق رکھتے تھے چوروں' ڈاکوؤں کی طرح پکڑ کر اور باندھ کر امریکیوں کو پیش کر دیا گیا۔ یہ وہ صدر محترم تھے جنہوں نے اپنے سوانح عمری میں اپنی اس کارنامے کا

ذکر بھی فرمایا کہ انہوں نے درجنوں پاکستانی پکڑ کر امریکہ کے حوالے کئے اور ان کے بدلے ڈالروں سے جھولیاں بھریں۔ بردہ فروشی کا اس طرح کھلے بندوں اقرار تو بچوں کو اغوا کر کے فروخت کرنے والے بھی نہیں کیا کرتے۔ یہ وہ صدر محترم ہیں جنہوں نے مواخذہ کی تحریک کا اعلان سننے پر کہا تھا "میرا مواخذہ کیوں ہوگا؟ میں ذہنی یا جسمانی طور پر کیا محتاج ہوگیا ہوں"...... ایسے ہی لوگوں کے لیے شاید کسی شاعر نے کہا تھا

یہ وقت کس کی رعونت پہ خاک ڈال گیا

یہ کون بول رہا تھا خدا کے لہجے میں

اقتدار اللہ کا امتحان ہے، بڑی کڑی آزمائش ہے، یہ آزمائش انسان کو اشرف المخلوقات بھی بنا دیتی ہے اور تحت الثریٰ کی گہرائیوں میں گرا دیتی ہے۔ ہمارے کمانڈو جرنیل کو اب خاصی تنہائی میسر ہوگی اور امید ہے وہ اپنے ماضی کے کارناموں کا اب ٹھنڈے دل و دماغ سے جائزہ بھی لیں گے۔

جنرل (ر) پرویز مشرف کے خلاف اگرچہ عوامی غم و غصہ کا شدید اظہار لال مسجد آپریشن کے فوری بعد شروع ہو گیا تھا، لیکن پاکستان کی عوام نے اس کا عملی ثبوت 18 فروری 2008ء کے انتخابات میں دیا۔ جنرل (ر) پرویز مشرف اس سے قبل کئی بار کہہ چکے تھے کہ اگر عوام کے نزدیک وہ ناپسندیدہ ہوگئے تو وہ مستعفی ہو جائیں گے مگر وہ گزشتہ دنوں تک اپنی بات سے منحرف ہوتے رہے۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے چیف آف آرمی سٹاف کا عہدہ بھی شدید عوامی دباؤ کے نتیجے میں چھوڑا تھا کیونکہ سیاسی جماعتوں کے دباؤ، جلاوطن رہنماؤں کی واپسی اور امریکہ نواز اقدامات سے ان کی مقبولیت کا گراف کافی نیچے گر گیا تھا، اور ملکی و غیر ملکی اداروں کی جانب سے آئے روز ایسی رپورٹس آنی شروع ہوگئی تھیں جس میں ان کی ناپسندیدگی کے نمبرز میں اضافہ ہو رہا تھا۔

27 دسمبر 2007ء کو محترمہ بے نظیر بھٹو کی شہادت کے بعد اگرچہ ملک کی سیاسی فضا سوگوار ہوگئی تھی اور انتخابات 8 جنوری کی بجائے 18 فروری تک ملتوی کر دیئے گئے جس میں جنرل (ر) پرویز مشرف کی سیاسی کور یعنی مسلم لیگ (ق) اور اس کی اتحادی جماعتوں کو حکومتی خرچ پر انتخابی مہم چلانے کا کافی وقت ملا، لیکن اس کے باوجود قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات میں مشرف نواز جماعتوں کو بری طرح ناکامی سے دوچار ہونا پڑا۔ اسی دوران وطن عزیز میں خودکش حملے بھی ہوتے رہے۔ انتخابات سے ایک روز قبل فاٹا میں عوامی نیشنل پارٹی کے انتخابی دفتر کے سامنے ہونے والے حملے میں کئی افراد جاں بحق ہو گئے۔

انتخابات کے بعد یوں محسوس ہو رہا تھا کہ صدارتی کیمپ آفس میں حکومت سازی کے حوالے سے اہم فیصلے ہونے والے ہیں۔ ایک جانب جہاں پر بڑی سیاسی جماعتیں خاص کر پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ (ن) مخلوط حکومت بنانے کیلئے کام کر رہی تھیں تو دوسری جانب جنرل (ر) پرویز مشرف کے پیادے مسلم لیگ (ق) اور ایم کیو ایم کیلئے حکومت سازی کی سازشیں کر رہے تھے۔ تاہم تمام تر حکومتی ہتھکنڈوں اور سازشوں کے باوجود پیپلز پارٹی، مسلم لیگ (ن)، عوامی نیشنل پارٹی اور جمعیت العلمائے اسلام (ف) نے چار جماعتی اتحاد قائم کر کے حکومت بنالی اور ملتان کے معروف سیاستدان اور پیپلز پارٹی کے رہنماء سید یوسف رضا گیلانی کو وزیر اعظم بنا دیا گیا۔ اگرچہ مسلم لیگ (ق) کے چودھری پرویز الٰہی جو قائد حزب اختلاف

بن گئے تھے' نے نئی حکومت کیلئے دعا کی اور مثبت کردار ادا کرنے کا عزم کیا تاہم درپردہ وہ بھی روایتی سیاست کرتے رہے۔ شیخ رشید احمد جنہوں نے مسلم لیگ (ق) سے علیحدگی اختیار کر کے عوامی لیگ بنائی تھی' نے حسب روایت اور حسب عادت پیشین گوئی کی کہ نئے انتخابات 2 ماہ میں ہو جائیں گے لیکن ان کی سابقہ کئی پیشین گوئیوں کی طرح یہ بھی غلط ثابت ہوئی۔

سابق صدر پرویز مشرف کے خلاف ایک اور محاذ ملک کی وکلاء برادری نے قائم کر رکھا تھا اور یہ محاذ 9 مارچ 2007ء سے قائم ہوا تھا جب پرویز مشرف نے سپریم کورٹ کے چیف جسٹس افتخار محمد چودھری کو عہدے سے ہٹا کر ان کے خلاف صدارتی ریفرنس دائر کر دیا تھا جس پر ملک میں شدید ردعمل سامنے آیا۔ ملک بھر کی وکلاء تنظیموں نے اس کے خلاف آواز بلند کی۔ احتجاج ہوا' مظاہرے ہوئے' عدالتوں کی تالا بندی ہوئی۔ لانگ مارچ ہوئے اور اس سے ہٹ کر پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار چیف جسٹس نے سڑک کے ذریعے سفر کر کے عوام میں عدلیہ کی آزادی کے حوالے سے ایک ولولہ تازہ پیدا کیا۔ چیف جسٹس کے ساتھ اس کاروانِ افتخار میں معروف وکلاء رہنماء چودھری اعتزاز احسن' منیر اے ملک' علی احمد کرد' جسٹس (ر) طارق محمود اور حامد خان کے علاوہ سیاسی جماعتوں کے کارکن' صحافی' طلبہ' مزدوروں اور محنت کشوں کی بڑی تعداد نے بھی شرکت کی۔ ملک کی مختلف بارز سے خطاب ہوا اور چند گھنٹوں کا سفر کئی گھنٹوں میں طے ہونے لگا۔ اسی دوران کراچی میں چیف جسٹس کی آمد پر 12 مئی 2007ء کا سانحہ ہوا' 3 نومبر 2007ء کو ایمرجنسی لگی لیکن اس کے باوجود آزاد عدلیہ کے حامی افراد نے اپنا راستہ نہیں بدلا۔ عوام نے جنرل (ر) پرویز مشرف کے خلاف اپنی چارج شیٹ تیار کر لی تھی۔ فروری 2008ء کے انتخابات میں مسلم لیگ (ن) نے معزول ججوں کی بحالی کے حوالے سے الیکشن لڑا اور قائد مسلم لیگ (ن) نے اس حوالے سے الیکشن سے قبل اپنے امیدواروں سے ججوں کی بحالی کے حوالے سے حلف بھی لیا۔ انتخابات کے بعد میاں محمد نواز شریف اور آصف علی زرداری کے درمیان 9 مارچ کو اعلانِ مری ہوا جس میں دونوں قائدین نے نہ صرف مخلوط حکومت بنانے پر رضامندی ظاہر کی بلکہ یہ اعلان بھی کیا کہ حکومت بننے کے 30 روز کے اندر معزول ججوں کو بحال کیا جائے گا۔ یہ اصل میں جنرل (ر) پرویز مشرف کے خلاف اقدام تھا جس کیلئے کچھ عرصے تک ایوان صدر میں سازشیں تیار ہوتی رہیں کہ حکومتی اتحاد کو اس کا موقع نہ ملے۔

مخلوط حکومت بننے کے بعد حکومتی اتحاد کی ایک اہم جماعت پیپلز پارٹی کی جانب سے ایسے اقدامات ہونے لگے جس سے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اعلانِ مری سے منحرف ہو رہی ہے۔ دوسری جانب مسلم لیگ (ن) کی قیادت معزول ججوں کی بحالی کے موقف پر قائم تھی۔ اس سلسلے میں اتحادی جماعتوں کے قائدین کے درمیان اسلام آباد' رائے ونڈ' دوبئی اور لندن تک میں مذاکرات ہوئے لیکن بعض امور پر اختلافات پائے گئے۔ بالآخر اگست کے شروع میں دونوں بڑی جماعتوں یعنی پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ (ن) نے فیصلہ کیا کہ ججوں کی بحالی کے ایشو کو قدرے پس پشت ڈال کر پہلے جنرل (ر) پرویز مشرف کو اقتدار سے الگ کیا جائے' اور اس بات پر دونوں جماعتوں میں کافی اتفاق تھا۔ واضح رہے کہ گزشتہ چند مہینے میں پیپلز پارٹی کی قیادت بھی جنرل (ر) پرویز مشرف کے خلاف ہو گئی تھی اور وہ ایوان صدر میں جیالے صدر کا خواب دیکھنے لگی تھی۔ اس سے قبل انتخابات کے فوری بعد پیپلز پارٹی کا موقف تھا وہ فوری طور پر جنرل (ر) پرویز مشرف کو اقتدار سے الگ نہیں کرنا چاہتے تاہم گزشتہ کچھ عرصے سے آصف علی زرداری نے سابق صدر جنرل (ر) پرویز مشرف کے خلاف جارحانہ رویہ اختیار کر لیا تھا' اور انہیں ایوان صدر سے رخصت ہونے کیلئے کہا

جانے لگا۔

اگست کا مہینہ اس حوالے سے بھی اہم بن گیا ہے کہ اس مہینے میں امریکہ کے انتہائی قریب رہنے والے دو پاکستانی آمروں کو اقتدار سے الگ ہونا پڑا۔ اس میں سے ایک یعنی جنرل محمد ضیاء الحق جو وردی میں تھے 17 اگست 1988ء کو امریکی سفیر اور فوج کی اعلیٰ قیادت سمیت طیارے کے حادثے میں شکار ہو گئے تھے تو دوسری طرف امریکہ کی نام نہاد دہشت گردی کے خلاف جاری جنگ کے دوسرے کردار یعنی جنرل (ر) پرویز مشرف سے بھی گزشتہ روز اقتدار چھین لیا گیا۔

یہاں پر ہم امریکہ کی منافقانہ دوستی کا بھی ذکر کرتے چلیں جو کل تک جنرل (ر) پرویز مشرف کو اپنا ایک اہم دوست کہتا تھا اور پاکستان کو دہشت گردی کے خلاف جنگ میں ایک اہم فرنٹ لائن اتحادی کا درجہ دے رکھا تھا' کی وزیر خارجہ کونڈو لیزا رائس کی طرف سے یہ کہا گیا کہ ہم پرویز مشرف کو سیاسی پناہ دینے پر غور نہیں کر رہے۔ پرویز مشرف کے استعفیٰ کا معاملہ پاکستانیوں کو طے کرنا ہے۔ یہ پاکستان کا اندرونی معاملہ ہے۔ ہم نے تو صرف جمہوری انتخابات کی وکالت کی تھی۔ انہوں نے مزید کہا کہ امریکہ کو 3 نومبر کی ایمرجنسی کے نفاذ پر اختلاف تھا حالانکہ یہی امریکہ تھا جو پاکستان میں ایمرجنسی لگنے کے وقت خاموش تھا، اور اسے پاکستان کا اندرونی معاملہ قرار دیتا تھا۔ یوں امریکہ نے ایک بار پھر ثابت کر دیا کہ اس نے ہمیشہ اپنے ایجنڈے کی تکمیل کیلئے پاکستان میں آمروں کی حمایت کی اور آج بھی اس کی یہی پالیسی ہے، اور جب وہ اپنے منصوبوں کے خاتمے کے قریب ہوتا ہے تو اسے یا تو منظر سے ہٹا دیا جاتا ہے یا پھر اس سے آنکھیں پھیر لی جاتی ہیں۔ ایوب خان کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا اور یحییٰ خان کو بھی امریکی بے رخی کا سامنا کرنا پڑا۔ پاکستان کے سیاستدانوں' عسکری قیادت اور عوام کو اب اس بات کا تہیہ کرنا ہوگا کہ وہ ریاستی' حکومتی اور عسکری سربراہوں کے چناؤ کیلئے امریکہ کی طرف دیکھنے کی بجائے صرف اور صرف اپنے مفادات کو ترجیح دیں گے اور ملکی مفادات کو پیش نظر رکھا جائے گا۔

سابق صدر پرویز مشرف کے مستعفی ہونے سے قبل اور چارج شیٹ کی تیاری سے قبل پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ (ن) کے درمیان اگرچہ محفوظ راستے کے حوالے سے اختلافات پیدا ہو گئے تھے کہ ایک جماعت سابق صدر کو محفوظ راستہ دینا چاہتی تھی تو دوسری اس کے مواخذے' محاسبے اور مقدمات قائم کرنے کے حق میں تھی لیکن اس مشکل کو سعودی انٹیلی جنس سربراہ شہزادہ مقرن کی گزشتہ دنوں خصوصی آمد نے آسان کر دیا اور یہ طے پایا کہ پرویز مشرف کو محفوظ راستہ دے دیا جائے۔ اس حوالے سے یہ کہا جا رہا ہے کہ وہ لگ بھگ تین ماہ تک سعودی عرب میں قیام کریں گے، اور اس کے بعد اپنی نئی رہائش گاہ یعنی چک شہزاد میں آ جائیں گے۔ سعودی عرب کی جانب سے رائل ایئر فورس کا خصوصی طیارہ چکلالہ بھیجا گیا' یوں ایک بار پھر سعودیہ نے پاکستان کی اعلیٰ قیادت کو وطن سے باہر لے جانے کیلئے اہم کردار ادا کیا۔

جنرل (ر) پرویز مشرف کے اقتدار سے الگ ہونے کے حوالے سے پاکستانی فوج کا ہم اگر جائزہ لیں تو وہ اس معاملے میں غیر جانبدار رہی اور پیشہ ورانہ آئینی وقانونی ذمہ داریوں کے تحت سویلین حکومت کے ساتھ رہی اور اس کا اظہار اگرچہ چیف آف آرمی سٹاف جنرل اشفاق پرویز کیانی نے 14 اگست کے دن ہی کر دیا تھا۔ جب انہوں نے صدر کی تقریب کی بجائے وزیر اعظم سید یوسف رضا گیلانی کی تقریب میں شرکت کی۔ اس کے علاوہ یہ خبر بھی آئی کہ انہوں نے پرویز مشرف کو 3 دن کے اندر مستعفی ہونے کو کہا تھا۔

سابق صدر کے خلاف چاروں اسمبلیوں نے عدم اعتماد کی تحریک پیش کر کے انہیں ایک واضح پیغام دے دیا تھا کہ اب انہیں عوامی حمایت حاصل نہیں اور وہ کل تک جو کہہ رہے تھے کہ ان کی مقبولیت ختم ہونے پر وہ صدر کا عہدہ بھی چھوڑ دیں گے لہٰذا وہ وقت آ گیا تھا کہ وہ رخصت ہو جائیں اور ویسے بھی حکومتی اتحاد نے ان کے خلاف 20 الزامات کا انتخاب کر لیا تھا جس میں شدید ترین بدانتظامی' آئین کی خلاف ورزی' آئین کی دوبار معطلی' خارجہ پالیسی کی مد میں امریکہ کی طرف حد سے زیادہ جھکاؤ' لال مسجد آپریشن اور جمہوری اداروں کی تباہی وغیرہ شامل ہیں جبکہ بعض ماہرین کا یہ بھی کہنا ہے کہ پرویز مشرف کے خلاف جو الزامات لگائے گئے' ان کا ذکر تو انہوں نے اپنی کتاب ''ان دی لائن آف فائر'' میں کیا ہوا ہے لہٰذا انہوں نے اپنے خلاف چارج شیٹ پہلے ہی تیار کر لی تھی۔ اگرچہ صدارتی کیمپ میں آخری دم تک یہ کوششیں کی گئیں کہ چارج شیٹ اور مواخذے کے عمل کی شدید مخالفت کی جائے' تاہم کمانڈو صدر نے آخر کار ہتھیار ڈال دیئے، لیکن جاتے جاتے انہوں نے 'پاکستان کا خدا حافظ' جیسا طنزیہ جملہ کہہ کر اور آخری بار قوم کو مکہ دکھا کر اپنے غصہ کا اظہار کیا۔

18 اگست 2008ء پاکستان کی سیاسی تاریخ کا ایک اہم ترین دن ہے جس دن قوم نے بالآخر 9 سالہ پرویزی آمریت سے نجات حاصل کی لیکن اب حکومتی اتحاد پر ذمہ داریاں بڑھ گئی ہیں کہ وہ نئے صدر کے انتخاب پر جلد متفق ہوں اور اسے صرف دستوری و آئینی فرائض تک محدود کر رکھا جائے۔ ججوں کو فی الفور بحال کرنے کا اعلان کیا جائے، جنرل (ر) مشرف سے 9 سالہ پالیسیوں سے متعلق جوابدہی کے لئے ٹرابیونل قائم کیا جائے، خارجہ پالیسی کو از سر نو تشکیل دے کر غیروں کی جنگ سے اپنے آپ کو علیحدہ کیا جائے جبکہ صحیح معنوں میں جمہوری حکومت کا حق ادا کر کے عوام کو مہنگائی' بیروزگاری' امن و امان کی خراب صورتحال سے نجات دلائی جائے' مستقبل میں ممکنہ دستوری اداروں کے ٹکراؤ سے بچنے کے لئے ملک کو صرف اور صرف آئین اور دستور کے تحت چلنے دیا جائے' تب ہی پاکستان کی جیت ہو گی، حقیقی فتح ہو گی۔



# انجامِ گلستاں کیا ہوگا؟





پاکستانی سیاست میں سابقہ فوجی افسران کی آمد شاید پاکستانی تاریخ میں پہلی مرتبہ ہوئی ہے اور بظاہر یہی دکھائی دے رہا ہے کہ یہ لوگ فوج کی گرتی ہوئی ساکھ کو سنبھالا دینے کیلئے میدانِ عمل میں نکلے ہیں کیونکہ وہ فوج جو ہر پاکستانی کیلئے بہر صورت واجب الاحترام تھی' بدقسمتی سے صدر پرویز مشرف اور ان کے ساتھیوں کی روشن خیال اعتدال پسند پالیسیوں کی وجہ سے اب معتوب ہو کر رہ گئی ہے۔ یہ روز بھی اس قوم نے دیکھنا تھا۔ جب ایسی اطلاعات اور خبریں سننے کو مل رہی ہیں کہ فوجی افسران کو اپنی یونیفارم میں سویلین مقامات پر جانے سے روک دیا گیا ہے، اور فوجی ٹریفک کی بھی خصوصی حالات میں بڑی محتاط نقل و حرکت کی جاتی ہے۔ یہ بڑی افسوسناک صورتحال ہے کہ وہ فوج جو کبھی پاکستان کا فخر تھی اور جس نے ہمیشہ قدرتی آفات نازل ہونے پر ہراول دستے کا کردار ادا کیا' سیلاب اور طوفانوں میں گھرے عوام کی جان و مال کی حفاظت کی' آج وہی فوج عوامی غیض و غضب کا شکار ہے' خصوصاً صوبہ سرحد میں اس پر حملے ہو رہے ہیں، اور قبائلی علاقوں میں تو وہ عملاً حالت جنگ میں ہے۔ قیدیوں کے تبادلے جیسے ہولناک مناظر دکھائی دے رہے ہیں۔ اس تمام صورتحال کا ذمہ دار کون ہے؟ ساری قوم کا متفقہ جواب ہے، گزشتہ حکومت کی پالیسیاں جنہوں نے محض امریکی خوشنودی کیلئے اپنے ہی ملک کی مایہ ناز فوج کو اپنے ہی ملک کے بازوئے شمشیرزن کے خلاف صف آراء کر دیا۔ جنرل (ر) عبدالقیوم اور جنرل (ر) جمشید گلزار کیانی نے صدر جنرل (ر) پرویز مشرف کے خلاف جو سنگین الزامات لگائے ہیں۔ ان کے جواب میں صدر پرویز مشرف نے بالآخر سکوت توڑا اور کچھ صحافیوں کو ایوان صدر میں بلا کر ان سے ملاقات کی جس کا منظر ساری قوم نے بڑی حیرت سے ٹی وی سکرینوں پر دیکھا۔

صدر پرویز مشرف کی جانب سے مستعفی ہونے سے انکار اور منتخب حکومت کو ملفوف دھمکی دیئے جانے کے بعد ملکی سیاست ایک نئے سنسنی خیز دور میں داخل ہوتی دکھائی دے رہی ہے۔ اگرچہ صدر پرویز مشرف نے اپنی گفتگو کے دوران پیپلز پارٹی کی حکومت سے متعلق بات کرتے ہوئے قدرے محتاط لب و لہجہ اختیار کیے رکھا بلکہ انہوں نے وزیراعظم کیلئے اپنی نیک خواہشات کا اظہار بھی کیا تاہم پیپلز پارٹی کی جانب سے ''خاموش نہ بیٹھنے'' کے اعلان کو منتخب حکومت کو دھمکی دینے سے تعبیر کیا گیا ہے، اور پیپلز پارٹی کے سربراہ آصف علی زرداری نے صدر کو مستعفی نہ ہونے کی صورت میں مواخذے کیلئے تیار رہنے کا پیغام دیا ہے۔ ہفتہ کو مدینہ منورہ میں وزیراعظم سید یوسف رضا گیلانی کے ہمراہ پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ منتخب پارلیمنٹ اختیار رکھتی ہے' صدر یا وزیراعظم کو کسی بھی وقت گھر بھیج سکتی ہے۔ پارلیمنٹ آئینی اقدامات کیلئے سب سے بااختیار ادارہ ہوتا ہے' ججوں کی بحالی سے متعلق صدر نے مضحکہ خیز گفتگو کی۔ ادھر ہفتہ ہی کے روز پاکستان پیپلز پارٹی کے ترجمان فرحت اللہ بابر نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ عوام کی نمائندگی کرنے والی پارلیمنٹ ایک خودمختار قومی ادارہ ہے جو کوئی بھی قانون بنانے یا آئین میں ترمیم کرنے کا مجاز ہے' خواہ پرویز مشرف انہیں پسند کرے یا نہ کرے' دھمکیوں سے جمہوری قوتوں کو پارلیمنٹ کے اختیارات کی بحالی کیلئے جدوجہد سے نہیں روکا جاسکتا۔

ایک ڈی فیکٹو صدر کی طرف سے یہ انتباہ پارلیمنٹ اور ملکی آئین کی توہین کے مترادف ہے۔ سیاسی مبصرین کے مطابق صدر پرویز مشرف کیلئے پیپلز پارٹی کا یہ پیغام بالکل واضح ہے‘ صدر پرویز مشرف نے خود بھی اپنے بیان میں کہا ہے کہ وہ اپنے مستقبل کے بارے میں پارلیمنٹ کا فیصلہ قبول کرلیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ صدر پرویز مشرف پارلیمنٹ میں مواخذے کی کارروائی کا سامنا کرنے کیلئے تیار ہیں، اور انہوں نے حکمران جماعت کو ایک طرح سے چیلنج بھی کردیا ہے۔ اسی بناء پر مسلم لیگ (ن) کے ترجمان صدیق الفاروق نے کہا کہ پرویز مشرف نے حکمران اتحاد کو یہ چیلنج کردیا ہے کہ اگر مواخذہ کرسکتے ہو تو کرو۔ اب ہمارے لئے ضروری ہوگیا ہے کہ ججز کو بحال اور صدر کا مواخذہ کیا جائے اور عوام کے مینڈیٹ کے مطابق تبدیلی لائی جائے۔

اس سارے پس منظر میں اب پیپلز پارٹی کو صدر کے مواخذے کی تحریک لانے میں دیر نہیں کرنی چاہیے تاکہ پرویز مشرف کی صدارت کا تنازعہ منتخب پارلیمنٹ میں طے کرلیا جائے جس کیلئے خود صدر پرویز مشرف بھی تیار ہیں۔ یہ بات سب جانتے ہیں کہ صدر کے مواخذے کیلئے پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں دو تہائی اکثریت درکار ہوتی ہے۔ جو اس وقت اتحادی جماعتوں کو تقریباً حاصل ہے۔ اس کے مقابلے میں آئینی پیکیج کے ذریعے صدر کو بے دست و پا بنانے کی حکمت عملی زیادہ کامیاب نہیں ہوسکتی کیونکہ پیکیج کی منظوری دونوں ایوانوں سے الگ الگ ضروری ہے، اور موجودہ حالات میں سینٹ میں حکمران اتحاد کو دو تہائی اکثریت حاصل نہیں۔ پھر آئینی پیکیج طویل بحث و مباحثے کا متقاضی ہے اور اس میں بہت سے متنازعہ امور پر اتفاق رائے کا جلد حصول بہت مشکل ہے۔ بنابریں حکمران اتحاد کو اس طویل جھنجھٹ میں پڑنے کی بجائے تمام سیاسی جماعتوں سے مشاورت کے ساتھ صدر کے مواخذے کی ایک ایسی تحریک پیش کرنی چاہیے جس سے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوجائے اور صدر پرویز مشرف کے مستقبل کا فیصلہ کیا جاسکے۔

جہاں تک مستعفی نہ ہونے سے متعلق صدر پرویز مشرف کے دلائل کا تعلق ہے تو پاکستان میں شاید ہی کوئی طبقہ ایسا ہوگا جو صدر کے ان دلائل کو درست سمجھتا ہو۔ صدر پرویز مشرف کو 18 فروری کے انتخابات کے نتائج سے ہی یہ اندازہ لگالینا چاہیے تھا کہ قوم نے ان کے اقدامات اور دلائل کو مسترد کردیا ہے۔ ان کیلئے عزت کا راستہ یہی تھا کہ وہ اسی روز اپنے مستقبل کا فیصلہ کرلیتے اور اقتدار سے باعزت طریقے سے علیحدگی اختیار کرلیتے۔ اب حال یہ ہوگیا ہے کہ صدر پرویز مشرف کو (ق) کی حمایت بھی حاصل نہ رہی جس نے آج تک ان کے ہر جائز و ناجائز اقدام کی حمایت کی تھی۔ صدر پرویز مشرف نے اپنے دفاع میں دلائل دیتے ہوئے بعض ایسی باتیں بھی کی ہیں جن سے ان کی پوزیشن مزید خراب ہوگئی ہے، اور جن پر عوام خاصے مشتعل ہیں‘ مثلاً لال مسجد اور جامعہ حفصہ آپریشن سے متعلق اپنی غلطی تسلیم کرنے کی بجائے انہوں نے الٹا آپریشن کرنے والوں کو ”سیلوٹ“ کرکے عوام کے زخموں پر نمک پاشی کی ہے۔ اسی طرح انہوں نے محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان پر جھوٹ بولنے کا الزام عائد کرکے عوام کے غیض و غضب کو دعوت دی ہے۔ ساتھ ہی انہوں نے عوام کو ”دال کی بجائے چکن کھانے“ کا مشورہ دے کر ”روٹی نہ ملنے پر کیک کھانے“ کے ملکہ فرانس کے ”تاریخی مشورے“ کی یاد بھی تازہ کردی ہے۔ جسے عوام کے ساتھ بھونڈے مذاق کے سوا اور کوئی نام نہیں دیا جاسکتا۔ صدر پرویز مشرف کے پاس اگر نوشتہ دیوار پڑھنے کی ادنیٰ صلاحیت بھی موجود ہے تو ملک کے سب سے بڑے صوبے پنجاب میں ان کے سب سے بڑے حریف

نواز شریف کے چھوٹے بھائی شہباز شریف کی بحیثیت وزیر اعلیٰ حلف برداری کا منظر ہی ان کو یہ بتانے کیلئے کافی ہے کہ ان کا وقت اب ختم ہو چکا ہے، اور اب باعزت واپسی کا آپشن بھی ان کے ہاتھ سے نکلتا جا رہا ہے۔

اس تحریر کے شائع ہونے تک وکلاء تحریک اپنے انتہائی اہم اور نازک مرحلے میں داخل ہو چکی ہوگی اور نہیں معلوم کہ حالات کیا رخ اختیار کرتے ہیں۔ عین ممکن ہے کہ صدر محترم حالات کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے اور بقول وزیر اعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف قوم کی حالت پر رحم کھاتے ہوئے اقتدار کو خیر باد کہہ چکے ہوں جس کی امید کم ہی ہے کیونکہ وہ ابھی تک بضد ہیں اور خدا جانے انہیں کن حلقوں کی پس پردہ حمایت حاصل ہے کہ وہ اپنے منصب پر نہ صرف ڈٹے ہوئے ہیں بلکہ دھمکیاں بھی دے رہے ہیں۔

جہاں تک امریکہ کا تعلق ہے تو عین ممکن ہے امریکہ کی طرف سے صدر کو کسی ذریعے سے ڈٹے رہنے کا مشورہ بھی دیا گیا ہو، لیکن ابھی تک امریکی پریس کے حوالے سے یہی خبریں سننے کو مل رہی ہیں کہ امریکہ نے صدر پرویز مشرف پر سے دست شفقت اٹھا لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب پاکستان کے وہ مشرف حمایتی اور مخالف دونوں قسم کے لیڈر جوان کے حامی سمجھے جاتے ہیں۔ وہ بھی اب صدر محترم کو باعزت رخصتی کا مشورہ دے رہے تھے۔ مسلم لیگ (ن) کے چودھری نثار علی نے 8 جون کو پریس کانفرنس میں صدر پرویز مشرف کے مواخذے کیلئے 10 نکاتی چارج شیٹ جاری کر دی ہے۔ جس میں ان پر دو مرتبہ آئین توڑنے 'منتخب حکومت کا تختہ الٹنے' کارگل آپریشن شروع کرنے اور فوج کو ذاتی مفاد کیلئے استعمال کرنے کے علاوہ جامعہ حفصہ میں فوجی کارروائی کا سنگین الزام بھی شامل ہے۔ اس کا فیصلہ تو آنے والا وقت کرے گا کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا؟ کیونکہ صدر محترم نے صحافیوں کے ساتھ اپنی گفتگو میں کہا ہے کہ لال مسجد آپریشن ناگزیر ہو گیا تھا۔ ان لوگوں نے پاکستان کو ساری دنیا میں بدنام کر دیا تھا۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اس آپریشن سے صدر محترم نے کتنی نیک نامی کمائی ہے یا پھر پاکستان کتنا محفوظ ہو گیا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ مکافاتِ عمل اب ناگزیر ہو رہا ہے۔ جامعہ حفصہ کی معصوم بچیوں کا خون رنگ لا رہا ہے اور جلد ہی یہ خون اپنا خراج وصول کرے گا۔



# خون آشام بھیڑیے اور
# بے چارے پاکستانی



کیا ہم واقعی صرف بھیڑوں کا ایک گروہ ہیں کہ جس کا جب جی چاہے ہمیں لاٹھی سے ہانک کر اپنی مرضی سے لے جائے، اپنی مرضی سے ہمارا استعمال کرے، ہمارا استحصال کرے اور پھر ہمیں دوسرے کسی قصائی کے ہاتھ فروخت کر کے اپنا بوریا بستر باندھ کر چلا جائے۔ جی ہاں! اب ہمیں بطور قوم سنجیدگی سے سوچنا ہوگا ورنہ جس رفتار سے پاکستان کا برسر اقتدار اشرافیہ پاکستان کے 90 فیصد عوام کے گلے پر چھری چلا رہا ہے شائد اگلے کچھ سالوں میں من حیث القوم ہمارا وجود ہی نہ مٹ جائے۔ 29 جون کو جس طرح اچانک پٹرولیم مصنوعات کی قیمتیں بڑھائی گئی ہیں۔ یہ غریب بے کس، بے بس مجبور، مقہور اور زندہ درگور پاکستانی عوام کے بھوکے پیٹ میں زہریلا خنجر ہی نہیں گھونپا گیا بلکہ ہماری ہڈیوں سے گودا بھی نکال لیا گیا ہے۔ اچانک صوبہ سرحد میں آپریشن کا آغاز، ڈیزل کی کمیابی اور پٹرولیم قیمتوں میں ہوشربا اضافہ۔ کوئی کچھ بھی کہے۔ کیسی ہی دلیل کیوں نہ دی جائے۔ اس حقیقت کو جھٹلانا ناممکن ہے کہ یہ بین الاقوامی سازش کی کڑی ہے۔ پاکستان کے سخت جان عوام کو زندہ درگور کرنے کیلئے خفیہ ہاتھوں نے پھر حرکت کی ہے۔ شطرنج کی بساط پر کچھ مہرے آگے بڑھائے اور پیچھے کیے جا رہے ہیں اور جلد یا بدیر وہ روز بدلانے کی تیاریاں عروج پر ہیں جب پاکستانی عوام کو ایتھوپیا اور روانڈا کے عوام کی طرح زندہ لاشوں میں تبدیل کر کے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر اقوام متحدہ کے مکئی کے دانوں، سوکھے دودھ اور موٹی دال کے پیکٹوں کی بھیک پر زندہ رہنے کیلئے مجبور کر دیا جائے گا۔ اطلاعات کے مطابق آئل اینڈ گیس ریگولیٹری اتھارٹی نے پٹرول کی قیمت میں 6.88 روپے فی لیٹر، ہائی اسپیڈ ڈیزل کی قیمت میں 5.02 روپے، لائٹ ڈیزل کی قیمت میں 4.47 روپے، ہائی آکٹین کی قیمت میں 8.09 روپے اور مٹی کے تیل کی قیمت میں 8.29 روپے فی لیٹر کا اضافہ کر دیا۔ اوگرا نے یکم جولائی سے پندرہ جولائی تک پٹرول مصنوعات کی قیمتوں میں 2 دن پہلے ہی اضافہ کر دیا۔ اوگرا کے مطابق پٹرول اور ڈیزل کی قیمتوں میں 10 فیصد اور مٹی کے تیل کی قیمت میں 30 فیصد اضافے کے بعد پٹرول 75.69 روپے فی لیٹر، ہائی اسپیڈ ڈیزل 55.15 روپے، لائٹ ڈیزل 49.06، مٹی کا تیل 49.73 اور ہائی آکٹین 88.86 روپے فی لیٹر ہوگا۔

ادھر ٹرانسپورٹروں نے پٹرول و ڈیزل کی نئی قیمتوں کو مسترد کرتے ہوئے اعلان کیا ہے کہ اگر یہ اضافہ واپس نہ لیا گیا تو پہیہ جام ہڑتال کی جائے گی۔

پٹرولیم مصنوعات میں اس ہوش ربا اضافے کے بعد مہنگائی میں شدید ترین اضافہ ہوگا اور روزمرہ اشیائے صرف عام آدمی کی پہنچ سے باہر ہو جائیں گی۔ یاد رہے کہ حالیہ رپورٹوں کے مطابق اشیاء ضرورت کی قیمتوں میں گزشتہ 6 برسوں میں اوسطاً ڈیڑھ سو فیصد سے بھی زائد اضافہ پہلے ہی ہو چکا ہے۔ پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں تازہ بے رحمانہ اضافہ اونٹ کی کمر میں آخری تنکا ہی ہے، اور اس کے بعد حکمرانوں کے پاس یہ

کہنے کو کوئی جواز باقی نہیں رہتا کہ وہ عوام کی نمائندگی کا حق ادا کر رہے ہیں، موجودہ حکومت کو اقتدار میں آئے ابھی چار ماہ نہیں ہوئے ہیں، اس عرصے میں تیل کی قیمتوں میں تین بار جنگی بنیادوں پر اضافہ کیا جا چکا ہے، حکمران حسب عادت اس اضافے کو عالمی منڈی میں تیل کی قیمتوں میں اضافے کے ساتھ جوڑ رہے ہیں حالانکہ ہمارے دیگر پڑوسی ممالک بھی اسی عالمی منڈی سے تیل خریدتے ہیں۔

بھارتی حکومت نے اسی رجحان کے دوران دو تین ماہ قبل تیل کی قیمتوں میں کمی کر دی تھی، گزشتہ ماہ حکومت کو مجبوراً دس فیصد اضافہ کرنا پڑا تو بھارتی وزیراعظم نے باقاعدہ قوم سے خطاب کر کے اس اضافے کا جواز بتایا اور عوام کی تکالیف پر گہرے دکھ کا بھی اظہار کیا۔ ہمارے ہاں ہر دوسرے تیسرے ہفتے تیل کی قیمتوں میں فی لیٹر سات سات روپے کا اضافہ کیا جا رہا ہے، اور عوام کی حالت زار کا کسی کو احساس ہی نہیں، اب کی بار حکومت نے اس اضافے کیلئے ''پہلی'' تک بھی انتظار گوارا نہیں کیا اور نہایت خاموشی سے عوام کی رہی سہی قوت خرید پر شب خون مارا گیا۔ اصل معاملہ یہ ہے کہ صدر پرویز کی پالیسیوں کے نتیجے میں ملک معاشی طوائف الملوکی کی صورت حال سے دوچار ہے۔ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ چینی کا تو مقامی اور عالمی سطح پر کوئی بحران نہیں ہے لیکن اس کی قیمت میں بھی روز بروز اضافہ ہوا ہے، اور تھوک مارکیٹ میں چینی کی فی بوری قیمت میں 120 روپے کا اضافہ ہوا ہے، گیس جو ملک کے اندر وافر مقدار میں پیدا ہوتی ہے۔ اس پر بھی حکومت کا کوئی کنٹرول نہیں اور گزشتہ کئی روز سے ایل پی جی کی قیمتوں میں روزانہ کی بنیاد پر اضافہ ہو رہا ہے۔ ایک اخباری اطلاع کے مطابق ایک ماہ کے دوران گیس کے 11.8 کلوگرام سلنڈر کی قیمت میں 190 روپے اور 45.5 کلوگرام سلنڈر کی قیمت میں 743 روپے کا خطیر اضافہ کیا گیا ہے۔ جس سے گھریلو اور پبلک ٹرانسپورٹ کے صارفین شدید طور پر متاثر ہو رہے ہیں۔ ادھر بجلی کی صورت حال یہ ہے کہ روزانہ آٹھ آٹھ گھنٹے کی لوڈ شیڈنگ کی جا رہی ہے اور شہریوں کو سخت گرمی میں شدید پریشانیوں کا سامنا ہے جبکہ واپڈا بجلی کی پیداوار بڑھانے کی بجائے اس کے نرخوں میں اضافے پر زور دے رہا ہے۔ بجلی کی قلت اور مہنگائی نے ملکی صنعت اور تجارت کا بھی تیاپانچہ کر دیا ہے۔

ایک تازہ اطلاع کے مطابق تاجروں اور صنعتکاروں نے عالمی بینک کی ہدایت پر ملک میں بجلی کے نرخ 10 روپے فی یونٹ بڑھانے کی اطلاعات پر شدید تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ اب تاجروں اور صنعتکاروں کو اپنا بوریا بستر باندھ کر کسی دوسرے ملک میں کام کرنے کی تیاری کرنا ہو گی۔ ملک میں نئی صنعتیں لگ نہیں رہیں اور جو صنعتیں کام کر رہی ہیں وہ بھی بند ہونے کے خطرے سے دوچار ہیں۔ مسلسل بڑھتی ہوئی پیداواری لاگت نے صنعتکاروں کو کنارے لگا دیا ہے۔ اگر عالمی بینک کی ہدایت پر عمل کر لیا گیا تو ملک میں تیار ہونے والے کپڑے کی لاگت 35 تا 40 فیصد تک بڑھ جائے گی، اور ہم بے بسی سے اپنے لٹنے کا تماشا دیکھتے رہیں گے؟

زمینی سچائی یہ ہے کہ بنگلہ دیش کے سو روپے ہمارے 130 روپے کے برابر ہیں۔ بھارت کے سو روپے ہمارے 160 یا 170 روپے کے برابر ہیں۔ کہاں گیا ٹریکل ڈاؤن اکانومی والا یہودی بنکوں کا ایجنٹ اور اس کے حواری۔ کوئی ہے جو ان درندوں کو عدالتوں کے کٹہرے میں لائے۔

امریکہ کی طرف سے امداد کی تازہ کھیپ ملتے ہی صوبہ سرحد میں آپریشن شروع کر دیا گیا ہے۔ ایف سی کے جوانوں نے ٹارگٹ علاقوں کو

گھیرے میں لے لیا ہے۔ باڑہ میں مکمل کرفیو کا نفاذ کر کے مقامی لوگوں کو گھروں سے باہر نہ نکلنے کے احکام جاری کر دیئے گئے اور لاؤڈ سپیکروں کے ذریعے لوگوں کو گھروں تک محدود رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ باڑہ میں تمام کاروباری مراکز بند کر دیئے گئے اور تمام راستے سیل کر کے باڑہ جانے پر پابندی عائد کر دی گئی ہے۔ وزیراعظم سید یوسف رضا گیلانی نے جو آپریشن کے آغاز کے وقت پشاور پہنچے، کہا ہے کہ فاٹا سمیت صوبہ سرحد میں امن و امان کے قیام کیلئے ہر ممکن اقدام کیے جائیں گے اور حکومتی رٹ قائم کرنے کیلئے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی جائے گی، سرحد حکومت کو امن معاہدوں کیلئے مکمل آزادی دی گئی مگر دوسری طرف سے ان معاہدوں کی پاسداری نہیں ہوئی، حکومت کی رٹ ہر حالت میں قائم کی جائے گی تاہم اب بھی کوشش کی جائے گی کہ باہمی مفاہمت کے ذریعہ حالات کو معمول پر لایا جائے تاہم فوجی آپریشن حکومت کا آخری آپشن ہوگا۔

تحریک طالبان نے فاٹا میں فوجی کارروائی کو امن معاہدے کی خلاف ورزی سے تعبیر کر کے حکومت کے ساتھ ہر قسم کے مذاکرات معطل کرنے کا اعلان کیا ہے تاہم خیبر ایجنسی میں سرگرم تنظیم لشکر اسلام نے سیکورٹی فورسز کا مقابلہ نہ کرنے کا مستحسن اعلان کیا ہے۔ جس کے بعد توقع ہے کہ علاقے میں زیادہ خونریزی نہیں ہوگی اور حکومت کو ایک بار پھر مذاکرات کے ذریعے معاملہ حل کرنے کا موقع فراہم ہوگا۔ حکومت کو اپنی رٹ قائم کرنے کیلئے ضرور اقدامات کرنے چاہئیں لیکن اس کیلئے طاقت کا استعمال ہرگز ضروری نہیں ہے، اب تک کے تجربات سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ طاقت کے استعمال سے معاملات سلجھنے کی بجائے مزید الجھتے ہیں، مقامی طالبان کے خلاف طاقت کا استعمال صرف خارجی آقاؤں اور ان کے آلہ کار عناصر کی خواہش ہے، محض ان کی اس خواہش پر قوم کے مفادات کو قربان نہیں کر دینا چاہیے، لیکن عملاً ایسا ہی ہو رہا ہے۔ خون آشام بھیڑیے اپنی لمبی زبانوں کے ساتھ پاکستانی عوام پر حملہ آور ہوئے ہیں۔ مہنگائی اور دہشت کے ہتھیاروں سے مسلح ان بھیڑیوں کے منہ کو پاکستانی عوام کے خون کی چاٹ لگ چکی ہے آج ہمیں من حیث القوم یہ فیصلہ کرنا ہے کہ ہم خاموشی سے ان کی خوراک بن جائیں گے یا اپنے زندہ قوم ہونے کا ثبوت دیں گے۔.......

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصہ محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

# عالمی مالیاتی ادارے



وزیراعظم پاکستان سید یوسف رضا گیلانی نے کہا ہے کہ بجلی عالمی مالیاتی اداروں کے دباؤ پر مہنگی کی گئی ہے، اوران ہی اداروں کے کہنے پر حکومت نے باقی چیزوں سے بھی سبسڈی واپس لی ہے جس کی وجہ سے ملک میں مہنگائی کا طوفان آ گیا ہے۔ وزیراعظم نے بظاہر یہ بات حکومت پر آئے روز مہنگائی کا عذاب مسلط کرنے کے حوالے سے ہونے والی تنقید کے جواب میں کی ہے، لیکن دراصل انہوں نے ایک ایسی حقیقت سے آن ریکارڈ پردہ اٹھادیا ہے جس کا علم تو قریباً ہر ذی شعور پاکستانی کو پہلے سے تھا، لیکن حکومت یہ بات تسلیم نہیں کرتی تھی۔ نوائے وقت میں ہونے والے مختلف فورمز میں قریباً ہر قابل ذکر لیڈر نے یہ بات کہی ہے، اور واپڈا کے حوالے سے خورشید احمد خان کا یہ بیان بھی ہم شائع کر چکے ہیں کہ ہم ورلڈ بینک کی طرف سے پابندیوں کی وجہ سے بجلی کی پیداواری استعداد بڑھانے سے قاصر ہیں کیونکہ ماضی کے معاہدے اس نوعیت کے ہیں۔

نوائے وقت کے قارئین ان ہی صفحات پر ''شیطانی کنیسہ'' کے نام سے ترجمہ ہونے والی اہم کتاب 'The Synagoge of Satan'' کی تفصیلات پڑھ چکے ہیں، اورانہیں بخوبی اندازہ ہوگا کہ ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف وغیرہ کس طرح غریب اقوام کا خون چوستے ہیں اوراپنے تنخواہ دار ایجنٹوں کے ذریعے وہاں کس طرح اپنی مرضی کی حکومتیں مسلط کروا کر اپنی معاشی پالیسیاں جاری رکھتے ہیں۔ ماضی میں ایوب دور حکومت میں وزیرخزانہ شعیب احمد سے پاکستان کے درآمد شدہ وزرائے اعظم تک جن میں آخری شاہکار ''ٹریکل ڈاؤن اکانومی'' والے شوکت عزیز تھے اس کی شاندار مثال ہیں۔ یہ لوگ ایک مخصوص ایجنڈے کے تحت تشریف لاتے ہیں، اور پاکستانی عوام کی ہڈیوں سے گودا نکال کر رخصت ہوجاتے ہیں۔ ان کے سروں پر بیٹھے ہمارے صدور عموماً وہ آمر ہوتے ہیں جو اپنی چار روزہ عیاشی کیلئے ہر قیمت ادا کرنے پر ہر وقت تیار رہتے ہیں جن کی بدترین مثال گزشتہ دور حکومت تھا۔ ظاہر ہے نئی حکومت نے کاروبار مملکت سنبھالنے کے بعد کچھ تو انقلابی اقدامات کرنے تھے۔ ان کے ''انقلابی اقدامات'' اور وہ ''خفیہ معاہدے'' جو بدقسمتی سے کبھی آن ریکارڈ نہیں آتے' اس امر کے متقاضی تھے کہ پاکستان میں مہنگائی کا سیلاب آئے اور ایسا ہی ہوا۔

گزشتہ سال کے دوران اور نئے مالی سال کے آغاز پر ہمارے کارپردازان حکومت کی اقتصادی پالیسیوں کے نتیجے میں ملک میں معاشی غدر کی جو صورتحال پیدا ہوئی اس کا سب سے بڑا اور سب سے زیادہ بوجھ اس ملک کے غریب عوام پر ہی ڈالا گیا۔ عالمی منڈی میں تیل کی قیمتوں میں اضافے کو جواز بنا کر پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں جنگی بنیادوں پر اضافے کیے گئے، جن سے اشیائے صرف کی قیمتیں آسمان تک جا پہنچیں لیکن جب اسی عالمی منڈی میں تیل کی قیمتیں گریں تو ہماری عوامی حکومت کو تیل کے نرخوں میں کمی کا خیال نہیں آیا اور ایک ماہ سے زائد عرصہ گزر جانے کے باوجود قیمتیں آج بھی اسی سطح پر ہیں جہاں تیل کی فی بیرل قیمت 145 ڈالر ہونے پر مقرر کی گئی تھیں بلکہ وفاقی وزیرخزانہ کے مطابق اگلے ایک ماہ تک

تیل کی قیمتوں میں ردوبدل کرنے کا حکومت کا کوئی ارادہ ہی نہیں ہے۔

تیل کی قیمتوں میں کمی کرنے کی بجائے حکومت نے سابق وزیراعظم شوکت عزیز کی پالیسی کو جاری رکھتے ہوئے صرف یوٹیلٹی سٹورز پر اشیائے صرف کی قیمتوں میں کمی کا اعلان کیا ہے اور وہ بھی صرف 10 فیصد تک۔ وفاقی وزیرخزانہ سید نوید قمر اور یوٹیلٹی سٹورز کارپوریشن کے مینجنگ ڈائریکٹر بریگیڈیئر (ر) حفیظ احمد نے ہفتہ کو ایک پریس کانفرنس کے دوران رمضان پیکیج کا اعلان کرتے ہوئے بتایا کہ یوٹیلٹی سٹورز کارپوریشن رمضان کے دوران آٹے' چینی' دالوں اور دیگر اشیائے ضروریہ سمیت 1300 اشیاء کی قیمتوں میں کمی کر کے عوام کو ریلیف فراہم کرے گی۔ پیکیج کے مطابق ملک بھر میں یوٹیلٹی سٹورز کارپوریشن عوام کو 15 روپے کلو کی کم قیمت پر آٹا فراہم کرے گی جس سے عوام کو 9 سے 10 روپے فی کلو کی قیمت میں جبکہ چینی ساڑھے 30 روپے کلو دستیاب ہوگی۔ دال چنا 47 روپے' سفید چنا 63 روپے' بیسن 59 روپے اور چائے 375 روپے فی کلو کی قیمت پر دستیاب ہوگی۔ 1300 فوڈ اور نان فوڈ اشیاء پر 5 سے 10 فیصد ریلیف فراہم کیا جائے گا۔ یاد رہے کہ اس سے قبل حکومت کی جانب سے گزشتہ تین چار مہینوں کے دوران یوٹیلٹی سٹورز میں دستیاب اشیاء کی قیمتوں میں 30 سے 50 فیصد تک اضافہ کیا گیا تھا جس کے بعد یوٹیلٹی سٹورز کی افادیت ہی ایک سوالیہ نشان بن گئی تھی۔

اب ان قیمتوں میں محض 10 فیصد تک کمی اونٹ کے منہ میں زیرہ سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتی' خصوصاً اس تناظر میں کہ اس وقت بھی ملک کی کل آبادی کی اکثریت کی یوٹیلٹی سٹورز تک رسائی ممکن نہیں ہے۔ پھر یہ امر بھی دلچسپ ہے کہ جس روز حکومت کی جانب سے رمضان پیکیج کا اعلان کیا گیا' اسی روز وفاقی وزیرخزانہ سید نوید قمر نے نجی ٹی وی سے گفتگو کرتے ہوئے یہ بھی ''نوید مسرت'' سنادی کہ وفاقی حکومت نے بجلی کے نرخوں میں 31 فیصد اضافے کا فیصلہ کرلیا ہے' جس کا باضابطہ اعلان صدارتی انتخابات کے بعد کیا جائے گا۔ گویا کہ حکومت نے رمضان پیکیج کے ذریعے ایک ہاتھ سے ملک کے ایک محدود طبقے کو جو تھوڑا بہت ریلیف دینے کا انتظام کیا ہے تو دوسرے ہاتھ سے بجلی کی قیمتوں میں یکمشت 31 فیصد تک اضافے کی شکل میں اسے دگنا تگنا کر کے پورے ملک کے عوام سے وصول کرنے کا بندوبست بھی کرلیا ہے۔

یہ بھی درحقیقت اسی ''اس ہاتھ سے دو اس ہاتھ سے لو'' پالیسی کا تسلسل ہے جس سے سابق صدر پرویز مشرف کی اقتصادی ٹیم کے سربراہ اور سابق وزیراعظم شوکت عزیز نے قوم کو ''متعارف'' کرایا تھا اور جسے وہ ''ٹریکل ڈاؤن اکانومی'' کہتے تھے۔ وفاقی کابینہ نے گزشتہ دنوں اشیاء تعیش کی قیمتوں پر ڈیوٹی لگانے کا جو اقدام کیا تھا' اسے بالعموم سراہا گیا تھا اور توقع رکھی جارہی تھی کہ ڈیوٹی کی مد میں ہونے والی آمدنی سے عوام کو بنیادی ضرورت کی اشیاء کی قیمتوں میں ریلیف دیا جائے گا لیکن......

''اے بسا آرزو کہ خاک شدہ''

دوسری طرف اخباری اطلاعات کے مطابق اس فیصلے سے بھی غریب اور متوسط طبقہ ہی متاثر ہورہا ہے۔ چنانچہ ایک رپورٹ کے مطابق حکومت کی جانب سے درآمدی ڈیوٹی میں اضافے کے باعث برقی استعمال کی اشیاء کی قیمتوں میں 40 فیصد تک ہوشربا اضافہ ہوگیا ہے۔ وفاقی ادارہ آمدن (ایف بی آر) کے مطابق پر تعیش اشیاء میں گیس برنر' کوکنگ رینج' مائیکروویو اوون' پیڈسٹل' ایگزاسٹ اور سیلنگ پنکھے' اے سی' فریج اور

واشنگ مشینوں پر مجوزہ اضافی کسٹم ڈیوٹی کی شرح 15 فیصد ہے جبکہ الیکٹرانک کوکنگ رینج' اوونز' گرلرز' ٹوسٹر' کافی وینڈرز' استری' جوسر و بلینڈرز و دیگر اشیاء پر مجوزہ اضافی کسٹم ڈیوٹی کی مد میں 20 فیصد وصول کیے جائیں گے۔اس طرح برقی استعمال کی اشیاء جو پہلے عام آدمی کی پہنچ میں تھیں۔اب پر تعیش قرار دے کر متوسط آمدنی کے طبقے کی پہنچ سے دور کی جا چکی ہیں۔موبائل فونز جواب اشیاء تعیش نہیں رہے اور جن پر پہلے ہی 500 روپے کسٹم ڈیوٹی کی مد میں عائد کیے گئے تھے اب مزید 250 روپے تک مہنگے ہو گئے ہیں۔

حکومت کی جانب سے پر تعیش اشیاء پر اضافی ڈیوٹی کے نفاذ اور افراط زر کو قابو میں کرنے کی انہی پالیسیوں کے باعث آٹو موبائل کی فروخت میں حد درجہ کمی کا امکان ظاہر کیا گیا ہے۔مقامی اسمبلنگ کار کمپنیوں کی جانب سے 5 فیصد فیڈرل ایکسائز ڈیوٹی اور ایک فیصد جنرل سیلز ٹیکس اضافے کو بھی صارفین پر منتقل کیا جا رہا ہے۔جس سے ان کمپنیوں کی مصنوعات کی قیمتوں میں بھی اضافہ ہو گیا ہے جبکہ گاڑیوں کی رجسٹریشن پر ود ہولڈنگ اور لگژری ٹیکس کے نفاذ سے گاڑیوں کی خریداری مہنگی ہوتی جا رہی ہے۔گویا کہ درآمدی اشیاء پر ڈیوٹی عائد کرنے کے حکومتی فیصلے میں بھی صارفین کو ہی ہدف بنایا گیا ہے۔اس طرح متوسط طبقے کیلئے ذاتی سواری کا حصول بھی اب ایک خواب بن کر رہ جائے گا۔بجلی کی قیمت میں اضافے کا جو عذاب ہم پر جلد ہی نازل ہونے والا ہے' وہ اس کے سوا ہے۔یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ ہمارے ارباب اختیار خصوصاً وہ لوگ جو عالمی مالیاتی اداروں کے نمک خوار ہیں' یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ پاکستانی عوام بھی دنیا کے دوسرے انسانوں کی طرح گوشت پوست سے بنے ہیں۔جن کی ہڈیوں میں بھی اتنا ہی گودا ہے جتنا عام انسانوں کی ہڈیوں میں ہوتا ہے۔حکومتی پالیسیاں اگر عالمی اداروں ہی کی مرہون منت ہیں تو کیا ہم خود کو آزاد ملک کے شہری کہہ سکتے ہیں؟ یہ بدقسمتی نہیں تو اور کیا ہے کہ ہم آج 61 سال کے بعد بھی یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ کیا واقعی ہم آزاد ہیں؟ بظاہر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ملک توڑنے کا ایجنڈا بڑے زور و شور سے پورا کیا جا رہا ہے اور ''شر کے مصاحب'' ایک دوسرے سے بڑھ کر خود کو وفادار ثابت کرنے کے مشن پر گامزن ہیں۔ان حالات میں جبکہ ملک کا وزیراعظم عوام کو عالمی اداروں کی غنڈہ گردی کے ہاتھوں مجبوری کا نوحہ سنا رہا ہو' پاکستانی عوام کیا کریں......؟ کدھر جائیں......؟



# چلے تو کٹ ہی جائے گا سفر!



مکافاتِ عمل سے کسی کو مفر نہیں۔ انسان کتنا ہی چالاک ہوشیار عیار مکار ہو اور کیسا ہی طاقتور ہونے کا گمان رکھتا ہو۔ ایک وقت ایسا ضرور آتا ہے جب اسے حالات کے سامنے سرنڈر کرنا پڑتا ہے، اور اس کے سارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ اقتدار کی لت سے بڑا نشہ شاید دنیا میں اور کوئی نہیں۔ ابتدائے آفرینش ہی سے انسان اس نشے کا عادی رہا ہے اور زیادہ حاصل کرنے کی ہوس جسے "ہل من مزید" قرآن پاک نے قرار دیا بسا اوقات انسان کو کہیں کا نہیں رکھتی، لیکن کیا کیا جائے کہ انسان قرآن کے الفاظ ہی کے مطابق نصیحت حاصل نہیں کرتا۔ اپنے اقتدار کو دوام بخشنے کے لئے انتہائی گھٹیا قسم کے مفادات پر سودے بازی کرتا ہے۔ اپنے ضمیر اور ملکی سالمیت کے خلاف ہر وہ اقدام کرتا ہے جس سے اس کے مفادات وابستہ ہوں لیکن آخر کب تک بالآخر مکافاتِ عمل شروع ہوتا ہے، اور دستِ غیب سے ایسی سیاسی شطرنج تشکیل پاتی ہے جس میں اس بادشاہ گر کی حیثیت ایک مات کھائے ہوئے مہرے سے زیادہ اور کچھ نہیں رہ جاتی لیکن یہاں بھی وہ اپنی نیچر کے مطابق شکست تسلیم نہیں کرتا اور مزید سازشیں کرتا چلا جاتا ہے جس کا انجام بالآخر قعرِ مذلت کی گہرائی ہے جہاں سے اسے کبھی باہر نکلنا نصیب نہیں ہوتا۔

اگر قیامِ پاکستان سے آج تک کی تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو یہ امر بہت واضح ہوگا کہ ہمارے بیشتر طالع آزما فوجی جرنیل جب زمامِ اقتدار سنبھالتے ہیں تو سول حکومت پر بڑے گھناؤنے الزامات کی بوچھاڑ کرتے ہیں۔ سیاستدانوں کی کردارکشی کی جاتی ہے، اور ایک ایسا نام نہاد سا محکمہ بھی ضرور قائم کر دیتے ہیں جسے ان کی زبان میں "محتسب" لیکن اصل میں بلیک میلر کہا جاتا ہے۔ یہ محکمہ بظاہر تو اس لئے قائم ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے ملکی خزانہ لوٹا تھا ان پر گرفت کرے۔ کیفرِ کردار تک پہنچایا جائے اور ایسا ہوتا بھی ہے کچھ لوگ ضرور اس کا نشانہ بنتے ہیں لیکن ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہوتی ہے، اور عموماً ان کا تعلق اس شعبہ زندگی سے ہوتا ہے جس کا حکومت سازی میں کوئی کردار نہ ہو یا نہ ہونے کے برابر ہو۔ عموماً ہوتا یہ ہے کہ وہ بڑے بڑے مگرمچھ جنہوں نے قوم کا اربوں روپیہ ہڑپ کیا ہو اور اپنے سیاسی اثر و رسوخ سے اپنے قرضے بھی معاف کروا لئے ہوں فوجی حکومت کے زیرِ سایہ قائم ہونے والی سویلین حکومت میں بڑے نمایاں عہدوں پر دکھائی دیتے ہیں۔ یہ کارِ خیر اس محتسب کے ہاتھوں انجام پاتا ہے، جو فوجی آمروں کے دعوؤں کے مطابق کرپشن کا خاتمہ کرنے کے لئے قائم کئے جاتے ہیں لیکن جو بدترین اور کرپٹ سیاستدانوں کو قوم پر بطور عذاب مسلط کر دیتے ہیں۔

بدقسمتی سے شرمناک ہی سہی لیکن یہ ہماری تاریخ ہے جسے ہر آمرِ مطلق مختلف انداز سے دہراتا ہے اور اس پر اکڑفوں بھی دکھاتا ہے۔ یہ الگ بات کہ بے بس عوام اگر ان کا کچھ نہیں بگاڑ پاتے تو قدرت ضرور ان پر اپنا شکنجہ کستی ہے اور ایک روز وہ چوہا دان میں اسی طرح پھنستے ہیں کہ پھر نجات کی کوئی راہ میسر نہیں آتی۔

18 فروری کے انتخابات کن حالات میں ہوئے؟ کن مراحل سے گزر کر قوم نے یہ ٹارگٹ حاصل کیا۔ اس سے ہر باشعور شہری بخوبی آگاہ ہے۔ جب تک جناب شریف الدین پیرزادہ' ڈاکٹر شیر افگن اور اب اٹارنی جنرل ملک قیوم جیسے ماہرین آئین موجود ہیں ہر ڈکٹیٹر کے لئے کوئی نہ کوئی راستہ نکلتا رہے گا اور آئین کی دھجیاں اڑتی رہیں گی۔ کیا ہم آج یہ بات کہنے لائق رہے ہیں کہ 73ء کا آئین جسے ہم بڑے فخر سے متفقہ آئین کہا کرتے ہیں اپنی اصل حالت میں موجود ہے؟ جی نہیں۔ اس کا 80 فیصد حلیہ اگر فوجی آمروں نے بگاڑا ہے تو 20 فیصد پر سول حکمرانوں نے ہاتھ صاف کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ جیسے کوئی نئی حکومت وجود میں آئی ہے اس کے سر پر کوئی نہ کوئی آئینی شق کی تلوار لٹکتی دکھائی دیتی ہے۔

18 فروری کو قوم نے سیاسی جماعتوں کو جو مینڈیٹ دیا۔ اس نے یہ بات ثابت کر دی کہ پاکستان کے لوگ بہت باشعور ہیں اور اب وہ گلی محلوں کی نالیوں' سڑکوں اور گھر کے گٹروں سے بلند ہو کر سوچنے لگے ہیں۔ انہوں نے اس بنیاد پر ووٹ مانگنے والوں کو صرف اس لئے ووٹ نہیں دیئے کہ ان کے خیال میں یہ لوگ ایک آمر مطلق کے ساتھ اور پاکستان کو امریکی غلامی کی گود میں دھکیلنے والوں کے دست راست تھے، لیکن حیرت ہے کہ ہارنے کے باوجود یہ لوگ بڑی ڈھٹائی سے اپنی جیت کے ڈنکے بجاتے رہے۔ صدارتی محل کو سازشوں کا گڑھ بنائے رکھا اور ہر لمحہ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اب کچھ ہونے والا ہے۔ ایک بے نام سا خوف غریب عوام کے ذہنوں پر طاری تھا ہارنے والے جواری جن کا سب کچھ لٹ چکا تھا اپنی نام نہاد سیاسی دانش کے ڈنکے بجانے مختلف چینلز پر براجمان ہوئے اور ایک ہی رٹ لگائے رکھی کہ یہ حکومت نہیں بن سکے گی۔ جوتیوں میں دال بٹے گی۔ یہ لوگ اکٹھے نہیں چل سکتے وغیرہ وغیرہ، لیکن ان کی ساری بد دعائیں حسرت بن گئیں۔ حکومت بھی بن گئی۔ وزیراعظم کا انتخاب بھی ہو گیا۔ ایک دوسرے سے نظریاتی اختلاف رکھنے والی جماعتیں بھی ایک اتحاد میں بندھ گئیں۔

28 فروری سے 19 مارچ تک صدر محترم اور ان کے ساتھی قوم کو ڈراتے رہے اور مسلسل جوڑ توڑ میں مصروف رہے متعدد مرتبہ یہ کہا گیا کہ یہ صدر محترم کے عہدے کے شایان شان نہیں بالآخر انہیں ہتھیار ڈالنے پڑے اور بادل نخواستہ انہوں نے نہ صرف قومی اسمبلی بلکہ اب صوبائی اسمبلیوں کے سیشن بھی انتخابات کے نتائج کے قریباً پونے دو ماہ بعد کال کر لئے ہیں اس درمیان کیا کیا سازشیں ہوتی رہیں کن کن کارنرز سے متعلقہ کامیاب سیاستدانوں پر دباؤ ڈالا اور ڈلوایا گیا۔ امریکی اور دیگر سفارتکاروں نے کس کس انداز سے اپنا کام کیا یہ بھی ہماری بدبخت قومی تاریخ کا حصہ ہے۔ آخری لمحات تک ہمارے سیاستدانوں سے غیر ملکی اور پاکستانی سیاست و معیشت پر اثر انداز ہونے والے ملکوں کے سفارتکاروں کی ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ اس سب کے باوجود ایک قومی حکومت کا قیام عمل میں آ چکا ہے۔

سید یوسف رضا گیلانی گذشتہ حکومت کے سزا یافتہ ہیں۔ آپ کو غریب لوگوں کو اسمبلی میں معمولی ملازمتیں دینے کے جرم میں چار سال قید کاٹنی پڑی جہاں سے انہوں نے "چاہ یوسف سے صدا" کے عنوان سے اپنی آپ بیتی بھی لکھی تھی۔ آج وہی صدر مشرف انہیں بطور وزیراعظم قبول کریں گے۔ یہ تاریخ اور قدرت کا انصاف ہے کوئی اس کا جیسا بھی مطلب نکالے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ قدرت صدر جنرل (ر) پرویز مشرف کو بتا رہی ہے کہ انسان کتنا ہی بااختیار کیوں نہ ہو بہت بے بس ہوتا ہے، اور ہمیشہ رہنے والی صرف اللہ کی ذات بابرکات ہے۔ باقی سب کو فنا ہے لیکن افسوس ہمارے کمانڈو جرنیل ابھی تک آخری مکا لگانے کے چکر میں دکھائی دے رہے ہیں۔

نئی حکومت کے سامنے بڑے مشکل چیلنج ہیں۔ سب سے بڑا چیلنج تو اس حکومت کا قیام ہی تھا جو ختم ہو چکا۔ اب وہ وعدہ ہے جو انہوں نے مری میں قوم سے کیا تھا کہ 30 دن کے اندر عدلیہ کو بحال کیا جائے گا۔ جب عدلیہ کا لفظ کہا جاتا ہے تو اس سے مراد پاکستان کے مایہ ناز سپوت چیف جسٹس افتخار چودھری ہیں اور شنید ہے کہ اب کوئی ایسا فارمولا لایا جا رہا ہے جس سے سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے جبکہ بظاہر ایسا ممکن دکھائی نہیں دیتا۔ اگر ایسا کوئی فارمولا چیف جسٹس کو نفی کر کے سامنے لایا گیا تو قوم اسے قبول نہیں کرے گی، اور موجودہ حکومت کے لئے لاینحل مسائل کھڑے ہو جائیں گے کیونکہ آستین کے سانپ اور حکومت کے بدخواہ جو اس سے پہلے آمریت کے حاشیہ بردار تھے اچانک جمہوریت کے مامے بن جائیں گے۔ مہنگائی کا طوفان امڈا چلا آتا ہے اور ملکی معیشت کی ''ٹریکل ڈاؤن ٹیکنالوجی'' کا بانی اپنا مشن مکمل کر کے ملک سے فرار ہو چکا ہے۔ دہشت گردی نے پاکستان پر لرزہ طاری کیا ہوا ہے، اور امریکہ کی طرف سے آئے روز پاکستان کے شمال مغربی علاقوں میں مداخلت اور بمباری سے پاکستان کے اس بازوئے شمشیر زن کے غصے اور انتقام کی آگ اپنی انتہاؤں کو چھونے لگی ہے۔ ان مسائل سے نمٹنا تو مشکل ہے لیکن ناممکن ہرگز نہیں۔ ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ قوم کو اعتماد میں لیا جائے، اور اسے یقین آ جائے کہ یہ حکومت اپنا ایجنڈہ یعنی پاکستان کی فلاح و بہبود کا ایجنڈہ لے کر آئی ہے تو یاد رکھئے روئے زمین پر پاکستانیوں سے زیادہ بڑھ کر قربانی دینے والی اور کوئی قوم بظاہر دکھائی نہیں دیتی۔



# APDM



9 دسمبر کو ایک طویل نشست کے بعد بالآخر اے پی ڈی ایم کے زعما بغیر کسی نتیجے پر پہنچے اس فیصلے کے ساتھ اٹھ گئے کہ اے پی ڈی ایم میں شامل ہر پارٹی کو الیکشن میں حصہ لینے یا بائیکاٹ کرنے کا انفرادی اختیار حاصل ہے جس کے بعد مسلم لیگ (ن)، اے این پی، جے یو پی کے ایک گروپ اور جمعیت اہلحدیث (ساجد میر) نے الیکشن لڑنے جبکہ جماعت اسلامی، تحریک انصاف، بی این پی، پونم اور دیگر پارٹیوں نے الیکشن بائیکاٹ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ مسلم لیگ (ن) کے صدر شہباز شریف نے رات گئے فیصلے کا اعلان کرتے ہوئے امید ظاہر کی ہے کہ اے پی ڈی ایم کی پارٹیاں کسی فیصلے پر متفق تو نہیں ہو سکیں لیکن ان کا اتحاد ضرور قائم رہے گا اور وہ بھی پیپلز پارٹی کی طرح الیکشن میں بطور احتجاج حصہ لے رہے ہیں۔ اس سوال سے قطع نظر کہ میاں صاحبان نے پہلے بائیکاٹ کا فیصلہ کیوں کیا اور اب واپس کیوں لیا؟ اس فیصلے کا عوامی سطح پر اس لئے بھی خیر مقدم کیا جائے گا کہ مقابلہ کر کے میدان ہارنا اور بغیر مقابلہ کے میدان ہارنا دو بالکل مختلف باتیں ہیں۔ اگر حکومت نے دھاندلی کرنے کی ٹھان ہی لی ہے تو اس کا ثبوت عالمی برادری کے سامنے تب ہی آئے گا تو جب آپ میدان اتریں گے اگر آپ الیکشن میں حصہ ہی نہیں لیں گے تو عین ممکن ہے کہ آپ کی بات میں وہ وزن نہ رہے جو بصورت دیگر رہے گا۔

جہاں تک مسلم لیگ (ن) کے اس فیصلے کا تعلق ہے تو یہ بات نہیں بھولنی چاہئے کہ میاں نواز شریف 9 دسمبر تک اس لئے بائیکاٹ کی بات کر رہے تھے کہ ان کے نزدیک اے پی ڈی ایم کا اتحاد زیادہ اہمیت رکھتا تھا وگرنہ ان کی اپنی جماعت کی طرف سے تو ان پر زبردست دباؤ تھا کہ انتخابات میں حصہ لیں خصوصاً پنجاب جہاں انہیں زیادہ سیٹیں ملنے کی امید ہے کی طرف سے تسلسل سے یہ بات کہی جا رہی تھی کہ میدان خالی چھوڑنے سے ان کے ووٹر مایوس ہوں گے اور مسلم لیگ (ق) کی طرف جائیں گے جو کسی بھی لحاظ سے مسلم لیگ (ن) کے لئے احسن نہیں تھا۔

دوسری طرف میاں صاحب کے سیاسی مخالفین جن میں چوہدری برادران نمایاں ہیں متعدد مرتبہ یہ بات کہہ چکے تھے کہ میاں صاحب الیکشن کا بائیکاٹ نہیں کریں گے اور بقول چوہدری شجاعت کے (جو ابھی تک اس بات پر قائم ہیں کہ میاں صاحبان ڈیل کر کے واپس آئے ہیں) ان کی ڈیل میں یہ بات شامل ہے کہ وہ الیکشن میں حصہ لیں گے گو کہ اپنی آمد کے بعد سے میاں نواز شریف مسلسل اصرار کر رہے ہیں کہ وہ کسی ڈیل کے ذریعے نہیں بلکہ صرف ملک کی خدمت کے لئے واپس آئے ہیں اور ان کا مطمع نظر کرسی کا حصول نہیں ملک کی سلامتی ہے۔ اگر میاں نواز شریف کے اس دعوے کا جائزہ لیا جائے تو ان کے حق میں یہ بڑی مضبوط دلیل ہے کہ اگر وہ چاہتے تو پاکستانی عوام میں اپنی اچھی ساکھ کی بنیاد پر کوئی بھی بڑی ڈیل کر سکتے تھے اور اب ہی نہیں اب سے بہت پہلے کر سکتے تھے کیونکہ پاکستانی اسٹیبلشمنٹ میں اب بھی زیادہ تعداد ان لوگوں کی ہے جو محترمہ بے نظیر پر بہر حال میاں نواز شریف کو فوقیت دیں گے۔ خصوصاً پاکستان کے عسکری حلقے انہیں محترمہ بے نظیر سے زیادہ قابل اعتبار جانتے ہیں۔ بین الاقوامی

سروے جو آج تک سامنے آ رہے ہیں ان کے مطابق ابھی تک میاں نواز شریف پاکستان میں سب سے زیادہ مقبول ہیں اور ان کی مقبولیت کا گراف گرنے کی بجائے مسلسل بڑھ رہا ہے جبکہ جنرل (ر) مشرف اس سے متضاد صورتحال کا شکار ہیں اور ان کی مقبولیت کا گراف مسلسل گر رہا ہے۔

اس وقت پاکستان میں دو نقطہ نظر اپوزیشن کے بت واقع ہیں۔ ایک تو وہ لوگ ہیں جن کا یہ کہنا ہے کہ کسی مصلحت کو خاطر میں لائے بغیر الیکشن کا بائیکاٹ کیا جائے، اور اس وقت ہی الیکشن میں حصہ لیا جائے جب 3 نومبر کے ایمرجنسی حکم کے بعد برخاست کی جانے والی عدلیہ کو بحال کیا جائے کیونکہ اس تحریک میں جسے جنرل (ر) مشرف مخالف تحریک کا نام دیا جا سکتا ہے، سب سے اہم کردار چیف جسٹس افتخار چوہدری کا ہے۔ جنہوں نے صدر مشرف کے سامنے سر تسلیم خم نہ کر کے عدلیہ کی ایک روشن اور قابل تقلید روایت قائم کی ہے۔ ان کے دلیرانہ فیصلوں نے پاکستانی عوام خصوصاً سول سوسائٹی میں یہ امید روشن کی ہے کہ اب انصاف کا حصول پاکستان میں ممکن ہے۔

اس نقطہ نظر کے حامیوں میں غایت تعداد وکلاء کی ہے۔ گزشتہ دنوں وکلاء نے آل پاکستان کنونشن میں بھی تمام جماعتوں سے یہ اپیل کی گئی تھی کہ وہ انتخابات کا اس وقت تک بائیکاٹ جاری رکھیں جب تک کہ حکومت 3 نومبر کے اقدامات واپس نہیں لیتی۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ حکومت کے آمرانہ اقدامات کو چیلنج کرنے اور انہیں دیوار سے لگانے میں سب سے اہم رول وکلاء برادری کا ہے جنہوں نے چیف جسٹس آف پاکستان افتخار چوہدری کی اپنے عہدے سے جبری علیحدگی اور ان کے خلاف حکومت کے نام نہاد ریفرنس کے بعد ملک کے ایک سے دوسرے سرے تک شدید صدائے احتجاج بلند کی اور اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے جب تک کہ چیف جسٹس دوبارہ بحال نہیں ہوئے۔ گو کہ چیف جسٹس کی بحالی بھی عدالتی احکامات کے تحت ہوئی اور حکومت نے یہ کڑوی گولی جیسے تیسے نگل لی۔

اپنی بحالی کے بعد حکومت کو چیف جسٹس سے یہ امید ضرور تھی کہ وہ ماضی کی طرح حکومت سے "بہیمانہ سلوک" کے بجائے اس مرتبہ اپنا ہاتھ ہولا رکھیں گے لیکن حیرت انگیز طور پر جسٹس افتخار چوہدری نے کسی بھی سطح پر کسی بھی طرح کا کمپرومائز کرنے سے انکار کر دیا الا یہ کہ انہوں نے دو تین مرتبہ صدر مشرف کی طرف سے ملاقات کی خواہش یا کسی حکومتی دعوت میں شرکت سے بھی انکار کر دیا اور اپنا کام جاری رکھا۔

پاکستان میں کسی جمہوری حکومت کے لئے بھی جوڈیشل ایکٹوازم شاید کبھی اس حد تک قابل برداشت نہیں رہا یہ تو بہرحال ایک مارشلائی نظام کا تسلسل تھا۔ دوبارہ جب انہوں نے پھر سے اغوا ہونے والے پاکستانیوں کی بازیابی کے لئے نیم بسمل ان کے پیاروں کی اشک شوئی شروع کی اور حکومت کے غیر آئینی اقدامات کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہوئے اغوا ہو کر غائب ہونے والے شہریوں کی برآمدگی کے احکامات جاری کئے تو صدر مشرف کے لئے یہ بات ناقابل برداشت ہو گئی۔ ان کے غمخواروں نے کھل کر دھمکیاں دینی شروع کیں کہ اگر یہی سلسلہ جاری رہا تو صدر کوئی سخت قدم بھی اٹھا سکتے ہیں لیکن ماضی کی طرح ان کی ایسی بے سروپا باتوں پر کسی نے کان نہ دھرے۔ یہ باور کیا جانے لگا تھا کہ شاید وکلاء اور ملک کی سول سوسائٹی جس طرح متحرک ہوئی ہے۔ اس کے بعد شاید حکومت کوئی قدم اٹھانے سے پہلے کئی مرتبہ سوچے گی جبکہ شیخ رشید جیسے گھاگ جہاندیدہ اشارے کنایے میں سمجھا رہے تھے کہ ان حرکتوں سے باز آ جاؤ تمہیں حکومت کی طاقت کا اندازہ نہیں خصوصاً ایک ایسا صدر جو امریکی صدر کا بھی پسندیدہ رہا ہو اور جس کو امریکہ بہادر پاکستان سے آیا وہ تاس کی اپنی حیثیت میں اہمیت دے رہا ہو اس سے کچھ بھی بعید نہیں۔ بہرحال جب شیخ رشید

جیسے لوگوں کی وارننگ پر بھی کان نہ دھرے گئے تو وہی ہوا جس کا خطرہ تھا اور صدر محترم نے 3 نومبر کو ایمرجنسی پلس نافذ کر دیا جس میں سب سے پہلا وار عدلیہ پر ہوا۔ ان تمام ججوں کو ریٹائر کر کے گھر روانہ کر دیا گیا جن سے امید تھی کہ وہ حکومت کے راستے میں کسی بھی طرح روڑے اٹکائیں گے۔ جاتے جاتے چیف جسٹس افتخار چوہدری نے ایمرجنسی کے خلاف فیصلہ دیا وہ حکومت کے لئے ایک اور مصیبت بن گیا۔ اس کے بعد تو صدر مشرف کے لئے کوئی گنجائش ہی باقی نہیں بچی۔ نتیجہ یہ ظاہر اب جج صاحبان اپنے گھروں میں اور تحریک وکلاء کے لیڈر صاحبان جیلوں کے بعد اپنے گھروں میں نظر بند ہیں۔

اس نقطہ نظر کے حامیوں کا کہنا ہے کہ اب الیکشن سے زیادہ اہم مسئلہ عدلیہ کی بحالی ہے کیونکہ قوم کے دلوں میں امید کی کرن اسی عدلیہ نے جگائی تھی اور یہی عدلیہ آئندہ بھی ملک کی قسمت کے اہم فیصلے کر سکتی تھی اس لئے وہ کسی بھی مصلحت کو خاطر میں لائے بغیر بائیکاٹ پر زور دے رہے ہیں اس نقطہ نظر کے حامیوں میں عمران خان اور قاضی حسین احمد نمایاں ہیں لیکن جہاں تک سیاست کا تعلق ہے اسے کبھی بھی اس حقائق سے الگ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔ یہاں یہ دیکھا جاتا ہے کہ بات کہنے والا کون ہے؟ اس کی پارٹی نے اسمبلی میں کتنی سیٹیں حاصل کی تھیں، اور مروجہ سیاسی دوڑ میں اس کا نمبر کون سا ہے؟ بدقسمتی سے عوام خصوصاً نوجوانوں میں بے پناہ مقبولیت کے باوجود عمران خان ابھی تک اس پوزیشن میں نہیں کہ اگلے انتخاب میں ان کی جماعت کوئی نمایاں حیثیت حاصل کر سکے۔ یہی حال جماعت اسلامی کا ہے۔ پاکستانی عوام خصوصاً سیاسی حلقوں میں یہ بات راسخ ہے کہ جماعت اپنی حیثیت میں دو تین سے زیادہ سیٹیں ہرگز حاصل نہیں کر سکتی۔ البتہ اس کے لیے کولیشن اور کسی گٹھ جوڑ کے ساتھ سیٹیں حاصل کرنے کے مواقع زیادہ روشن ہیں یہ باور کیا جاتا ہے کہ جماعت بھی اپنا بھرم بنائے رکھنے کے لئے اتحادی سیاست پر ہی زیادہ زور دے گی۔ مولانا فضل الرحمٰن نے جو فیصلہ پہلے روز کر لیا تھا وہ میاں نواز شریف نے بعد از خرابی بسیار کیا ہے۔ مولانا فضل الرحمٰن جن کے متعلق عموماً حکومت کی بی ٹیم ہونے کا عندیہ دیا جاتا ہے کے متعلق یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ کم از کم سرحد میں وہ کسی بھی پارٹی سے اتحاد کر کے اپنی حکومت قائم کر سکتے ہیں اور بلوچستان میں اپنی حیثیت میں حکومت کا اہم حصہ بن سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا نے خود کو وزارت عظمیٰ کی دوڑ میں شامل کر لیا ہے۔ ایم ایم اے کا حصہ ہونے کے باوجود ان کی طرف سے فوراً انتخابات میں حصہ لینے کا فیصلہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے اپنی سیاسی طاقت کا جائزہ لینے کے بعد ہی یہ فیصلہ کیا ہوگا۔ مولانا فضل الرحمٰن کا استدلال شروع سے یہی رہا ہے کہ اے پی ڈی ایم کی جو پارٹیاں الیکشن بائیکاٹ کی طرف جا رہی ہیں وہ لیٹر پیڈ پارٹیاں ہیں جن کی رائے کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔

اس مرحلے پر محترمہ بے نظیر بھٹو کی سیاسی بصیرت کی تعریف نہ کرنا زیادتی ہوگی، جو نواز شریف کو بار بار یہی مشورہ دے رہی تھیں کہ وہ بائیکاٹ سے احتراز کریں اور حکومتی پارٹی کو دو تہائی اکثریت حاصل کرنے کے لئے میدان خالی نہ چھوڑیں اگر ایسا کیا گیا تو 3 نومبر کے تمام فیصلوں پر مہر تصدیق ثبت ہو جائے گی جبکہ پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ (ن) مل کر اس کے راستے کی دیوار بن سکتے ہیں۔

انتہائی معتبر ذرائع کے حوالے سے یہ خبر بھی سامنے آئی ہے کہ محترمہ بے نظیر بھٹو نے میاں نواز شریف کو 9 دسمبر کو دوران اجلاس فون کر کے 18 ویں ترمیم کا راستہ روکنے کے معاہدے کی پیشکش بھی کی ہے۔ انہوں نے میاں صاحب سے کہا تھا کہ اگر انہوں نے الیکشن نہ لڑا تو مشرف کو 3

نومبر کے اقدامات کی پارلیمنٹ سے توثیق کا موقع مل جائے گا جبکہ دونوں جماعتیں مل کر پارلیمنٹ میں عدلیہ کی بحالی کا ٹارگٹ حاصل کر سکتی ہیں۔

قاضی حسین احمد کے اس شکوے کے باوجود کہ میاں نواز شریف نے ان سے الگ راستہ اپنے ساتھیوں کے دباؤ میں اختیار کیا تھا اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ محترمہ کے اس فون نے بھی میاں صاحب کی رائے میں کوئی نہ کوئی کردار ضرور ادا کیا ہے۔

اس حقیقت کے باوجود وکلا تحریک نے بھی اس صورتحال کی تبدیلی میں سب سے زیادہ موثر اور اہم کردار ادا کیا ہے ورنہ سرکاری ماہرین آئین جن میں سردار شیر افگن، شریف الدین پیرزادہ اور اب فیصلے میں اٹارنی جنرل ملک قیوم جیسے نابغہ روزگار بھی شامل ہو گئے ہیں ضرور پاکستانی آئین سے کوئی ایسا راستہ تلاش کر لیتا تھا کہ فلاں شق کو فلاں سے اور فلاں شق کو فلاں سے ملا کر اگر غور سے پڑھا جائے تو ایسے موجودہ حکومت کے لئے مزید بیس سال حکومت کرنے کی گنجائش موجود ہے ایسے آئینی معرکے اس سے پہلے انجام پا چکے ہیں۔ یہ وکلاء اور سول سوسائٹی قربانیوں کا ثمر تھا کہ حکومت کو بہر حال اسمبلی کی معیاد پوری کرنے کے بعد الیکشن کے لئے جانا پڑا لیکن اس کے باوجود حکومت کے لئے میدان خالی چھوڑنا بھی مناسب نہیں تھا۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلم لیگ (ن) اور دیگر اپوزیشن جماعتیں کوئی ایسا لائحہ عمل اختیار کریں کہ انہیں اسمبلیوں میں کم از کم حکومتی فیصلوں کو تبدیل کرنے کا اختیار ضرور حاصل ہو جائے عین ممکن ہے اگر متحدہ اپوزیشن کسی واضح پروگرام کے تحت الیکشن لڑے تو ایسے بعض انقلابی تبدیلیوں کا نظارہ بھی کر لیں۔ آج 16 دسمبر ہے اور امید ہے کہ صدر جنرل (ر) پرویز مشرف نے ایمرجنسی ہٹا لی ہوگی۔ عین ممکن ہے اگلے چند دنوں میں کچھ اور انقلابی اقدامات بھی دیکھنے کو ملیں۔



# سکے جمع کرنے کا شوق



جاوید انور خان پاکستانی نژاد ہالینڈ کے شہری ہیں جن کا شمار دنیا کے چندان لوگوں میں ہوتا ہے جن کو سکے جمع کرنے کا جنون کی حد تک شوق ہے، اور جن کے پاس دنیا کے بہت سے نایاب سکے ہیں۔ جاوید انور خان پیشے کے لحاظ سے صحافی ہیں اور ہالینڈ سے ایک آدھ رسالہ بھی نکالتے ہیں۔ انہوں نے دنیا کی کئی نایاب ویڈیو فلمز بھی جمع کی ہوئی ہیں۔ انہیں خود ڈاکومنٹریز بنانے کا شوق بھی ہے اور اب تک درجنوں ایسی نایاب ڈاکومنٹریز بنا چکے ہیں جن کی داد انہیں اکثر ملتی رہتی ہے۔ ان کے پاس نایاب تاریخی کتب بھی محفوظ ہیں۔

جاوید انور خان کی شدید خواہش ہے کہ پاکستان کے نوجوان ملک کی تاریخ میں دلچسپی لیں۔ انہوں نے جو تاریخی نوعیت کی چیزیں جمع کی ہیں انہیں وہ افادہ عام کیلئے مختص کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں بطور پاکستانی اس بات کا بہت دکھ ہے کہ پاکستان میں دنیا کی قدیم ترین تہذیب ٹیکسلا اور موہنجوداڑو ہیں لیکن ہم دنیا کو اپنی طرف متوجہ نہیں کر سکے۔

انہوں نے اپنے شوق کی تفصیلات بتاتے ہوئے کہا کہ بچپن میں ان کے والد نے انہیں ایک مرتبہ پانچ سکے دیئے تھے جو انہوں نے بڑے اہتمام سے اپنے کمرے میں سجا لئے جس کے بعد سے انہیں سکے جمع کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ جب میں ہالینڈ آیا تو اس میں مزید اضافہ ہوا۔ اس شوق نے مجھے بہت علم سے نوازا۔ کسی ملک کا سکہ دراصل اس ملک کا چہرہ ہوتا ہے جس طرح ہم چہرہ دیکھ کر قیافہ شناسی کرتے ہیں۔ اسی طرح میں کسی بھی ملک کا سکہ دیکھ کر اس ملک کی نفسیات کا اندازہ کر سکتا ہوں' مثلاً وہاں کی اکانومی' سیاست' کلچر' انڈسٹری اس سب کا عکس اس ملک کے سکے میں دکھائی دیتا ہے۔



آپ یہ بات کس طرح کہہ سکتے ہیں؟

اس پر جاوید انور خان نے مجھے کینیڈا کے سکوں کی فائل دکھائی اور بتایا کہ آپ دیکھیں یہ کتنے چمکدار اور واضح ہیں اور ان پر تصاویر اور حروف نمایاں ہیں۔ ان میں دو تا پندرہ سال پرانے سکے تھے اور وہ سب ابھی تک نئے دکھائی دے رہے تھے۔ اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس ملک کی اکانومی مضبوط ہے اور خاصی سلیقہ مند قوم ہے۔

اس کے بعد انہوں نے مجھے گیمبا کے سکوں کی فائل دکھائی جس کے ایک طرف وہاں کے بادشاہ کی اور دوسری طرف ایک گائے کی تصویر بنی ہوئی تھی اور اسے دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا کہ یہ کسی انتہائی غیر ترقی یافتہ قوم کا بنا ہوا سکہ ہے جسے اس بات کا بھی شعور نہیں کہ سکے پر جانور کے ساتھ انسان کی تصویر نہیں ہونی چاہئے۔ اس طرح یہ بڑی رقم کا سکہ تھا لیکن بمشکل ایک سال پہلے بننے کے باوجود میلا ہو رہا تھا۔

اس کے بعد انہوں نے مجھے 1955ء کا پاکستان کا ایک پیسے کا سکہ دکھایا اور اس کے موجودہ ایک روپے کا سکہ دکھایا اور بتایا کہ ایک روپے

کا سکہ ایک پیسے سے چھوٹا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہماری اکانومی زوال پذیر ہے اور حکومتی دعوے صرف کاغذی کارروائی ہیں۔ اس دور میں یعنی 1955ء میں جو حیثیت اس ایک پیسے کے سکے کی تھی وہ آج کے ایک روپے کی نہیں ہے کیونکہ اب فقیر کو بھی اگر ایک روپیہ خیرات دیں گے تو وہ انکار کر دے گا۔

جاوید انور خان کہتے ہیں کہ سکے جمع کرنے کا شوق دنیا کا قدیم ترین شوق ہے اور یہ دیر پا رہنے والا شوق ہے۔ اس کی مثال دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ سینکڑوں سال پہلے کے سکے بھی دنیا میں موجود ہیں، جب لوگ ایک دوسرے سے تجارت اور لین دین کیلئے ان کا استعمال کیا کرتے تھے اور ان کی قیمت وقت کے ساتھ کم ہونے کے بجائے بڑھتی ہے۔ فرض کیا آپ ڈاک ٹکٹیں جمع کرتے ہیں' اگر خدانخواستہ پانی میں البم گرے یا کسی اور طرح اسے نقصان پہنچے گا' سکوں کا معاملہ یہ نہیں یہ ہمیشہ محفوظ رہتے ہیں۔

جاوید انور خان نے بتایا کہ آج بھی آپ کو سکندر اعظم کے دور کے سکے مل جاتے ہیں جو محفوظ ہیں۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ انسان نے سکوں کا استعمال کب سے شروع کیا ہوا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ دنیا کی تین قدیم ترین تہذیبیں ہیں' مصر' بابل نینوا اور موہنجوداڑو۔ ان میں سے ایک پاکستان میں ہے لیکن ہم کتنے بدقسمت لوگ ہیں کہ آج تک اپنی اس قدرتی اور تاریخی تفاخر کا بھی ڈھنگ سے استعمال نہیں کر سکے اور دنیا کو اس طرف مائل نہیں کر سکے جبکہ غیر ممالک خصوصاً مغربی ممالک اپنے تہذیبی اثاثے کی دیکھ بھال دل و جان سے کرتے ہیں اور ان پر بڑا فخر کرتے ہیں۔

انہوں نے انکشاف کیا کہ دنیا کی پانچ قدیم ترین ٹکسالوں میں سے ایک ٹکسال چنیوٹ شہر میں تھی جس کا شاید ہمارے ہاں بہت کم لوگوں کو علم ہے۔

یہ تاریخی سند آپ کو کہاں سے ملی؟ میں نے پوچھا۔

انہوں نے کہا کہ مجھ پر یہ انکشاف لندن میں کوئن ''کوائن کیٹلاگ'' کے مطالعے سے ہوا اور میں خود اس پر حیران رہ گیا کہ یہ تحقیق تو کسی پاکستانی ماہر تاریخ کو کرنی چاہیے تھی۔

میں نے سوال کیا کہ یہ تو بہت مہنگا شوق ہے اور ہر کسی کے بس کی بات بھی نہیں؟ جس پر انہوں نے بتایا کہ جو لوگ سکے جمع کرتے ہیں وہ تو اپنی زندگی میں انہیں کبھی فروخت نہیں کرتے ان کے بعد اس اثاثے سے کوئی کیا سلوک کرتا ہے' یہ ان کا مسئلہ نہیں اور دوسری بات یہ کہ ان کی قیمت ان کے قدردان کے پاس تو ہے عام آدمی کے پاس نہیں۔ اس طرح دنیا کے باقی نوادرات ہیں' ان کی قدر صرف اس کیلئے ہے جو ان کی اہمیت کو جانتا ہے۔

انہوں نے مختلف ممالک کے یادگاری سکے دکھاتے ہوئے کہا کہ جب بھی کوئی ملک کسی خاص موقع پر اپنا یادگاری سکہ جاری کرتا ہے تو اس کی اہمیت قدرتی طور پر معمول کے سکے سے زیادہ ہو جاتی ہے۔ فرض کیا وہ سکہ 10 روپے کا ہے تو کم تعداد میں جاری ہونے کی وجہ سے سکے جمع کرنے کے شوقین اسے زیادہ قیمت میں خریدیں گے، اور اس کی قیمت وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہی جائے گی جس کا فائدہ براہ راست اس ملک کو

ہوتا ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے یورپی ممالک کی مثال دیتے ہوئے کہا کہ وہ سال میں کم از کم تین چار یادگاری سکے تیار کرتے ہیں جبکہ پاکستان اس معاملے میں انتہائی غفلت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اس سلسلے میں ہمارے محکمہ ڈاک کی کارکردگی تو بے مثال ہے۔ وہ تو یادگاری ٹکٹ جاری کرتے ہیں جبکہ پاکستانی حکومت یادگاری سکے کافی عرصے سے جاری نہیں کر رہی جس کی وجہ سمجھ سے بالاتر ہے۔

جاوید انور خان نے بتایا کہ جب کوئی ملک یادگاری سکے جاری کرتا ہے تو دنیا بھر میں اس کی شہرت ہوتی ہے اور اس کا تذکرہ ہوتا ہے۔ پاکستان میں کتنے اہم واقعات ہوئے' کتنے کارنامے انجام پائے' ہم نے ایٹمی دھماکہ کیا لیکن کسی پر کوئی یادگاری سکہ جاری نہیں کیا بلکہ بھارت کا طرز عمل ہم سے بالکل مختلف ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر ہم جے ایف 17 ' آبدوز بنانے پر' شاہراہ ریشم پر' موہنجوداڑو پر' ٹیکسلا پر' کے ٹو پر' گلیشیر پر' پاکستان میں ہونے والی گیمز پر' کرکٹ ورلڈ کپ جیتنے پر اور ایسے ہی کئی اہم مواقع آئے ہیں جب ہم یادگاری سکہ جاری کر سکتے تھے' لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا۔ یہ صرف ہماری نالائقی ہے۔ جس کا کوئی بھی جواز پیش کرنا غلط ہے۔

سکھ مذہب کے بانی نے سکھ ازم کا آغاز یہاں سے کیا تھا' کیا ہم گورونانک کی جنم برسی پر کوئی یادگاری سکہ جاری نہیں کر سکتے جو دنیا بھر کے لاکھوں سکھ عقیدت اسے اپنے پاس رکھیں گے اور ہماری مذہبی رواداری کا بھی تذکرہ ہوگا کیونکہ پاکستان پر اس حوالے سے کئی الزامات لگائے جاتے ہیں۔

انہوں نے بتایا کہ دنیا کے 25 ممالک نے اپنے سکوں پر اپنے نقشے بنائے ہیں' الا یہ کہ یورو پر بھی یورپ کا نقشہ بنا ہوا ہے لیکن ہم نے کبھی اس کا تکلف نہیں کیا۔ اگر ہم یادگاری سکے پر نقشہ بناتے جس میں کشمیر کو متنازعہ کے بجائے پاکستان کا حصہ دکھایا جاتا تو ہم مسئلہ کشمیر پر رائے عامہ کو خاصی حد تک ہموار کر سکتے تھے۔ یہ کام بھارت نے کیا ہے۔ ہم صرف تنقید اور طعنوں سے گزارہ کر رہے ہیں۔ آپ کو حیرت ہوگی کہ پرتگال جیسے ملک نے ہاکی کا یادگاری سکہ بنایا ہے' لیکن شاید ہی انہوں نے کبھی ہاکی کیلئے کوالیفائی کیا ہوگا لیکن ہم نے جو کبھی ہاکی کے بے تاج بادشاہ تھے' آج تک یہ تکلف نہیں کیا۔

انہوں نے کہا کہ پاکستان میں سکے جمع کرنے کے شوقین لوگوں کو البم بھی میسر نہیں آتے۔ شاید پورے پاکستان میں ایک دکان سے ملتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ اس شوق کی حوصلہ افزائی کی جائے تاکہ مثبت سرگرمیوں کا فروغ ہو۔

انہوں نے بتایا کہ 1985ء تک پاکستان کے 59 قسم کے سکے بنے۔ 1948ء سے سکے بنانے کا آغاز ہوا۔ اب تک اس ترتیب سے سکے بنائے گئے۔

(1) موری والا پیسہ (2) ½ آنہ (ٹکہ) (3) ایک آنہ (4) دو آنہ (دوانی) (5) ¼ روپیہ (چوانی) (6) ½ روپیہ (آٹھ آنے) (7) ایک روپیہ

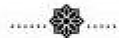
3 پائی = ایک پیسہ

4 پیسہ = ایک آنہ

16 آنہ=ایک روپیہ

ایک پائی 1951ء میں پہلی بار پاکستان میں بنی اور جاری ہوئی جو کہ 1957ء تک بنتی رہی۔اس کے بعد پائی بنی ختم ہوگئی۔شروع میں چاند کا رخ دائیں طرف تھا لیکن 1950ء میں بائیں طرف کردیا گیا۔اب تک پاکستان نے درج ذیل یادگاری سکے جاری کئے۔

ہجری 1401 پر 1980ء میں' اسلامی سمٹ پر 1974ء (ینار 1977ء)' علامہ اقبال 1977-1877ء ورلڈ خوراک کا دن 1981ء' قائداعظم محمد علی جناحؒ کے صد سالہ پیدائش پر یادگاری سکہ 1976ء' علامہ اقبال صد سالہ پیدائش پر 1977ء' 1976ء مگرمچھ' سونے سکہ 500 روپے (صد سالہ تقریب پیدائش قائداعظم محمد علی جناحؒ)' سونے سکہ 500 روپے (صد سالہ تقریب پیدائش علامہ محمد اقبالؒ) سونے کا سکہ 3000 روپے (برفانی ہرن)' 1974ء میں پہلی بار مینار پاکستان، پاکستان کے سکوں پر بنایا گیا۔



# پراسرار خزانہ

پُراسرار خزانہ...... کہانی ہے ایک حیرت واسرار میں ڈوبی ہوئی رومانوی داستان کی، جسکا آغاز ہزاروں سال قبل ٹیکسلا (پاکستان) کے محلات (آج کے کھنڈرات) میں ہوا اور اختتام تبت کے پراسرار جنگلوں اور پہاڑوں میں۔ یہ کہانی گھومتی ہے انسانی محبت اخلاص اور ہمدردی کے جذبات کے گرد، اور اسے سنگین بناتی ہے انسان کی لالچ، طمع اور خودغرضی کے جذبے۔ ایک بے قرار، بھٹکتی رُوح کو سکون اور چین دینے کے لیے کیے گئے دشوار گزار سفر کی داستان، جس میں کچھ لوگوں کے پیش نظر ایک بیش بہا خزانہ بھی تھا۔ پُراسرار خزانہ کو **ناول** سیکشن میں دیکھا جاسکتا ہے۔

# اب کیا ہوگا؟

ایمرجنسی یا منی مارشل لاء کے نفاذ کے بعد سے یقیناً آپ کے ذہن میں بھی یہی سوال جنم لے رہا ہوگا کہ اب کیا ہوگا؟ کیونکہ ہر محبِّ وطن پاکستانی جو اپنی زمین سے کسی نہ کسی حوالے سے جڑا ہوا ہے اس فکر میں مبتلا ہے کہ آج جب دنیا سمٹ کر سیٹلائٹ کے ذریعے گلوبل ولیج میں تبدیل ہو چکی ہے' انسان ستاروں پر کمندیں ڈال چکا ہے اور اب مریخ کی تسخیر پر گامزن ہے' ہمارے ہمسائے میں اور دنیا کے نقشے پر ایسے ممالک جو آبادی' وسائل' کمٹمنٹ غرض ہر طرح ہم سے کمتر ہیں' ترقی کی دوڑ میں ہم سے آگے بھاگ رہے ہیں جبکہ ہم کولہو کے بیل کی طرح ابھی تک ایک ہی جگہ چکر لگا رہے ہیں۔ آنکھوں پر چڑھے خول نے ہم سے دیکھنے کی حس ہی چھین لی ہے۔ ہم یہی سمجھتے ہیں کہ صبح سے شام تک مسلسل چلنے کے بعد ہم نے لمبا سفر طے کر لیا ہے لیکن کولہو کے بیل کی طرح ہمیں اس بات کا اندازہ ہی نہیں ہو پاتا کہ ہمارا سفر جہاں سے شروع ہوا تھا' گھوم پھر کر وہیں پر ختم ہو گیا ہے۔ گو کہ آنکھوں سے پٹی اترنے کے بعد ہم اس تلخ حقیقت سے آشنا ہوتے ہیں لیکن نہیں جان پاتے کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ اس میں قصور کس کا ہے؟ بیلوں کو ہانکنے والوں کا یا آنکھوں پر پٹی چڑھائے بیلوں کا؟ ''عوام'' نام کی جو شے ہمارے ہاں پائی جاتی ہے وہ کسی ملک کی تعمیر و ترقی میں بنیادی کردار ضرور ادا کرتی ہوگی لیکن ہمارے ہاں یہ مرتبہ صرف ''خواص'' کو حاصل ہے۔ پاکستان کی تعمیر میں ضرور پاکستان میں بسنے والے ''موجودہ عوام'' کے بزرگوں کا خون شامل تھا' یقیناً لاکھوں جان و مال اور عزت و آبرو کی قربانیاں ان ہی کا حصہ ہیں لیکن قیام پاکستان کے کچھ ہی عرصہ بعد جب پاکستان میں بسنے والے ''عوام'' کے قائد اور باپ ہمارے قائداعظمؒ نے اس دارِ فانی سے اس حالت میں کوچ کیا کہ ان کو لے جانے والی ایمبولینس کا انجن خراب ہو گیا تھا' اور اپنی مطلوبہ جگہ پہنچنے میں جو دیر ہوئی بظاہر وہی اس قائداعظمؒ کی رحلت کا باعث بنی۔ اس کے ساتھ ہی جیسے ساری قوم جسے عوامی راج قائم ہونے کے بعد ''عوام'' کہا جاتا ہے' کے سر سے گویا باپ کا سایہ اٹھ گیا۔

اس یتیم و یسیر اور بے آسرا ہو جانے والے انسانی گروہ کو جس کی حیثیت اب قوم سے عوام اور پھر عوام سے بھیڑ بکریوں کی بن چکی تھی' ہمارے ''خواص'' نے اپنے گھر کی باندی بنا لیا۔ ظاہر ہے جب انسان بے سہارا' بے آسرا اور بے یار و مددگار ہو جائے' جب اسے اپنے چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا دکھائی دینے لگے تو اس کی حالت ڈوبنے والے اس سیلاب زدہ کی سی ہو جاتی ہے جو اپنی جان بچانے کیلئے سانپ کو رسی اور مگرمچھ کو بانس سمجھ کر ہاتھوں میں تھام لیتا ہے۔ یہ رسیاں اور بانس اسے ایک مرتبہ سطح آب پر لے بھی آتے ہیں لیکن اس کے بعد انہیں جس صورتحال کا سامنا ہوتا ہے' اس کا تصور ہی سوہان روح ہے۔ ڈوبنے والا یہ تو سمجھ جاتا ہے کہ اس نے اپنی مدد کیلئے ''آسرا'' جان کر جس کا ہاتھ تھاما تھا وہ کوئی تیراک یا ٹوٹنے والے جہاز کا تختہ نہیں بلکہ انسان کش زہریلے جانور ہیں' اور اس غلطی کا خمیازہ کم از کم موت ہے جو ان کا نصیبا بن جاتی ہے۔

قیام پاکستان سے لمحہ موجود تک اس ملک کی قسمت سے کھیلنے والے ''خواص'' کی اخلاقی جرأت کا یہ عالم ہے کہ انہوں نے آج تک جو کچھ

اچھا یا برا کیا وہ ''عوام'' کے نام پر کیا اور المیہ یہ ہے کہ ''عوام'' کو سب کچھ معلوم ہو جانے کے بعد علم ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ کیا ہو گیا ہے۔

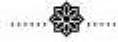
فیلڈ مارشل جنرل ایوب خان نے پاکستان میں مارشل لاء کو متعارف کروایا اور اس حوالے سے جو وجوہات بیان کیں اگر ایمانداری سے ان کا تجزیہ کیا جائے تو وہ تمام وجوہات ان کے جانے کے بعد بھی موجود رہیں بلکہ ان میں اضافہ ہی ہوا۔ آپ نے بھی بڑے انقلابی قدم اٹھائے۔ ملک کو نیا قانون دیا جسے غالباً 62ء کا آئین کہتے ہیں۔ بنیادی جمہوریت کا نظام متعارف کروایا جسے ان دنوں بی ڈی سسٹم کہتے تھے۔ آپ کا بھی یہی خیال تھا کہ جب تک ''عوام'' کو براہ راست کاروبار مملکت میں شامل نہیں کیا جاتا تب تک ملک چلتا دکھائی نہیں دیتا اور ''عوام'' کا براہ راست حصہ حکومت میں ڈالنے کیلئے آپ کے نزدیک بی ڈی سسٹم ہی بہترین سسٹم تھا۔ صدر ایوب خان کے نزدیک عوام کے یہ منتخب نمائندے ہی دراصل براہ راست صدر کا انتخاب کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں اور یہی وہ نابغۂ روزگار تھے جنہوں نے جنرل ایوب خان کو قائداعظمؒ کی بہن مادر ملت محترمہ فاطمہ جناحؒ کے مقابلے میں الیکشن جتوا دیا۔ ان بی ڈی ممبران کا خیال تھا کہ فیلڈ مارشل ایوب خان کاروبار مملکت چلانے کیلئے مادر ملت محترمہ فاطمہ جناحؒ سے زیادہ بصیرت اور مہارت رکھتے ہیں' وہ جو قائداعظمؒ کی زندگی کی آخری سانسوں تک ساتھی رہیں' جو پاکستانی عوام کیلئے ''مادر ملت'' تھیں۔ انہیں ہمارے بی ڈی ممبران نے اس لائق نہ جانا کہ وہ پاکستان کی زمام اقتدار سنبھال سکیں۔ بہرحال جنرل ایوب خان نے پاکستان کی تعمیر و ترقی میں جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے وہ تاریخ کا حصہ ہیں جن کے مطالعے سے تاریخ کے طالب علم آج بھی عبرت حاصل کرتے ہیں۔

اس کے بعد جنرل یحییٰ خان کا دور آیا۔ آپ نے بھی طبقہ اشرافیہ کا ایک شرف یافتہ نمائندہ ہونے کے ناطے اپنے قومی فرائض کی بجا آوری کو ضروری جانا اور اپنے پیشرو جنرل ایوب خان کی طرف سے تحفہ میں ملنے والی حکومت کو ''عوام'' کے عظیم تر مفاد میں قبول کر لیا اور ''عوام'' کے مزید عظیم تر مفادات میں انقلابی اقدامات کا بھرپور آغاز بھی کر دیا۔ اسی ''آغاز'' کا ''انجام'' بھی تاریخ کا حصہ ہے جس کا شکار بہرحال ''عوام'' ہوئے' خواص پر کوئی آنچ نہیں آئی۔ لاّیہ کہ جنرل یحییٰ خان بھی طبعی موت مرے اور ''عوام'' کو ملک آدھا کر کے بے یار و مددگار چھوڑ گئے۔

ان کی رحلت کے بعد جنرل ضیاء الحق نے اپنے نازک کندھوں پر عوامی فلاح و بہبود اور پاکستان کو عظیم تر مملکت بنانے کا بیڑہ اٹھایا۔ آپ کو ''غیبی مدد'' بھی بصورت جہاد مل گئی۔ اس جہاد کا باقاعدہ آغاز تو ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں ہی ہو گیا تھا جب افغانستان سے کمیونزم کا جنازہ نکالنے اور وہاں اسلامی حکومت قائم کرنے کیلئے امریکہ بہادر نے ساری دنیا کے مجاہدین کو پشاور اور بنوں میں اکٹھا کر دیا۔ ان مجاہدین کے فیوض و برکات پاکستان کے باقی تمام شہروں تک برق رفتاری سے پھیلے اور پھیلتے چلے گئے۔ جنرل ضیاء الحق اس دوران اسلامی نظام کو پاکستان میں بھی نافذ کرنے پر تل گئے جس کا آغاز آپ نے مجلس شوریٰ سے کیا۔ ملک میں زکوٰۃ و صلوٰۃ کمیٹیاں قائم کیں اور دیکھتے ہی دیکھتے پاکستان کے تمام ادارے ایک ایک کر کے مشرف بہ اسلام ہونے لگے۔ آپ کی جہادی اور دانشورانہ قیادت میں پاکستان نے دن دوگنی رات چوگنی ترقی کی۔ ''عوام'' کی قسمت بدلنے لگی اور پہلے انہیں بڑی مشکل سے کسی بڑے شہر میں موجود دکان سے شراب اور سرکاری طور پر منظور شدہ اڈے سے افیم میسر آتی تھی' جنرل ضیاء الحق کے انقلابی اقدامات سے گھر کے دروازے پر ہیروئین میسر آنے لگی بلکہ ملک کے گلی کوچوں میں اس کے ڈھیر لگ گئے۔

وہ ملک جہاں بدمعاشی کا سمبل کلہاڑی' چاقو' نیزہ اور لاٹھی وغیرہ ہوا کرتی تھی' شاید ہی کبھی پستول ہوا کرتی تھی' وہاں بچوں کو کھلونوں کی

طرح کلاشنکوفیں بٹنے لگیں۔ گلی کوچوں میں بھتہ خور پیدا ہوگئے۔ خوش قسمتی سے انہیں ٹریننگ بھی دینے میں ملک میں آسانی سے مجاہدین کے تربیتی کیمپوں میں میسر آنے لگی اور جہاد کے ثمرات ''عوام'' پر ساون کے بادلوں کی طرح برسنے لگے۔ جنرل صاحب مرحوم نے مجلس شوریٰ کے تجربے کی ناکامی کے بعد ''عوام'' کی مزید بہتری کیلئے غیر سیاسی نظام متعارف کروایا اور Partyless انتخابات کروائے جن کے نتیجے میں قائم ہونے والی جونیجو حکومت کو پھر خود ہی بے چاری مسلم لیگ کا چوغا بھی پہنا دیا۔ آپ کی ''عوام'' کے عظیم تر مفاد میں اصلاحات کا سلسلہ جاری تھا کہ ایک سازش کے تحت آپ کا طیارہ فضا میں پھٹ گیا اور ''عوام'' آپ کی بصیرت افروز قیادت سے محروم ہوگئے۔ جنرل ضیاء الحق کی ''شہادت'' کے بعد ایک مرتبہ پھر عوام کی فلاح و بہبود پاکستان کو عظیم تر مملکت بنانے کیلئے ''سب سے پہلے پاکستان'' اور ''اعتدال پسند روشن خیالی'' کا انقلابی پروگرام لے کر جنرل پرویز مشرف سر براہ آرائے تخت ہوئے۔ آپ کے دور میں کیا کچھ ہوا؟ کیا کچھ ہونے والا ہے؟ اس سے پاکستانی عوام اگر آگاہ نہ بھی ہوں تو آپ کے خصوصی حلقۂ ارباب کے ماہرین معیشت و معاشرت اس سے آگاہی دینے کیلئے موجود ہیں۔ آپ کی انقلابی اصلاحات سے ''عوام'' قریباً آٹھ سال سے فیضیاب ہو رہے ہیں اور 3 نومبر کو آپ نے عوام کی حالت مزید سنوارنے 'دہشت گردی کے خاتمے' پاکستان میں تعمیر و ترقی کے عمل کو تیز تر کرنے کیلئے ایمرجنسی کا انقلابی قدم اٹھایا ہے۔ اب ''عوام'' سوچ رہے ہیں کہ اب کیا ہوگا؟



# الیکشن 2008ء اور تلخ زمینی حقائق



عسکریت پسندوں کے خلاف مار دھاڑ اور الیکشن کے نزدیک آنے پر لیڈران کرام کی ایک دوسرے پر گھٹیا الزامات کی بوچھاڑ میں بدقسمتی سے ہم دو بہت اہم خبریں نظر انداز کر گئے۔ یوں تو اب ایسی باتیں کوئی اہمیت نہیں رکھتیں کیونکہ یہاں دوڑ ایک دوسرے کو امریکہ کا زیادہ مقرب ثابت کرنے پر لگی ہے۔ ملکی سلامتی اور درپیش خدشات و خطرات اب شاید ثانوی باتیں بن چکی ہیں۔ ایک اہم خبر تو بھارت کی طرف سے گوادر پورٹ کے حوالے سے ''تحفظات'' ہیں اور اس پر بھارتی حکومت کی ہرزہ سرائی جس کا نوٹس پاکستان کے نیول چیف نے سعودی عرب اور پاکستان نیوی کے درمیان جاری مشقوں کے دوران لیا اور کہا کہ اگر کسی کو اس پر تشویش ہے تو وہ غلط ہے، اور گوادر کے قیام سے خطے میں جنگی فضا ہرگز نہیں بنے گی بلکہ تجارتی سرگرمیوں کو فروغ حاصل ہوگا یہی اس بندرگاہ کے قیام کا مقصد بھی ہے، جس کی حفاظت پاکستان نیوی کرے گی۔ حیرت ہے بھارت کو چین نے کیا لفٹ کروائی وہ اس خطے کا ''ماما'' بننے کے چکر میں پڑ گیا۔ امید تو یہی ہے کہ پاکستانی حکومت شاید دیگر کاموں میں مصروف ہونے کی وجہ سے اس کا نوٹس نہ لے لیکن چین جیسا ذمہ دار ملک جس کا خود بھی گوادر میں خاصا کردار ہے ضرور اس کا نوٹس لے گا، اور شاید اپنے اس بیان سے رجوع بھی کرے جو بھارتی وزیر اعظم کے حالیہ دورہ چین کے موقعہ پر جاری ہوا تھا کہ بھارت سیکورٹی کونسل کا رکن بننے کا حق رکھتا ہے۔ دوسری اہم خبر 3 فروری کو ''آن لائن'' نے جاری کی جس میں بھارت کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ پاکستان کے ایٹمی ہتھیاروں کی حفاظت کے لیے بھارت نے ''دوست ملکوں'' سے رابطہ کر لیا ہے۔ کوئی عقل کا اندھا اگر اس کا مطلب نہ سمجھنا چاہتا ہو تو الگ بات ہے ورنہ ساری سازش بے نقاب ہو رہی ہے کہ امریکہ کے اس گھناؤنے منصوبے میں جس کا مقصد پاکستان کے ایٹمی اثاثہ جات تک رسائی حاصل کر کے ان پر قبضہ جمانا ہے بھارت کا بھی اہم رول ہے۔ افسوس ہمیں ایک سازش کے تحت اپنے ملکی معاملات میں اس بُری طرح الجھا دیا گیا ہے کہ ملک کی ذمہ دار شخصیات بھی ایسے اہم واقعات کا نوٹس نہیں لیں۔ حال ہی میں تین غیر جانبدار اداروں کی طرف سے رپورٹیں پیش کی گئیں۔ جن میں یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ امریکی پالیسی میں تبدیلی کے بغیر اسامہ بن لادن کی پناہ گاہ ناکام ریاست رہے گی۔ 6 برسوں میں طالبان کو شکست دینے کی کوشش میں 25 بلین ڈالر خرچ کے بعد بھی صورتحال یہ ہے کہ طالبان جنگجو جو ابتدائی امریکی حملہ کے بعد پہاڑوں میں منتشر ہو گئے تھے، اب ملک کے بڑے حصوں میں زیادہ بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ رپورٹ کے الفاظ میں طالبان اب زیادہ بم چلا رہے ہیں اور افیون کی تجارت سے منافع کما کر بغاوت کے لیے جلتی پر تیل والا کام کر رہے ہیں۔ افغانستان میں سکیورٹی کی بگڑتی ہوئی صورتحال کی وجہ سے گزشتہ سال کے دوران یہاں غیر ملکی سرمایہ کاری میں 50 فیصد کمی واقع ہوئی ہے۔ طالبان اب زیادہ امریکی ہلاک کر رہے ہیں۔ 2002ء سے 2004ء کے دوران ایک ہفتے کے دوران ایک امریکی فوجی کے ہلاک ہونے کی شرح تھی جو 2007ء میں دوگنی ہو گئی، حقیقت میں امریکہ کے 500 فوجی اس جنگ میں ہلاک ہو چکے ہیں۔ 50 ہزار غیر ملکی فوجیوں کی موجودگی کے باوجود

پینٹاگون نے حال ہی میں مزید 3200 میرنز کے لیے احکام دیئے ہیں۔ اس کے علاوہ نیٹو کے ارکان کی طرف سے مزید فوجی بھیجنے کے لئے ہچکچاہٹ اس جنگ کے مستقبل کے لئے خطرہ بن رہی ہے۔ امریکہ جرمنی سمیت تمام اتحادیوں کو جنوبی افغانستان کے گرم محاذ میں گھسیٹنا چاہتا ہے لیکن جرمنی نے اس سے صاف انکار کر دیا ہے، جرمنی نے افغانستان میں طالبان، القاعدہ کے خلاف کارروائیوں کے لئے مزید فوجی اور حربی ساز وسامان بھیجنے کے متعلق امریکہ کی درخواست بھی مسترد کر دی ہے۔ جرمنی کے وزیر دفاع نے جمعہ کو ایک نیوز کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ جرمنی کا جنگ سے تباہ جنوبی افغانستان میں مزید فوجی بھیجنے کا کوئی ارادہ نہیں۔ انہوں نے کہا کہ افغانستان میں نیٹو میں شامل جرمن فوجی اب اپنی زیادہ تر توجہ تعمیر نو کی کارروائیوں پر مرکوز کریں گے۔

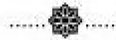
امریکی وزیر دفاع رابرٹ گیٹس نے گزشتہ روز ایک خط کے ذریعے جرمنی سے مزید فوجی اور ہیلی کاپٹر افغانستان بھجوانے کی ''درخواست'' کی تھی۔ جس کا مقصد طالبان کے خلاف افغانستان میں نبرد آزما نیٹو فورسز کو مضبوط بنانا تھا۔ اطلاعات کے مطابق اس خط میں امریکی وزیر دفاع نے سخت الفاظ استعمال کئے تھے جس کا جرمن وزیر دفاع نے بھی سخت الفاظ میں ہی جواب دیا۔ دریں اثناء اٹلانٹک کونسل کی طرف سے جاری کردہ مطالعاتی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ''نیٹو افغانستان میں نہیں جیت رہی، اس لئے اب مزید غلطی نہ کی جائے جب تک حقیقت کو نہیں سمجھا جاتا اور اس کے مطابق فی الفور کارروائی نہیں کی جاتی، افغانستان کا مستقبل تاریک ہے۔'' اس طرح کی پریشان کن خبروں کے باوجود انتظامیہ کی طرف سے خارجہ امور کی کمیٹی کو پیغام دیا گیا کہ صورتحال حقیقت میں بہتر ہو رہی ہے۔ نائب وزیر خارجہ برائے وسطی وجنوبی ایشیائی امور رچرڈ باؤچر نے کمیٹی کے روبرو یہ دلچسپ بیان دیا کہ اگر آپ سڑکوں، تعلیم، صحت عامہ کی کامیابیوں کو جمع کریں تو آپ کو افغانستان میں بالکل تبدیل شدہ صورتحال نظر آئے گی۔

یہ تو معلوم نہیں کہ امریکہ رچرڈ باؤچر کی اس ہدایت پر عمل کرے گا یا نہیں لیکن اس تلخ حقیقت سے جان چھڑانا ممکن نہیں کہ امریکہ نے پاکستان کو دہشت گردی کے خلاف جنگ کے جس جہنم میں دھکیل دیا ہے، اس کی بدقسمت پاکستانی عوام کو اپنی اوقات سے بہت زیادہ قیمت ادا کرنی پڑے گی اور وہ کر بھی رہے ہیں۔ حکومتی دعوؤں کے مطابق سوات میں عسکریت پسندی دم توڑ چکی ہے خصوصاً ''مٹہ'' جو عسکریت پسندوں کا گڑھ تھا، اور جہاں مقامی طالبان نے اپنے پولیس سٹیشن بھی قائم کر رکھے تھے پاکستان کی عملداری میں واپس آ چکا ہے لیکن یہاں کے عوام کی زندگی جہنم بن گئی ہے۔ تمام سرکاری دفاتر بند ہیں۔ مٹہ سے مینگورہ تک آدھ گھنٹے کا راستہ چھ گھنٹے طویل ہو گیا ہے کیونکہ عوام کو مسلسل کرفیو کی وجہ سے متبادل راستوں سے جانا پڑتا ہے اور وہ اس صورتحال سے تنگ آ چکے ہیں، عوام کہہ رہے ہیں کہ اب یہاں کوئی طالبان موجود نہیں پھر حکومت سکول، کالج اور سرکاری دفاتر کیوں نہیں کھولتی اور انہیں کیوں مسلسل گھروں میں بند رہنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔

وزیرستان، وانا اور اب درہ آدم خیل کے حالات الگ سے محبِّ وطن پاکستانیوں کی نیندیں حرام کر رہے ہیں۔ آٹے، گیس، گھی، بجلی اور سلامتی کی نایابی نے عوام کی زندگی کو جہنم بنا دیا ہے لوگ مسلسل خوف کا شکار ہیں اور ڈھٹائی کی انتہا یہ ہے کہ حکومت کامیابیوں کے جھنڈے گاڑ رہی ہے۔ دنیا کے بیشتر غیر جانبدار اداروں اور امریکی حکومت نے بھی اب حکومت کے ''منتخب کردہ پولنگ سٹیشنوں'' کے دورہ سے معذرت کر لی ہے۔ پوسٹل بیپرز کا فراڈ سرعام بے نقاب ہو چکا ہے اور ادھر ''میں نہ مانوں'' کی رٹ لگی ہے۔ بھارت جیسے ملک نے پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی حفاظت

کے لئے دوست ممالک سے رابطہ کر لیا ہے جس کا مطلب ہے کہ بھارت جیسا ہمارا ازلی دشمن اس خوش فہمی کا شکار ہو گیا ہے کہ خدانخواستہ پاکستان واقعی بطور ریاست ناکامی سے دوچار ہے، اور وہ اس کی سالمیت کے خلاف کسی بھی وقت اپنی دیرینہ خواہش پوری کر سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ صورتحال کسی بھی محب وطن پاکستانی کیلئے خوش آئند اور امید افزا نہیں کیونکہ ایک نیوکلیئر اسلامی ریاست کا محض کسی ایک شخص یا گروہ کے آمرانہ رجحان اور آئین وقانون سے ماورا اقدامات کی وجہ ناکامی کی طرف گامزن ہونا پورے خطے اور عالم اسلام کیلئے پریشان کن ہے، اور ان 16 کروڑ پاکستانی عوام کیلئے تو زندگی اور موت کا مسئلہ جن کا جینا مرنا' عزت وآبرو اور مستقبل پاکستان سے وابستہ ہے۔

آخر جنرل (ر) پرویز مشرف صرف اقتدار کی لامحدود خواہش کے زیر اثر زمینی حقائق کا ادراک کرنے اور ملک میں بڑھتی ہوئی بے چینی کو محسوس کرنے کیلئے کیوں تیار نہیں اور روزانہ ایسے اقدامات کیوں کرتے چلے جا رہے ہیں جس سے نہ صرف ان کی اپنی مقبولیت کم اور ساکھ تباہ ہو رہی ہے اور بی بی سی کے بقول ان کی راہیں روز بروز مسدود ہو رہی ہیں بلکہ پاکستان کی سلامتی' اتحاد' استحکام اور مستقبل کیلئے خطرات بھی بڑھتے جا رہے ہیں۔ آخر وہ اپنے ذاتی اقتدار کی قربانی دے کر پاکستان کو مستحکم کرنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے کہ یہی حب الوطنی کا تقاضہ ہے۔ اب بھی وقت ہے کہ صدر صاحب اپنے نادان مشیروں اور خوشامدی سیاسی رفقاء کے نرغے سے نکل کر عدلیہ بحال کریں' چیف جسٹس افتخار چودھری' اعتزاز احسن' طارق محمود' علی احمد کرد اور دیگر نظر بند ججوں و وکلاء کو رہا کریں' ایٹمی سائنسدان عبدالقدیر خان بھی رہا کیے جائیں۔ 3 نومبر کے اقدامات واپس لے کر 1973 کا آئین اصلی حالت میں بحال کیا جائے' پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا آزاد ہو اور 18 فروری کے انتخابات ہر لحاظ سے شفاف انداز میں کرائے جائیں تاکہ عوام اپنی مرضی کی حکومت قائم کر کے قومی اتحاد و یکجہتی کی طرف قدم بڑھا سکیں۔ فرد واحد کی خاطر 16 کروڑ عوام کا ملک خطرات سے دوچار نہیں رہنا چاہئے۔ اس مرحلے پر وزیر اطلاعات کے دھمکی آمیز بیانات سوائے جگ ہنسائی کے اور کوئی نتیجہ برآمد نہیں کریں گے، اور خدانخواستہ الیکشن میں سرکاری دھاندلی ہوئی تو ملک خانہ جنگی کی لپیٹ میں آجائے گی۔ اللہ ہمارے حال پر رحم کرے۔



# کیا ہم واقعی آزاد ہیں؟



12 مئی کے بعد یہ سوال دوبارہ شدت سے ہمارے ضمیر کو جھنجھوڑنے لگا ہے کہ کیا واقعی ہم ایک آزاد ملک کے شہری ہیں؟ کیا قیام پاکستان کے 60 سال بعد...... اپنے فیصلے کرنے میں آزاد ہیں؟ کیا ہمارے وہ محترم سیاستدان جنہیں پاکستانی عوام نے اپنی جانوں کا نذرانہ دے کر 18 فروری کو ایک ناممکن کو ممکن بنا کر اقتدار کے ایوانوں تک پہنچایا خود کو واقعی عوام کا نمائندہ سمجھتے ہیں؟ یا پھر انہوں نے اس عوامی مینڈیٹ کو محض اپنا ذہنی عیاشی کا ذریعہ جانا ہے۔ وہ عوامی مسائل کے بجائے صرف ذاتی مسائل حل کرنے تلے ہوئے ہیں۔ ایسے کئی سوالات 12 مئی کے بعد پاکستانی عوام کو پریشان کرنے لگے ہیں۔ یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ پاکستانی عوام نے جن جماعتوں کو ووٹ دیا تھا انہیں گزشتہ آٹھ سال سے جاری نظام جبر کے خلاف فیصلہ دے کر ایوان اقتدار میں بھیجا تھا۔ سب سے پہلے تو یہی بات بہت اہم ہے کہ جس شخصیت کے خلاف یا جس نظام کے خلاف ووٹ دیا گیا۔ اس کا وجود برقرار رہنا کیا معنی رکھتا ہے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ 18 فروری کو عوام نے صدر جنرل مشرف کے خلاف فیصلہ دیا تھا وہ دراصل یہ کہنا چاہتے ہیں کہ صدر جنرل مشرف کسی ایک شخص کا نام ہی نہیں بلکہ ایک خود ساختہ نظام غلامی کا نام ہے۔ صدر جنرل مشرف کی حب الوطنی میں ممکن ہے کوئی شبہ نہ ہو آخر وہ پاکستانی فوج کے مایہ ناز کمانڈر رہے ہیں اپنی جوانی میں ان کی شہرت ایک ایسے فوجی افسر کی تھی جو ہر صورت بھارت سے پاکستان کی ہزیمت کا بدلہ چکانا چاہتا تھا۔ انہوں نے شاید اپنی دانست میں کارگل کا کارنامہ ہی اس لئے انجام دینے کی کوشش کی تھی کہ اس طرح وہ پاکستانی فوج کی بھارت پر برتری ثابت کرنا چاہتے تھے لیکن جو جنرل پرویز مشرف صدارتی محل میں موجود ہے اس سے پاکستانی عوام کو یہی شکایت تھی کہ...... انہوں نے اپنی آئینی، اخلاقی، مذہبی اور ملی حدود سے تجاوز کرتے ہوئے پاکستان کو امریکہ کی طفیلی ریاست بنا دیا۔ ہماری قسمت کے عام فیصلے بھی امریکہ میں ہونے لگے۔ نائن الیون کے بعد کا جنرل مشرف کمانڈو جنرل مشرف نہیں رہا بلکہ بدقسمتی سے وہ اپنے اقتدار کو طوالت دینے کیلئے امریکہ کی جھولی میں گرتے چلے گئے۔ انہوں نے یہ جانا کہ امریکہ کو خوش رکھنا کافی ہے باقی خیر صلا۔ اس پالیسی کے نتیجے میں پاکستان کیلئے لاینحل مسائل کھڑے ہوتے گئے۔ ہمارے قبائلی علاقہ جات جو پاکستان کا بازوئے شمشیر زن تھے اور جہاں کے مقامی امن وامان کی مثالیں دنیا میں دی جاتی تھیں جن کی موجودگی میں پاکستان کی شمال مغربی سرحدیں مکمل محفوظ تھیں، اور ہماری فوج کا بڑا حصہ اس طرف سے ہٹ کر ملکی سرحدوں کی حفاظت کر رہا تھا، آج وہی قبائلی علاقہ جات عسکریت اور انارکی کی آگ میں جھلس گئے ہیں۔ دہشت گردی نے پاکستان کی چولیں ہلا کر رکھ دی ہیں، اندرون ملک تو ہم جس کرب سے دوچار ہیں اس کا اندازہ ہر پاکستانی بخوبی لگا سکتا ہے لیکن پاکستانی سرحدوں سے باہر ہماری حیثیت اچھوت سے زیادہ اور کچھ نہیں رہی۔ ہمارے صدر محترم کی روشن خیال پالیسیوں اور شاہ سے بڑھ کر شاہ کی وفاداری یعنی امریکہ کا فرنٹ لائن اتحادی بننے کے بعد اپنے ملک کے بے گناہ شہریوں کو پکڑ پکڑ کر امریکہ کے حوالے کرنے کے بعد، ایک آزاد اسلامی مملکت افغانستان کے سفیر کو جسے پاکستان نے تسلیم کیا

تھا تمام انسانی، اخلاقی، قانونی، بین الاقوامی ضابطوں کی دھجیاں اڑاتے ہوئے امریکہ کے حوالے کرنے کے بعد، امریکی خوشنودی کے لئے اپنے ہی عوام پر آتش و آہن کی بارش کرنے اور امریکہ کی طرف سے پاکستانی حدود میں کی جانے والی بمباری کو امریکی خوشنودی کے لئے اپنا کارنامہ بیان کرنے کے بعد کم از کم اتنا تو ہوتا کہ بین الاقوامی سطح پر یا یورپ اور امریکہ میں ہی ہمارا امیج بطور پاکستانی کچھ بہتر ہو جاتا لیکن اس کے برعکس ہوا یہ کہ امریکہ نے ہمارے معزز سرکاری عہدیداروں کے جوتے اور جرابیں اتار کر اپنے ہوائی اڈوں پر ان کی تلاشی لینا شروع کر دی۔ عام شہریوں سے جو سلوک ہوا وہ انتہائی شرمناک اور نا قابل بیان ہے۔ امریکہ میں سالوں سے آباد وہ مسلمان پاکستانی جس کا دور دور تک بھی نماز یا داڑھی سے کوئی تعلق تھا دہشت گرد قرار پایا۔ ذلت و رسوائی اس کا مقدار بنی اور اسے بغیر مقدمہ چلائے انتہائی ظالمانہ ایمرجنسی قوانین کی بھینٹ چڑھاتے ہوئے ہاتھوں اور پاؤں میں زنجیریں ڈال کر ہوائی جہازوں کے ذریعے پاکستان میں ڈی پورٹ کر دیا گیا ہے۔ بے شرمی اور ڈھٹائی کی انتہا یہ ہے کہ ان تمام اقدامات کو امریکہ جیسی بزعم خویش انسانی حقوق کی چیمپئن حکومت نے تو لیگل قرار دیا تھا تو ہماری حکومت نے بھی اس پر احتجاج کرنے کی زحمت ہی گوارا نہ کی بلکہ ان کے ہر ظالمانہ فیصلے کو دل و جان سے قبول کر کے اپنے بہترین غلام ہونے کا ثبوت فراہم کر سکے۔

گزشتہ دور حکومت میں امریکی ریشہ دوانیوں کا تو جو مظاہرہ پاکستانی عوام نے دیکھا اس نے جنرل صاحب کے کمانڈو ہونے کا بھرم قائم نہیں رہنے دیا۔ امریکہ بہادر نے نہ صرف ہمیں ملکی سطح پر ذلیل و رسوا کیا، عالمی سطح پر ہماری حیثیت دہشت گردوں کی سی بنا دی۔ پاکستان کے ازلی دشمن بھارت کی اس قدر حوصلہ افزائی کی کہ پاکستان کو کشمیر پر اپنے دیرینہ اصولی موقف سے راہ فرار پر مجبور کر دیا۔ کشمیر کے بے کس اور بے بس عوام جنہوں نے اپنے جان و مال، عزت آبرو، نا قابل فراموش قربانیاں دے کر بھارتی حکومت کو قریباً گھٹنوں کے بل جھکا دیا تھا اور عین ممکن تھا کہ بھارت مذاکرات کی میز پر بیٹھ کر ان سے گفتگو کرے اور اس مسئلے کا حل نکالنے پر مجبور ہوتا کہ اچانک ہماری انقلابی پالیسیوں نے سارا منظر ہی بدل کر رکھ دیا اور کشمیری مجاہدین اچانک دہشت گرد بن گئے۔ افغانستان پالیسی پر ہمارے یوٹرن کے صدمے سے قوم ابھی نڈھال ہی تھی کہ اچانک صدر صاحب نے کشمیر پالیسی سے رجوع فرما لیا۔ نتیجہ ظاہر ہے پاکستانی اخلاقی اور سفارتی مدد ختم ہونے سے بھارت نے کشمیریوں کے لئے ان کی اپنی زمین کو جہنم بنا کر رکھ دیا۔ ہزاروں کی تعداد میں کشمیری نوجوان، بچے، بوڑھے بے رحمی سے مارے گئے، ہزاروں آج تک عقوبت خانوں میں ہماری جان کو رو رہے ہیں، اور کشمیر کی بدقسمت مائیں، بہنیں، بیٹیاں اور دلہنیں دن رات بھارتی حکومت اور ہماری پالیسیوں کا سیاپا کر رہی ہیں۔

پاکستان کے فرنٹ لائن اتحادی بننے کے بعد امریکہ نے ہمارے مدارس سے گھروں تک رسائی حاصل کی اور پاکستان کے سارے معاشرتی نظام کو ہائی جیک کر لیا جس کے ردعمل نے دہشت گردی، خودکش بمبار دھماکوں اور تخریب کاری کو جنم دیا۔ اس بدقسمت ملک کے لوگوں نے وہ روز سیاہ بھی دیکھا جب ہماری قابل فخر افواج جامعہ حفصہ اور لال مسجد میں موجود ہماری بچیوں کے خلاف مورچہ بند ہوئے ان پر آگ برسائی گئی اور سینکڑوں کی تعداد میں حفظ قرآن بچیاں شہید ہوئیں۔ ان شہادتوں کے ردعمل میں خودکش بمباروں کی تعداد بڑھتی چلی گئی، اور آج امریکہ کا فرنٹ لائن اتحادی پاکستان جس نے نائن الیون سے پہلے شاید اپنے ملک میں کبھی کسی پاکستانی خودکش بمبار کا ذکر بھی نہ سنا ہوگا لرز کر رہ گیا۔ آج سارا پاکستان سہم گیا ہے خوفزدہ ہے دہشت گردی، مہنگائی، قحط، بے راہ روی اور بدامنی نے پاکستانی عوام کو لرزا کر رکھ دیا ہے۔ لوگ خوف اور بے یقینی کے

جہنم کا ایندھن بن گئے ہیں اور ہماری عاقبت نا اندیش حکمران 18 فروری تک اپنی کامیابیوں کے ڈنکے بجا رہے تھے، ان حالات میں جب 18 فروری کے انتخابات ہوئے عوام نے ایک واضح فیصلہ دیا کہ وہ انصاف کی علامت اور شاید پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ شجر ممنوعہ قسم کے سرکاری اقدامات جن میں بے گناہ شہریوں کا ایجنسیوں کے ہاتھوں اغواء سرفہرست ہے کا بھی نوٹس لیا جانے لگا۔ چیف جسٹس افتخار چودھری نے پاکستانی عوام میں "امید" جگائی اور وہ یہ محسوس کرنے لگے کہ دیر ہی سے سہی انہیں کسی نہ کسی آشیانے سے انصاف ملنے کی امید تو بیدار ہوئی لیکن اس امید کا گلہ بھی گھونٹ دیا گیا۔ جب حکومت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بڑے بڑے فرعون نما افسروں کو عدالت میں پیش ہو کر جواب دہی کا پابند کرنے والے چیف جسٹس افتخار چودھری کو انکے ساٹھ ساتھیوں سمیت جنھوں نے فرعونیت کے سامنے سرنڈر کرنے سے انکار کر دیا تھا گھروں میں قید کر دیا۔

حیرت اور دکھ کی بات یہ ہے کہ ساری قوم کی آواز ایک ہے کہ ان کے چیف جسٹس کو باعزت اسی عہدے پر بحال کیا جائے جس پر بیٹھ کر انہوں نے بڑے بڑے فرعونوں کی گردنوں سے سریا نکالا تھا لیکن اس مسئلے کو بھی سیاست کی بھینٹ چڑھایا جا رہا ہے۔ دونوں اہم جماعتوں نے مشاورت سے 30 دن کی حد مقرر کی اور اچانک سازشوں کا ایک طومار بندھ گیا۔ اس سازش میں ملک ہی نہیں بڑے واضح طور پر غیر ملکی ہاتھ بھی اثر انداز ہوتا دکھائی دے رہا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے ہمیں اپنے ملک کے عام معاملات چلانے کے لئے بھی امریکہ سے اجازت لینی پڑے گی۔ صورت حال کچھ بھی رہی ہو لیکن یہ بات ان لوگوں کو جو اس سازش کا حصہ ہیں یا بن رہے ہیں یاد رکھنا چاہئے کہ اب پاکستانی عوام کی قوت برداشت جواب دے گئی ہے۔

اس کے بعد وہ کوئی فیصلہ کرنے میں آزاد ہوں گے اور قوموں کے آزادی سے کیے گئے فیصلے بسا اوقات حکمرانوں کے لئے بڑے تباہ کن ہوتے ہیں۔ جسے اس بات کی سمجھ نہ آئے وہ شہنشاہ ایران رضا شاہ پہلوی کا انجام یاد رکھے۔



# آمریت نے پاکستان کو کیا دیا



طویل سیاسی جوڑ توڑ، محلاتی سازشوں کے بعد ہوس اقتدار کے مارے ناعاقبت اندیشوں کی سازش سے 7 اکتوبر 1958ء کو صدر مملکت سکندر مرزا نے آئین منسوخ کر کے پاکستان میں پہلا مارشل لاء نافذ کر دیا۔ جس کے پہلے شکار بھی وہ خود ہی ہوئے جب محض 20 دن بعد 27 اکتوبر 1958ء کو جنرل ایوب خان نے انہیں ٹشو پیپر کی طرح استعمال کرنے کے بعد ایک کونے میں پھینکا اور چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر اور صدر مملکت کے عہدے پر براجمان ہو گئے اور صدارتی طرز حکومت کی بنیاد پر یکم مارچ 1962ء کو ملک میں نیا آئین بھی نافذ کر دیا۔ جنرل ایوب خان کے دور اقتدار کو پاکستان میں صنعتی ترقی کا سنہری دور کیوں کہا جاتا ہے؟ اس کا جواب تو شاید کسی کے پاس نہ ہو۔ ان کے دور میں تعمیر ہونے والے ڈیموں کے گن تو گائے جاتے ہیں لیکن سندھ طاس منصوبے کے جو بھیانک نتائج آج قوم بھگت رہی ہے، اس کا اگر جنرل ایوب خان کو ذرہ برابر بھی احساس ہوتا تو وہ کبھی یہ معاہدہ نہ کرتے۔ آپ نے قیام پاکستان کے بمشکل دس سال بعد ہی جمہوریت کا گلا گھونٹ دیا۔ قائداعظم کی ہمشیرہ مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناح کے خلاف متنازعہ صدارتی انتخاب لڑا اور کامیابی بھی حاصل کی۔ مادرِ ملت زندگی کے آخری سانس تک قائداعظمؒ کے پاکستان میں مارشل لاء کے نام پر گھونپے جانے والے زہریلے خنجر پر سراپا احتجاج رہیں۔ جنرل ایوب خان نے ان کی میت بھی قائداعظم کے پہلو میں نہیں دفنانے دی اور 8 جولائی 1967ء کو مادرِ ملت کے جنازے کے جلوس پر مزارِ قائداعظم کے باہر لاٹھی چارج کیا گیا۔ 1965ء کی متنازعہ جنگ پر پاکستان کے عسکری ماہرین کے تحفظات آن ریکارڈ موجود ہیں۔ جنرل ایوب خان کا اگلا کارنامہ تھا جس کی کوکھ سے اگرتلہ سازش کیس نے جنم لیا جو بالآخر مشرقی پاکستان سے بنگلہ دیش تک پہنچا۔ جنرل ایوب خان کو سیاستدانوں سے سخت نفرت تھی۔ 1958ء تا 1966ء ایبڈو پابندیاں لگا کر آپ نے ان کا ناطقہ بند کر دیا۔ پاکستان کے ساتھ تجربات کرتے رہے۔ بالآخر جنوری 1968ء کے چوتھے ہفتے میں انہیں دل کا شدید دورہ پڑا۔ 3 فروری کو اگلا اٹیک ہوا جس پر جنرل یحییٰ خان کی رال ٹپکی اور انہوں نے بیمار اور صاحب فراش فیلڈ مارشل صدر ایوب خان کی خواہش کہ قومی اسمبلی کے سپیکر قائم مقام صدر بن جائیں کو حسرت میں تبدیل کر دیا۔ جنوری 1968ء سے مارچ 1969ء تک جنرل یحییٰ خان محلاتی سازشوں کا تانا بانا بنتے رہے اور بالآخر انہوں نے جنرل ایوب کو اسی طرح ایوان صدر سے رخصت کر دیا جیسے جنرل ایوب نے صدر سکندر مرزا کو کیا تھا۔ پاکستان کے بے بس عوام اپنے لٹنے کا تماشا دیکھتے رہے۔ ساڑھے گیارہ سال تک مارشل لاء اور مارشل لائی جمہوریت تلے سسکتے پاکستان پر پھر ایک جرنیل نے قبضہ کر کے اپنی عقل و دانش کے ڈنکے بجانے شروع کر دیئے۔

ناظرین، جنرل یحییٰ خان کا دور پاکستانی تاریخ کا سیاہ ترین، بدترین دور تھا۔ دن رات شراب و شباب کے نشے میں بدمست رہنے والے اس آمر نے جس کی عیاشیوں پر ایک الگ کتاب مرتب کی جا سکتی ہے، اور جو اپنی بداعمالیوں کے قصے آن ریکارڈ بڑے فخر سے سنایا کرتا تھا۔ جی ہاں

اس یحییٰ خان نے پاکستان کو دولخت کروا دیا۔ حیرت تو اس بات پر ہے کہ جنرل ایوب خان آخری دور میں اتنے بے بس ہو گئے تھے کہ آپ نے 16 جون 1968ء کو ڈھاکہ میں اگرتلہ سازش کیس شروع ہونے کے ایک سال بعد 23 فروری 1969ء کو اسے واپس بھی لے لیا۔ البتہ آپ نے اپنی آخری تقریر میں ان تمام سازشوں کی نشاندہی ضرور کر دی جواب نا قابل تردید سچائی بن کر سامنے آ گئی تھی۔ مفلوج معیشت، پاکستان کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کی سازش، مرکز کو بے اختیار کرنے کا منصوبہ افواج کو مفلوج کرنا اور وحدت پاکستان کا خاتمہ، لیکن ان امراض نے جنم بھی تو آپ ہی کے دور میں لیا۔

25 مارچ 1969ء کو جنرل یحییٰ خان نے صدارت کا عہدہ سنبھال لیا۔ پورے ملک میں مارشل لاء لگا دیا۔ سیاسی جماعتوں کے دباؤ پر بالآخر یکم جنوری 1970ء کو سیاسی سرگرمیوں سے پابندیاں ختم ہوئیں اور شیخ مجیب الرحمٰن سات نکات کے تباہ کن منصوبے کے ساتھ سامنے آ گئے۔ 20 مارچ 1970ء کو جنرل آغا محمد یحییٰ خان نے انتخابی لائحہ عمل قوم کے سامنے پیش کرتے ہوئے 5 اکتوبر کو الیکشن کا اعلان کر دیا لیکن انتخابات 7 دسمبر 1970ء کو ہوئے۔

300 نشستیں 1499 امیدوار 6 کروڑ ووٹرز، مشرقی پاکستان کی 162 میں سے 160 نشستیں عوامی لیگ نے جیت لیں جو اس بات کا ثبوت تھا کہ ملک توڑنے کی سازشیں اپنے نقطہ عروج کو چھو رہی ہیں۔

10 فروری 1971ء کو بنگلہ دیش ڈے منایا گیا۔ 15 فروری 1971ء کو مجیب الرحمٰن نے صاف کہہ دیا کہ دوسری جماعتیں 6 نکات تسلیم کر لیں تو ہم اکٹھے رہ سکتے ہیں۔ آمریت کی روایات کے عین مطابق جنرل یحییٰ نے اقتدار عوامی کمانڈروں کو سونپنے کے بجائے جوڑ توڑ جاری رکھا۔ اسمبلی کا اجلاس ملتوی کرتے رہے، اور یکم مارچ 1971ء کو جب یہ اجلاس ملتوی ہوا تو ڈھاکہ میں پاکستان کا ہلالی پرچم نذر آتش کر دیا گیا۔ لوٹ مار، توڑ پھوڑ، قتل و غارتگری، ہمارا ازلی دشمن بھارت 1965ء کا زخم خوردہ چپ کہاں بیٹھا تھا۔ اس نے اپنی سازشیں جاری رکھیں۔ بنگلہ دیش کی EXILE Govt بھی قائم کروا دی۔ 7 مارچ کو مجیب الرحمٰن کھل کر سامنے آ گئے۔

22 مارچ 1971ء کو انہوں نے باقاعدہ بنگلہ دیش کا اعلان کر دیا۔ 26 مارچ 1971ء کو گرفتار ہوئے اور مغربی پاکستان لائے گئے۔

اس کے ساتھ ہی ''مکتی باہنی'' جو بھارتی انٹیلی جنس ایجنسیوں کی محنت شاقہ کا ثمر تھی تیزی سے متحرک ہوئی۔ ان کے ساتھ بھارت کے ہزاروں کمانڈوز بھی مشرقی پاکستان میں گھس گئے۔ 17 اپریل 1971ء کو آل انڈیا ریڈیو سے مشرقی پاکستان کی آزاد حکومت کی حمایت کا اعلان نشر ہوا۔ مسز اندرا گاندھی کے خواب تعبیر کے روپ میں تیزی سے ڈھل رہے تھے۔ 25 لاکھ مہاجرین کا سیلاب مکتی باہنی نے بھارتی سازش کے عین مطابق مغربی بنگال میں دھکیل دیا۔ 29 جولائی کو بھارتی پارلیمنٹ میں پاکستان پر حملے کی قرارداد پاس ہوئی۔

29 اگست 1971ء کو مسز اندرا گاندھی نے روس بھارت دفاعی معاہدے کی آڑ میں پاکستان پر حملے کا پلان ظاہر کر دیا۔ 2 نومبر 1971ء کو بھارت نے اعلان کر دیا کہ اس کی فوج نے مشرقی پاکستان کا محاصرہ کر لیا ہے۔ روس کے جنگی جہاز پاکستان کی ناکہ بندی کے لئے خلیج بنگال میں داخل ہو گئے 22 نومبر 1971ء کو بھارت نے جیسور، سلہٹ اور چٹاگانگ پر آل آؤٹ حملہ کر دیا۔ 12 ڈویژن بھارتی فوج فضائیہ،

نیوی اور روس کی مدد سے مشرقی پاکستان کو ہڑپ کرنے کے لئے آگے بڑھ رہی تھی۔ ہمارا سورما جرنیل ایم۔ اے کے نیازی تکہ، کباب کی پلیٹیں صاف کر رہا تھا۔ میڈیا کے سامنے اس کی گیدڑ بھبکیاں ساری دنیا میں پاکستان کے لئے باعث ذلت بنیں۔ آخری لمحات تک جنرل نیازی جھوٹ بولتا رہا۔ بالآخر ڈھاکہ کے میدان میں ذلت آمیز شکست سے دوچار ہوا۔ بنگالیوں نے ہمارے جرنیلوں پر تھوکا، جوتے مارے اور تذلیل کی انتہا کر دی۔ 17 دسمبر 1971ء کو جب بھارت نے اپنے ٹارگٹ حاصل کر لئے، جنگ ختم ہوگئی۔ ان حالات میں بھی جنرل یحییٰ خان کرسی صدارت سے چمٹا رہا۔ بالآخر جان بخشی کے وعدے پر 20 دسمبر 1971ء کو اقتدار سے الگ ہوا۔

کاش ذوالفقار علی بھٹو اس وقت تمام مصلحتیں بالائے طاق رکھ کر جنرل یحییٰ اور ان کے ساتھیوں کو انصاف کے کٹہرے میں لے آتے، ممکن ہے انہیں بعد میں اس انجام سے دوچار نہ ہونا پڑتا جس سے ہوئے، لیکن ہمارے سیاست دانوں کی مصلحتیں، مجبوریاں یا پھر بزدلی نے انہیں ہمیشہ بُرے دن دکھائے۔ جنوری 1972ء سے 7 مارچ 1977 تک پیپلز پارٹی کو برسر اقتدار رہنے کا موقعہ ملا۔ اس دوران بدترین حالات کے باوجود ملک کو 1973ء کا متفقہ آئین ملا۔ مرزائی کافر قرار پائے، شراب نوشی اور جوئے پر پابندی لگی اور جمعتہ المبارک کو چھٹی کا دن قرار دیا گیا۔ گو کہ بعد میں آنے والے امیر المومنین جنرل ضیاء الحق نے اسلام کا دن رات ڈنکا بجایا لیکن انہیں کوئی بھی اس نوعیت کے اقدام کی توفیق نہیں ہوئی۔ بڑھکیں البتہ خاصی مارتے رہے۔

مارچ 1977ء کے متنازعہ انتخابات نے اگلے جرنیل کی راہ ہموار کر دی گو کہ پیپلز پارٹی اور اسلامی جمہوری اتحاد کے درمیان 3 جون سے 15 جون 1977ء تک مذاکرات ہوتے رہے اور پروفیسر غفور احمد کے بقول جب معاملات طے پا گئے تو مارشل لاء لگ گیا۔ 6 جولائی 1977ء کو چیف آف آرمی سٹاف جنرل محمد ضیاء الحق کو نامعلوم ذرائع سے کسی قتل عام کی خبر ملی جو بعد کے واقعات نے جھوٹ ثابت کی البتہ یہ بات سچ ہے کہ کسی ستم ظریف نے جنرل ضیاء الحق سے کہہ دیا تھا کہ مسٹر بھٹو انہیں معزول کر کے اپنے ملٹری سیکرٹری میجر جنرل امتیاز کو آرمی چیف آف سٹاف بنانے والے ہیں جس پر 13 جون 1977ء کو انہوں نے کور کمانڈروں کو عشائیہ پر مدعو کیا اور اس خبر کے حوالے سے اپنے تحفظات بھی ظاہر کئے۔ جنرل ضیاء الحق کو جرنیلی سے زیادہ سیاست پر عبور حاصل تھا یہ اضافہ بھی کر دیا کہ بھٹو صاحب کی ہٹ لسٹ میں صرف وہی نہیں چار پانچ اور سینئر جرنیل بھی شامل ہیں جس پر انہیں جرنیلوں کی مکمل ہمدردیاں اور حمایت حاصل ہوگئی۔ 5 جولائی کو رات ''آپریشن فیئر پلے'' ہوا اور صبح 7 بجے کی خبروں نے اگلے جنرل کی آمد کی نوید سنا دی۔ جنرل صاحب نے فرمایا میں تو 90 دنوں کے لئے آیا ہوں میرا سیاست اور کاروبار مملکت سے کیا لینا دینا۔ 28 جولائی کو آپ نے سیاسی نظربندوں کو رہا کر کے سیاسی سرگرمیاں چار دیواری کے اندر تک محدود کر دیں۔ اس کے ساتھ ہی اپنے پُر پُرزے نکالنے شروع کئے۔ مسجد نبوی ﷺ کے صحن میں کئے وعدے کو بھول کر اپنے ''اسلامی انقلابی نظریے'' کو بروئے عمل لانے پر تل گئے۔ دسمبر 1977ء کو آپ نے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو احمد رضا قصوری کے والد نواب محمد احمد خان قتل کیس کے سلسلے میں گرفتار کر لیا۔ 13 ستمبر کو ان کی ضمانت لے کر ملک سے فرار ہونے کا موقعہ دیا جسے عوامی لیڈری سے سرشار بھٹو نے نظرانداز کیا اور 17 ستمبر کو دوبارہ گرفتار ہوگئے جس کے بعد انہیں جیل سے تو کبھی رہائی نہ ملی البتہ جنرل ضیاء الحق نے انہیں زندگی کی قید سے آزاد کرا دیا۔

14 جنوری 1978ء کو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق نے 16 ارکان پر مشتمل مشیروں کی کونسل بنا کر اپنے منصوبے کا اگلا مرحلہ مکمل کر لیا۔ 18 مارچ 1978ء کو ہائی کورٹ نے ذوالفقار علی بھٹو کو سزائے موت بھی سنا دی۔ 5 جولائی 1978ء کو 22 رکنی نئی وفاقی کابینہ کا اعلان کر دیا گیا۔

23 اگست 1978ء کو مارشل لاء گورنمنٹ نے ایک نئی 24 رکنی کابینہ تشکیل دے دی۔ جناب شریف الدین پیرزادہ اٹارنی جنرل مقرر ہوئے۔ اس کابینہ میں مسلم لیگ کے 5 جماعت اسلامی کے 3 جمعیت علمائے اسلام کے 3 اور پاکستان جمہوری پارٹی کے 2 وزراء بھی شامل تھے۔

4 اپریل 1979ء کو قانون کی دھجیاں اڑاتے ہوئے پاکستان کے منتخب وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کو بدترین حالات میں بے رحمی سے پھانسی دے کر ان کی زبردستی تدفین بھی نوڈیرہ لاڑکانہ میں کروا دی گئی۔ 24 مارچ 1981ء کو جنرل ضیاء الحق نے ملک میں عبوری آئین نافذ فرما دیا۔ ایک وفاقی کونسل قائم کی جسے مجلس شوریٰ کا نام دیا۔ 5 جولائی 1977ء کو سابقہ آئین منسوخ کر کے مارشل لاء نافذ کیا گیا تھا۔ حکم جاری ہوا کہ جب تک ملک میں دوبارہ سیاسی ادارے بحال نہیں ہو جاتے یہی عبوری آئین برقرار رہے گا۔ مجلس شوریٰ وفاقی شرعی عدالتیں آپ کے کارنامے ہیں۔ 1979ء کے بلدیاتی انتخابات کے ذریعے آپ نے بھی پاکستان میں جنرل مشرف کی طرح مقامی حکومتوں کے قیام کا کارنامہ انجام دیا تھا جبکہ 15 جون 1979ء کو بلدیاتی انتخابات سے قبل مولانا مفتی محمود اس خدشے کا اظہار کر چکے تھے کہ بلدیاتی انتخابات سے عام انتخابات کا انعقاد خطرے میں پڑ جائے گا اور ایسا ہی ہوا۔ کچھ سیاسی جماعتوں کے احتجاج پر جنرل ضیاء الحق نے مارشل لاء کے ضابطہ نمبر 49 کے تحت تمام سیاسی پارٹیاں کالعدم قرار دے کر عام انتخابات غیر معینہ مدت کے لئے ملتوی کر دیئے۔ سیاسی سرگرمیوں پر پابندی، فنڈز منجمد اور لیڈر نظر بند، عدلیہ کے اختیارات مزید محدود، اخبارات پر سنسر شپ اور حکومت مخالف اخبارات کی بندش بھی آپ کے سنہری کارناموں میں شامل ہے۔ مذکورہ حکم کے تحت 1973ء کا آئین معطل ہو گیا اور ان کی جگہ مارشل لاء احکامات اور صدارتی آرڈی نینس جاری ہونے لگے۔ فوجی عدالتیں لامحدود اختیارات کے تحت قائم ہو گئیں۔ جنرل ضیاء الحق بیک وقت چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر، چیف آف آرمی سٹاف اور صدر مملکت بن گئے۔ ستمبر 1978ء سے دسمبر 1985 تک انہوں نے تینوں عہدے اپنے پاس رکھے۔

یکم جنوری 1986 کو مارشل لاء اٹھنے پر مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نہ رہے لیکن صدر اور آرمی چیف کی کرسیوں سے چمٹے رہے۔ جب آپ سے وردی اتارنے کے لئے کہا گیا تو فرمایا "Am a bridge between army and civil Government" ''میں فوج اور سول حکومت کے درمیان رابطہ ہوں'' انہوں نے کبھی اپنی رخصتی کی بات نہیں کی۔ فرماتے تھے۔ میرا کوئی شیڈول نہیں۔ اقتدار حاصل کرنے کا مقصد ملک میں اسلامی نظام نافذ کرنا ہے اور میں اپنے اس مشن کو مکمل کروں گا۔

نصرت بھٹو نے آئین کے آرٹیکل 184 سب کلاز 3 کے تحت سابق وزیراعظم اور ان کے ساتھیوں کی گرفتاری اور نظر بندی کو چیلنج کرتے ہوئے موقف اختیار کیا کہ 1973ء کے آئین میں مارشل لاء نافذ کرنے والے یا مارشل لاء کے نفاذ اور منتخب حکومت کے خاتمے کی سازش کرنے والے شخص کو ملک و قوم کا غدار ٹھہرایا گیا ہے عدالت جنرل ضیاء کے مارشل لاء کو غیر قانونی قرار دے کر انہیں قرار واقعی سزا دے، لیکن عدالت عالیہ نے

1955ء کے مولوی تمیزالدین کیس کی یاد تازہ کرتے ہوئے جسٹس منیر کے اس فارمولے کو کہ Safety of State a Supereme law کے تحت نظریہ ضرورت کا گرز جمہوریت کے سر پر دے مارا۔

جنرل ضیاء الحق کا سیاسی فلسفہ عجیب وغریب تھا وہ عدلیہ، فوج، بیوروکریسی اور پبلک اداروں کے بارے مخصوص نقطہ نظر رکھتے تھے۔ موصوف کی خواہش تھی نیشنل سکیورٹی کونسل کے نام سے ایک ادارہ قومی اسمبلی کے اوپر بٹھا دیا جائے جس میں صدر تینوں مسلح افواج کے سربراہان شامل ہوں۔ اس کونسل کو وہ محدود اختیارات دینا چاہتے تھے۔ 1985 RCO میں اس کے قیام کو لازمی قرار دیا گیا لیکن 8ویں ترمیم کی قومی اسمبلی سے منظوری کے وقت یہ تجویز واپس لے لی گئی۔

جنرل ضیاء الحق صدر اور وزیر اعظم میں اختیارات دینے کے حامی تھے جبکہ سیاستدان کہتے تھے گورنر اور صدور نے ملک میں آئین سے انحراف اور اپنے اختیارات کے ناجائز استعمال سے اسمبلیوں کو توڑا ہے۔ مولوی تمیزالدین کی سپیکر شپ سے معزولی، گورنر جنرل غلام محمد کی طرف سے وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین کی حکومت کی برطرفی صدر سکندر مرزا کا پے در پے حکومتوں کو برطرف کرنا۔ 1958ء میں آئین منسوخ کرنا، ایوب خان کا اختیارات سے ناجائز فائدہ اٹھا کر شخصی حکومت قائم کرنا، جنرل یحییٰ کا اختیارات سے تجاوز کر کے ملک دو ٹکڑے کرنا اس کی مثال ہے۔

لیکن جنرل ضیاء الحق نے جو سیاستدانوں کو بڑے گھٹیا القاب دیا کرتے تھے 1981PCO ء اور 1985PCO ء کے ذریعے 1973ء کے آئین کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا۔ لاتعداد ترامیم کیں اور 8ویں آئینی ترمیم کے ذریعے صدر کو اسمبلیاں توڑنے کا اختیار بھی دے دیا 29 مئی 1988ء کو اس کے استعمال کا عملی مظاہرہ کرتے ہوئے وزیر اعظم جونیجو کی بھی چھٹی کرا دی۔ اسمبلیاں توڑ کر ملک میں نگران حکومتیں قائم کر دیں۔

سیاسی جماعتوں کو وہ عدم استحکام کا باعث قرار دیا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے 1985ء میں غیر جماعتی الیکشن کروائے۔ 1988ء کے انتخابات بھی غیر جماعتی کروانا چاہتے تھے لیکن اس کی مہلت نصیب نہ ہوئی۔

جنرل ضیاء الحق عدلیہ کی بھی محدود آزادی کے قائل تھے۔ آپ نے اعلیٰ عدالتوں کے ججوں کی تقرری کے طریقہ کار کو تبدیل کیا جس کے تحت وہ اعلیٰ عدالت کے کسی بھی جج کا تبادلہ کر کے اسے اپنی مرضی کے مطابق کام سونپ سکتے تھے۔ 23 ستمبر 1978ء کو صدر ضیاء الحق نے سپریم کورٹ کے چیف جسٹس یعقوب علی خان کو جبری ریٹائر کر کے اعلیٰ عدالتوں پر دہشت طاری کر دی۔ فروری 1980 میں ایئر مارشل (ر) اصغر خان نے اپنے "پاپ کا پراشچیت" کرنے کے لئے حکومت کے قانونی جواز کو چیلنج کیا۔ سماعت ہائی کورٹ کے فل بنچ نے کی۔ اس سے پہلے کہ بنچ فیصلہ سنائے جنرل ضیاء نے ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کا تبادلہ سپریم کورٹ میں کر کے بنچ ہی توڑ دیا۔ ڈسٹرکٹ اور بار ایسوسی ایشنوں سے سیاسی رہنماؤں کے خطاب پر پابندی لگا دی۔ خطاب کی دعوت دینے والے کو 14 سال قید بامشقت 25 کوڑے اور جائیداد کی ضبطی کی سزا مقرر کی۔ 25 مارچ 1981ء کو ججوں کو PCO کے تحت حلف اٹھانے کا حکم ملا۔ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس اور تین ججوں نے انکار کر کے اپنی چھٹی کروائی۔ بلوچستان کے تین میں سے دو جج جن میں چیف جسٹس خدا بخش مری بھی شامل تھے، نے حلف اٹھانے سے انکار کر دیا۔ لاہور ہائی کورٹ کے دو سندھ

ہائی کورٹ کے ایک جج نے بھی انکار کر دیا جس جج نے صدر ضیاء کے کسی حکم کے خلاف رٹ پٹیشن کی سماعت کی اور صدر کو ذرا شک محسوس ہوا آپ نے فوراً اسے تبدیل یا جبری ریٹائر کر دیا۔ جنرل ضیاء کے دور میں سپریم اور ہائی کورٹس کے سربراہ ''قائم مقام چیف جسٹس'' اور عدم تحفظ کا شکار رہے۔

نفاذ اسلام کے لئے موصوف نے فروری 1979ء کو حدود آرڈی نینس جاری کیا جس پر آج تک لے دے ہو رہی ہے۔ 1979ء میں شریعت بنچ قائم ہوئے جس نے عوام اور قانون دان طبقے میں کنفیوژن پیدا کیا۔ 1979ء کی تعلیمی پالیسی آج تک متنازعہ ہے۔ نظام زکوۃ وعشر کی آڑ میں جو کھیل رچایا گیا اس سے کوئی بھی مکتب فکر مطمئن نہیں۔ آئین کی قطع و برید آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔ اس سلسلے میں جب ان کا جی چاہتا اپنی مرضی کی ترمیم کر لیتے کیونکہ نصرت بھٹو کیس کے فیصلہ نے مارشل لاء حکومت کو قانونی قرار دینے کے علاوہ اسے آئین میں ترمیم کا اختیار بھی دے دیا تھا۔ 2 مارچ 1985ء کو صدر ضیاء الحق نے آر۔ سی۔ (Revival of Constitution order) جاری کیا جس کا مقصد صدارتی اختیارات میں اضافہ، وزیر اعظم کے اختیارات محدود کرنا، مارشل لا اقدامات کو تحفظ دینا اور 1973ء کے آئین کو صدارتی طرز کا بنانا معرض وجود میں آنے والی اسمبلیوں اور سول حکومت کے اختیارات محدود کرنا اس حکم کے تحت آئین کی 280 شقوں میں سے 67 ترامیم کی گئیں جس سے 1973ء کے آئین کی اہلیت ہی دم توڑ گئی۔ 8 ویں ترمیم کے تحت آئین کے 18 آرٹیکلز اور 2 شیڈولز میں نہ صرف ترمیم کی گئی بلکہ اس میں ایک نئے شیڈول کا اضافہ بھی کیا گیا۔ 29 مئی 1988ء کو صدر ضیاء الحق نے بلا توقف جونیجو حکومت کو برطرف کر کے قومی اور صوبائی اسمبلیاں توڑ دیں۔ اس طرح محمد خان جونیجو اور ان کے رفقا نے 8 ویں ترمیم پر جو مہر تصدیق ثبت کی تھی اس کا پہلا شکار ان کی حکومت ہی بن گئی اور 17 اگست 1988ء کو بہاولپور کے نزدیک فضائی حادثے میں جان بحق ہو گئے۔ جنرل ضیاء الحق کو اپنے اقتدار کی طوالت کے لئے ایک بڑا سہارا روس کی افغانستان میں آمد اور امریکہ کا پاکستان کو ''ہتھ ٹوکا'' بنانا بن گیا کیونکہ دنیا میں جمہوریت کا بڑا چیمپئن امریکہ ہی ہے۔ خصوصاً ہمارے ہاں حکومتوں کے جوڑ توڑ میں اس کا رول ہمیشہ رہا ہے۔ جب امریکہ ہی جنرل ضیاء الحق کا دست نگر تھا تو ایم آر ڈی کی تحریک ان کا کیا بگاڑ سکتی تھی لیکن یہ بھی تاریخ کا سبق ہے کہ بالآخر جنرل ضیاء الحق امریکی سازش ہی کی بھینٹ چڑھے۔

جس طرح جنرل ضیاء الحق کو روس کی افغانستان آمد کا ایج مل گیا تھا یہی خوش قسمتی جنرل مشرف کی بھی ہے کہ اکتوبر 1999ء میں اقتدار پر غاصبانہ قبضے کے بعد انہیں نائن الیون مل گیا جس نے عالم اسلام خصوصاً پاکستان کا بیڑہ غرق کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی لیکن جنرل مشرف کے اقتدار کو مضبوطی اور طوالت نصیب ہو گئی۔

''کارگل'' کی لڑائی میاں نواز شریف اور جنرل مشرف کے درمیان وجہ تنازعہ بنی میاں نواز شریف نے ہمیشہ یہی کہا کہ انہیں اس مسئلے پر اعتماد میں نہیں لیا گیا اور حقائق بتاتے ہیں کہ یہی مسئلہ پھر ان کے خلاف بغاوت اور 12 اکتوبر 1999ء کو جنرل مشرف کے اقتدار پر شب خون مارنے کی وجہ بنا۔ جنرل مشرف نے خود کو چیف ایڈمنسٹریٹر ڈکلیئر کیا۔ عدالت سے حسب روایت 3 سال مادر پدر اختیار لیا کرپٹ سیاستدانوں کو بلیک میل کر کے دبائے رکھا۔ سیاسی جماعت کھڑی ہوئی اور اقتدار پر باقاعدہ براجمان ہو گئے موصوف نے چیف آف آرمی سٹاف، چیف ایڈمنسٹریٹر اور صدر مملکت کی 3 ٹوپیاں ایک ہی وقت میں سر پر چڑھائے رکھیں جسے آپ Chain of Comand بھی کہا کرتے ہیں۔

صدر جنرل مشرف کو چونکہ ابتداء ہی میں نابغہ روزگار شریف الدین پیرزادہ اینڈ کمپنی اور بے چارے نیب زدہ سیاستدانوں کا مخلصانہ تعاون مل گیا تھا۔ اس لئے آپ نے جی بھر کے روشن خیال ترقی پسندی کے ڈنکے بجائے معاملات کو سائنسی طریقے سے آگے بڑھانے کے لئے جنرل مشرف نے میاں نواز شریف کو طیارہ سازش کیس میں سزا دلائی اور دسمبر 2000ء میں ملک بدر کر دیا۔ آپ کے عظیم رفقاء نے جی ایچ کیو میں سی فور آئی ڈائریکٹوریٹ قائم کیا۔ سی فور آئی درحقیقت کمانڈ، کنٹرول، کمپیوٹر، کمیونیکیشن اور انٹیلی جنس کا مخفف ہے جس نے 2001ء کے بلدیاتی انتخابات، ریفرنڈم، اکتوبر 2002ء کے عام انتخابات دونوں بلدیاتی انتخابات میں اہم کارنامے انجام دیئے قومی اور صوبائی اسمبلی کے حلقوں مخالف امیدواروں، برادریوں اور قائدین کی خوبیوں، خامیوں، کمزوریوں اور مضبوطیوں کا مکمل تجزیہ، معلومات، متعلقہ حلقوں کے مسائل ور حجانات اور وقتاً فوقتاً وقوع پذیر سیاسی وسماجی تبدیلیوں کا مکمل ریکارڈ رکھنے اور اس کی بنیاد پر حکمت عملی ترتیب دینا سی فور آئی ڈائریکٹوریٹ کا کام تھا جو اس نے بڑی کامیابی سے کیا۔

ریفرنڈم ہمارے جرنیلوں کا شوق رہا ہے۔ سب سے پہلے جنرل ایوب خان نے اس مقصد کے لئے بلدیاتی اداروں کے 80 ہزار بی ڈی ممبر منتخب کروائے۔ پھر 14 فروری 1960ء کو ریفرنڈم میں ان بی ڈی ممبران سے ''ہاں'' ''ناں'' کا پزل حل کروایا اور اعلان فرما دیا کہ 95 فی صد ووٹ ہاں میں آئے ہیں۔

جنرل ضیاء الحق نے بلدیاتی اداروں کی بجائے بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ووٹروں سے رجوع کیا 19 دسمبر 1984ء کو ریفرنڈم میں عوام سے پوچھا کہ وہ پاکستان قوانین کو قرآن وسنت کے اصولوں کے مطابق ڈھالنے، نظریہ پاکستان کے تحفظ یقینی بنانے اور اس کے لئے اختیار کئے گئے طریقے کے تسلسل اور استحکام اور عوام کے منتخب نمائندوں کو اقتدار کی پرامن منتقلی کے لئے جنرل محمد ضیاء الحق کے طرز عمل کی توثیق کرتے ہیں؟ اس ریفرنڈم کے حوالے سے آج تک لوگ ایک دوسرے کو لطیفے سنا کر محظوظ ہوتے ہیں جنرل صاحب نے رات کو اعلان کر دیا کہ 45 صد ووٹرز نے ان کے حق میں یعنی 'ہاں' پر نشان لگائے ہیں۔

جنرل مشرف کہاں پیچھے رہنے والے تھے آپ نے 30 اپریل 2002ء کو ریفرنڈم کروایا ''قومی تعمیر نو' بیورو'' نے 60 فی صد سے زیادہ ٹرن آؤٹ اور 90 فی صد سے زیادہ 'ہاں' میں ڈالے گئے ووٹوں کا نتیجہ تیار کر رکھا تھا جسے وقت آنے پر پریس کے لئے جاری کر دیا گیا۔ لوکل باڈی الیکشن 2002ء میں بھی یہی کہانی دہرائی گئی اور لوکل گورنمنٹ کے نام پر جنرل مشرف نے اپنی ایک نئی فوج تیار کر لی یہ وہ لوگ تھے جن کی براہِ راست سرکاری فنڈز تک رسائی تھی پولیس ان کے کنٹرول میں تھی اور سَر پر جنرل صاحب کا دستِ شفقت اللہ اللہ خیر صلا۔ انہیں جنرل مشرف صاحب اپنا ووٹ بنک کہا کرتے ہیں۔

یہ وہ دور ہے جب پاکستان سٹیل ملز، حبیب بنک، پی ٹی سی ایل، سٹاک مارکیٹ 2006-2005ء گوادر میں زمینوں کی الاٹمنٹ، بنکوں کی کرپشن اور شوگر سکینڈل جیسے مشہور زمانہ سکینڈل سامنے آئے۔ جنرل مشرف کو چونکہ روشن خیال ترقی پسند دانشوروں کا ساتھ بھی ٹھیک ٹھاک میسر تھا۔ اس لئے آپ نے معیشت میں بھی انقلابی اقدامات کئے۔ ہمارے سابق (اور موجود مفرور) وزیراعظم اور وزیر خزانہ شوکت عزیز کی ''ٹریکل

ڈاؤن'' اکانومی نے پاکستان کا بیڑہ غرق کردیا۔ روپے کی قدر میں شرمناک حد تک کمی ہوئی اور ہم افغانی روپے کے برابر ہو چکے ہیں۔ بنکوں کا منفی کردار، مراعات یافتہ طبقے کی سرپرستی، کارٹلز کی سرپرستی اور عوامی استحصال، فوجی مالیاتی مسائل پر وفاقی کنٹرول میں اضافہ زرمبادلہ کے ذخائر کے بے بنیاد اور لغو دعوے اندرونی اور بیرونی قرضے بیروزگاری میں خوفناک اضافہ، مہنگائی میں ہوشربا اضافہ، پاکستان سے سفید پوش طبقے کا قریباً صفایا آپ کی معیشت کے شاندار کارنامے ہیں۔

عالمی سطح پر پاکستان کو جو ذلت ورسوائی جنرل پرویز مشرف کے دور میں نصیب ہوئی اس کی مثال گذشتہ 60 سال کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

جنرل صاحب نے امریکہ کے ناجائز مطالبات ماننے میں یدطولیٰ حاصل کیا اور امریکہ کو بن مانگے وہ وہ کچھ دیا جس کا امریکیوں نے خواب میں بھی تصور نہیں کیا تھا۔ مسئلہ کشمیر قریباً دفن کردیا مجاہدین کو اپنی انقلابی پالیسی کے تحت دہشت گرد بنایا اور صوبہ سرحد جو پاکستان کا سب سے پُرامن صوبہ تھا نفرت اور انتقام کی آگ میں بھسم کردیا۔ پاکستان کے گلی کوچوں میں خودکش دھماکے ہوئے اور پاکستانی عوام نے اپنی ہی فوج کو پہلی مرتبہ اپنے ہی بازوئے شمشیرزن کے خلاف نبردآزما پایا۔ پاکستان کے سرمایا افتخار ڈاکٹر قدیر خان کو زندہ درگور کردیا قوم کی نظروں میں ہیرو کو چور بنا کر پیش کیا گیا۔ حیرت اور دکھ کی بات تو یہ ہے کہ الیکشن 2008ء میں عوام نے سیاسی جماعتوں کو آمریت کے خلاف مینڈیٹ دے کر اسمبلیوں میں بھیجا تھا لیکن وہ بے بسی اور بے کسی کی تصویر بنے ایک دوسرے سے الجھ رہے ہیں اور آمریت نے صدارتی محل میں ابھی تک ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔

# ہم کس کا "کھیل" کھیل رہے ہیں!



23 اگست کی ایک خبر کے مطابق سوات کے علاقے چار باغ کے تھانے پر خودکش حملے سے دس پولیس اہلکار جاں بحق ہو گئے ہیں۔ یہ واقعہ پاکستان آرڈیننس فیکٹری واہ کینٹ کے مین گیٹ پر ہونے والے دو خودکش دھماکوں کے بمشکل تین روز بعد پیش آیا ہے۔ واہ کینٹ کے سانحہ میں اب تک 76 بے گناہ پاکستانی جن میں شاید کسی ایک کا تعلق بھی باقاعدہ فوج سے نہیں رہا ہوگا کیونکہ یہ سب مزدور پیشہ ٹیکنیشن ہیں جو واہ آرڈیننس فیکٹری میں کام کرتے ہیں اور چھٹی کر کے باہر آ رہے تھے' جاں بحق ہو چکے ہیں۔ ابھی کتنے جان کنی کے مراحل سے گزر رہے ہیں اس سوال کا جواب بھی اتنا ہی تکلیف دہ ہے۔ طالبان کے ترجمان مولوی عمر نے اس دھماکے کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے اسے باجوڑ پر حملوں کا ردعمل بتایا ہے چونکہ ہر شخص کا سوچنے کا اپنا انداز اور طریق کار ہے۔ اس لئے مولوی عمر کے اس بیان پر کوئی بحث تو نہیں ہو سکتی لیکن ایک سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ اگر ان کے خیال میں یہ باجوڑ کے حملوں کا ردعمل ہے اور وہ سکیورٹی فورسز پر ہی حملے کرتے ہیں تو شاید وہ بتا سکیں کہ اس حملے میں باقاعدہ سکیورٹی فورسز کے کتنے جوان یا افسر جاں بحق ہوئے؟ شاید ایک بھی نہیں۔ یہ سب بیچارے عام سویلین ملازمین تھے اور عین ممکن ہے ان میں زیادہ تعداد ان لوگوں کی ہو جو قبائلی علاقہ جات میں ہونے والی سکیورٹی فورسز کی کارروائی کو غلط سمجھتے ہوں۔

اس مرحلے پر حکومت پاکستان کو بھی یقیناً یہ سوچنا ہوگا کہ وہ امریکہ کی جنگ کو اپنے ملک میں لڑ کر کب تک اپنے ہی شہریوں کی جان کے نذرانے پیش کرتی رہے گی۔ صورتحال اتنی سنگین ہو چکی ہے کہ اب پاکستان کو غیر محفوظ ملک کہا جانے لگا ہے۔ نہ تو ہمارے ہاں کوئی غیر ملکی ٹیم آ کر کھیلنے کے لیے تیار ہے اور نہ ہی غیر ملکی سرمایہ کاری ہو رہی ہے بلکہ ملکی غیر ملکی ہی نہیں پاکستانی سرمایہ کار بھی پاکستان سے کاروبار سمیٹ کر باہر بھاگ رہے ہیں، اور صورتحال اتنی الارمنگ اور تکلیف دہ ہے جو بیان سے باہر ہے۔ شاید اس کی ایک وجہ فروری کے انتخابات سے تادم تحریر ہماری سویلین حکومت کے معاملات بھی ہیں جو ابھی تک ٹھیک ہونے میں نہیں آ رہے۔ جب فروری 2008ء میں انتخابی نتائج منظر عام پر آئے تو پاکستانی عوام نے سجدہ شکر ادا کیا کہ حکومتی دھاندلیوں کے باوجود عوامی مینڈیٹ اتنا واضح تھا کہ حکومت کی لاکھ کوششوں کے باوجود بالآخر اپوزیشن جماعتوں نے مل کر حکومت بنائی۔

مسلم لیگ (ن) اور پیپلز پارٹی کی حکومت سازی کے لئے جمع ہونا ہماری پارلیمانی سیاسی تاریخ کا شاندار باب ہے۔ جس کے بعد یہ امید پیدا ہونے لگی تھی کہ اب پاکستان میں جمہوری کلچر ضرور پروان چڑھے گا۔ جمہوریت کی برکات سے ہم مستفید ہوں گے اور ملک کے سب سے اہم مسئلے یعنی دہشت گردی سے جو سابقہ صدر صاحب کی مہربانیوں اور امریکہ کے لئے بے پناہ فیاضیوں کے سبب پاکستانیوں پر مسلط ہو چکی ہے سے نجات مل جائے گی کیونکہ عسکریت پسندوں کی طرف سے یہ بات تکرار سے کہی جا رہی تھی کہ وہ منتخب حکومت سے مذاکرات کے ذریعے اس مسئلے کا حل چاہتے ہیں، اور ایسا ہوا بھی۔ اے این پی کی صوبائی حکومت نے سوات میں صورتحال کو کنٹرول کیا اور آٹھ سال سے بغیر مقدمہ چلائے نظر بند صوفی محمد

نفاذ شریعت والوں کو رہا کرتے ہوئے مقامی عسکریت پسندوں سے امن معاہدہ بھی کر لیا جس پر امن بھی ہو گیا لیکن اچانک امریکہ کی نافذ کردہ ''وار آن ٹیرر'' نے ہمیں پھر جہنم کا ایندھن بنا دیا اور اب صورتحال یہ ہے کہ سوات میں جنگ جاری ہے خدا جانے کون لوگ ہیں جنہوں نے اب تک بچیوں کے قریباً دو سو سکول نذر آتش کر دیئے ہیں اور یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ اے این پی کی طرف سے قدرے ٹھیک ہونے والے معاملات اچانک کیسے خراب ہو گئے یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے۔ ایسا دکھائی دیتا ہے جیسے ''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' کے حوالے سے فیصلہ پاکستانی حکومت نہیں کوئی اور ہی کرتا ہے۔ جس پر ہمیں بہر صورت عمل کرنے کا حکم صادر ہوتا ہے اور عمل شروع ہو جاتا ہے۔ یہ دیکھے اور جانے بغیر کہ اس میں ہمارا کیا کچھ داؤ پر لگ جاتا ہے۔ صوبہ سرحد کی صوبائی حکومت کے قریباً تمام ذمہ دار یہ بیان ریکارڈ دے چکے ہیں کہ کوئی بھی کارروائی کرنے سے پہلے نہ تو ان کو اعتماد میں لیا جاتا ہے نہ ہی ان سے مشورہ کیا جاتا ہے لیکن صوبائی حکومت کے ذمہ داروں کو شاید اس بات کا بھی بخوبی علم ہے کہ اعتماد میں مرکز کو بھی نہیں لیا جاتا وہاں بھی یہ مسئلہ کبھی پارلیمنٹ میں یا کسی پارلیمانی کمیٹی کے سامنے پیش نہیں ہوا ایسا لگتا ہے جیسے یہ امریکہ اور اسٹیبلشمنٹ کے درمیان کوئی خفیہ معاہدہ ہے جو نہ کبھی منظر عام پر آیا ہے اور نہ ہی کبھی لایا جائے گا البتہ بڑی تابعداری سے ہم اس کی پابندی کرتے رہیں گے خواہ قیمت کچھ بھی ادا کرنی پڑے۔

اپنے تازہ ترین بیان میں ڈی جی آئی ایس پی آر نے کہا ہے کہ قبائلی علاقے باجوڑ ایجنسی میں آپریشن اس وقت تک جاری رہے گا جب تک اس کے مقاصد حاصل نہیں کر لئے جاتے۔ بیت اللہ محسود کی تحریک طالبان پاکستان نے پیر کو ڈیرہ اسماعیل خان کے ہسپتال کے اندر اور بدھ کو اسلام آباد کے قریب دفاعی اسلحہ ساز ادارے پاکستان آرڈیننس فیکٹری کے باہر ہوئے خودکش حملوں کی ذمہ داری قبول کی تھی اور کہا تھا کہ یہ حملے باجوڑ ایجنسی میں جاری فوجی کارروائی کا ردعمل ہیں۔ تنظیم نے آپریشن بند نہ ہونے کی صورت میں ایسے مزید حملوں کی دھمکی بھی دی ہے۔ پاکستانی فوج کے ترجمان میجر جنرل اطہر عباس نے تحریک طالبان پاکستان کے ترجمان مولوی عمر کے اس بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے اس بات کی تردید کی کہ ان دھماکوں کے بعد فوج نے اپنی حکمت عملی میں کوئی تبدیلی کی ہے۔

بی بی سی سے بات کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ آپریشن کے اغراض و مقاصد میں جب تک کامیابی نہیں ہو جاتی آپریشن جاری رہتا ہے، اور یہ آپریشن بھی جاری رہے گا جب تک کہ جو بھی ہدف مقرر ہیں وہ مکمل نہیں ہو جاتے۔ فوجی ترجمان نے ان اہداف کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ باجوڑ میں جاری کارروائی کا بنیادی مقصد علاقے میں حکومت کی رٹ قائم کرنا اور وہاں موجود ان عسکریت پسندوں کو ختم کرنا ہے جو فوجی کارروائی کے خلاف مسلح مزاحمت اور حملے کر رہے ہیں۔ دریں اثنا افغانستان میں تعینات اتحادی افواج انٹرنیشنل سکیورٹی اسسٹنس فورس (ایساف) نے جمعہ کو جاری کردہ بیان میں کہا ہے کہ جمعرات کی شب ایساف کے اہلکاروں نے پاکستانی علاقے میں عسکریت پسندوں کے ایک ٹھکانے پر توپ خانے سے کئی گولے داغے۔ بیان کے مطابق یہ کارروائی پاکستانی فوج کے اشتراک سے کی گئی۔ پاکستانی فوج نے تصدیق کی تھی کہ سرحد پار پاکستانی علاقے میں بھاری ہتھیاروں سے لیس عسکریت پسند جمع ہوئے اور وہ افغانستان کے صوبے پکتیکا میں موجود ایساف کے فوجی اڈے پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں جس کے بعد یہ کارروائی کی گئی۔ اتحادی افواج کے بیان کے مطابق پاکستانی افواج نے ایساف سے کہا تھا کہ اپنے علاقے میں وہ ان عسکریت پسندوں کو مصروف رکھیں گی تاکہ وہ بھاگنے نہ پائیں۔ پاکستانی افسران نے بتایا کہ تمام گولے ہدف پر لگے اور کسی عام شہری کی ہلاکت

نہیں ہوئی۔ تاہم بیان میں کہا گیا ہے کہ ایساف اس بات کی تصدیق نہیں کر سکتی کہ اس کارروائی میں کتنے عسکریت پسند مارے گئے کیونکہ وہ پاکستانی علاقے میں تھے۔ پاکستانی فوج کے ترجمان میجر جنرل اطہر عباس نے اس کارروائی سے لاعلمی کا اظہار کیا ہے۔

رحمان ملک نے گذشتہ دنوں پشاور میں باجوڑ آپریشن کے حوالے سے پریس کانفرنس کرتے ہوئے ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا تھا، اور یہ بھی کہا تھا کہ قبائلی علاقہ جات کی شورش میں غیر ملکی ہاتھ بھی ملوث ہے۔ ان کا واہ کینٹ کے سانحے کے بعد بیان آیا ہے کہ انہوں نے ایک بڑا ''بریک تھرو'' کیا ہے اور پاکستان میں ہونے والی مداخلت میں ایک نہیں بلکہ دو تین ملک ملوث ہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ اگلے تین روز میں ایک بڑی سازش کے سلسلے میں ایران سے بھی رابطہ کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے اس نوعیت کے بیانات پاکستانی عوام میں پہلے سے موجود کنفیوژن میں کچھ زیادہ اضافہ کر دیتے ہیں اور لوگ اپنے اندازے لگانے شروع کر دیتے ہیں۔

جہاں تک باجوڑ آپریشن کا تعلق ہے۔ اس سوال کا جواب تو رحمان ملک صاحب ہی دے سکتے ہیں کہ وہاں حکومتی رٹ کس حد تک قائم ہوئی ہے لیکن زمینی حقائق یہ ہیں کہ اب تک پونے تین لاکھ افراد ہجرت کر کے پشاور اور ملحقہ علاقوں میں آچکے ہیں جو کسی بھی مرحلے پر انتہائی خطرناک مسائل کھڑے کر سکتے ہیں۔ یہ مسائل لاینڈ آرڈر کے حوالے سے تو شاید کم ہوں لیکن اتنے مہاجرین کی دیکھ بھال اور ضروریات پوری کرنا صوبہ سرحد کی حکومت کے لئے تو کم از کم ممکن نہیں رہا۔ اس ضمن میں قاضی حسین احمد کا یہ بیان بڑا ہی پریشان کن ہے کہ حکومت پمفلٹ گرا کر ان لوگوں کو علاقے سے نکل جانے پر مجبور کر رہی ہے۔ کتنی ستم ظریفی کی بات ہے کہ یہ لوگ غیر ملکی نہیں، افغان مہاجر نہیں، پاکستانی شہری ہیں جو پاکستان میں ہی مہاجر بن گئے ہیں۔

تحریک طالبان کے ترجمان مولوی عمر نے واہ کینٹ کے حملے کو باجوڑ پر حملوں کا ردعمل قرار دیا ہے۔ میڈیا پر بھی یہ خبریں عام طور پر دیکھنے کو ملتی ہیں کہ عسکریت پسندوں اور پاکستانی فوج کے درمیان لڑائی میں بے گناہ شہری خصوصاً بچے عورتیں اور بوڑھے مارے جاتے ہیں۔ دینی مدارس پر میزائل گرتے ہیں تو بھی درجنوں بے گناہ بچے شہید ہو جاتے ہیں شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں عسکریت پسندوں کی سرکوبی کرنے والی افواج زمینی لڑائی سے احتراز برتتے ہیں اور زیادہ تر فضا سے ہی حملے کیے جاتے ہیں جن میں گن شپ ہیلی کاپٹروں کے حملے نمایاں ہیں۔ یہ کارروائیاں کتنی ہی محتاط کیوں نہ ہوں سویلین بے گناہوں کے جانی اور مالی نقصان کا خطرہ ضرور رہتا ہے۔ اس مرحلے پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پاکستانی سکیورٹی ایجنسیاں بہر حال حکومتی رٹ قائم کرنے کے مشن پر گامزن ہیں اور وہ یہ کارروائی اپنے ملک میں ہی کر رہی ہیں۔ امریکہ یا نیٹو کا تعلق افغانستان سے نہیں وہ غیر ملکی ہیں، اور ان کے مسائل بھی مختلف ہو سکتے ہیں۔ ہماری فوج میں ایس ایس جی کے قابل فخر جوان اور افسر موجود ہیں۔ ماضی میں شہید ٹی ایم (طارق محمود) کے حوالے سے بلوچستان میں باغیوں کی سرکوبی کے لئے ایسے بہت سے واقعات سننے کو ملتے ہیں۔ سکیورٹی ایجنسیوں کی بہر حال اپنی حکمت عملی ہوتی ہے لیکن کیا یہ ممکن نہیں کہ پیراٹروپرز کو منتخب کردہ ٹارگٹس پر اتارا جائے اور وہ خود باغیوں کے خلاف کارروائی کریں اس طرح بے گناہ شہریوں کی ہلاکت کے خدشات بھی کم ہو جائیں گے۔

# نئی روایت قائم کیجئے



نئی حکومت نے ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ عوامی توقعات ان سے وابستہ ہیں۔ کچھ وعدے حکومت نے زمام اقتدار سنبھالنے سے پہلے کیے تھے جن پر نیک دلی سے عمل کے لئے بھی کوشاں ہے، اور یہ امید کی جاتی ہے کہ وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب بھی ہو جائیں گے۔ کہا جاتا ہے کہ اس مرتبہ جو حکومت قائم ہوئی ہے وہ ماضی کے برعکس ڈکٹیشن نہیں لے گی بلکہ پارلیمنٹ اور آئین کی روح کو برقرار رکھنے کی کوشش کرے گی۔ ہماری دعا ہے ایسا ہی ہو۔ اس مرحلے پر ایک اہم مسئلہ حکومت کی خصوصی توجہ چاہتا ہے۔ ہمارے ہاں روایت یہی رہی ہے کہ ہر آنے والی حکومت جانے والی حکومت کی کرپشن کا وائیٹ پیپر جاری کرتی ہے، اور ماضی کی تمام ناکامیاں اس کے گلے منڈھ کر اپنے کام میں مصروف ہو جاتی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر گزشتہ حکومت میں کسی نے ملک کو اربوں یا کروڑوں کا نقصان پہنچایا ہے تو وہ اگلی مرتبہ محض اس لئے تو اس جرم سے مستثنیٰ قرار نہیں پاتا کہ اس کا تعلق اب اپوزیشن سے ہے یا پھر وہ سیاست کے بزنس سے آؤٹ ہو چکا ہے۔ اگر محض یہ وجہ کسی ملزم کے بری الذمہ ہونے کے لئے کافی ہے تو پھر شاید یہ سلسلہ بہت دور تک جائے گا اور "لا اینڈ آرڈر" کا تصور ہی بدل جائے گا۔ کیا ہی اچھا ہو اگر یہ حکومت ایک نئی روایت کا آغاز کرے اور اس وعدے کے ساتھ کہ اپنا دور اقتدار ختم ہونے پر وہ خود کو بھی احتساب کے لئے پیش کریں گے گزشتہ حکومت میں ہونے والی کرپشن کا احتساب کرے۔

یوں تو ماضی کی ہر حکومت ہی کسی نہ کسی لحاظ سے کسی نہ کسی حد تک کرپشن میں ملوث رہی ہے لیکن گزشتہ حکومت کا دعویٰ تھا کہ اس نے نہ صرف یہ کہ کرپشن کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا ہے بلکہ ایسے ایسے معاشی کارناموں کا دعویٰ کیا گیا کہ سن کر عقل دنگ رہ جاتی ہے کیونکہ حکومتی دعووٗں کے برعکس زمینی حقائق کچھ اور ہی کہانیاں سناتے رہے۔ بھوک' افلاس' بے روزگاری اور مہنگائی نے ملک کو قحط کے خوف میں لپیٹے رکھا اور خودکشیوں کا ریٹ خطرناک حد تک بڑھ گیا۔ حکومت کی طرف سے اس کے باوجود مسلسل ایک ہی بات کہی جاتی رہی کہ پاکستان کی معیشت مضبوط ہو رہی ہے۔ اگر "ٹریکل ڈاؤن" پالیسی والے شوکت عزیز اب تک پاکستان میں ہوتے تو عین ممکن ہے ہم "ایشین ٹائیگر" بن چکے ہوتے لیکن وہ بظاہر یہی دکھائی دیتا ہے کہ اپنا بوریا بستر سمیٹ کر ملک کو خیر باد کہہ چکے ہیں۔

ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل 2006ء کی رپورٹ کے مطابق 1999ء سے 2006ء تک پاکستان میں کرپشن 34 فیصد سے بڑھ کر 67.3 ہو چکی تھی۔

روس کے تعاون سے پاکستان سٹیل ملز (PSMC) کی بنیاد 1968ء میں رکھی گئی اور اس پر 2.5 ارب ڈالر لاگت آئی۔ مالی سال 2004-05ء میں PSMC نے 3.938 ارب روپے کی مصنوعات فروخت کیں اور 6 ارب خالص منافع کمایا۔ PSMC 19 ہزار ایکڑ زمین پر قائم ہے۔ اس کی نجکاری کے وقت مارکیٹ ویلیو 380 سے 475 ارب روپے تھی۔ 31 مارچ 2006ء تک اس میں 12.40 ارب روپے کا خام مال' مصنوعات اور سپیئر پارٹس موجود تھے۔ حکومت کے اپنے جائزے کے مطابق اس کے غیر قائم اثاثوں (Fixed Assests) کی قیمت

13.04 ارب روپے تھی۔ حکومت نے 4457 ایکڑ زمین نجکاری میں پیش کی جس کی قیمت حکومتی تخمینے کے مطابق 72.50 ارب جبکہ مارکیٹ ویلیو 112 ارب روپے تھے۔ 19 پارٹیوں نے بولی میں حصہ لیا' 9 نااہل ثابت ہوئیں' 7 نے دو کنسورشیم بنائے جو غیر قانونی تھے۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ کامیاب کنسورشیم 20 اپریل 2006ء یعنی بولی کے 20 دن بعد بنایا گیا۔ کامیاب بولی دہندہ تو عارف حبیب وغیرہ کنسورشیم تھا لیکن معاہدہ فروخت کسی اور سے طے ہوا۔

PSMC کے 75 فیصد حصص کی نیلامی 30 مارچ 2006ء کو ہوئی۔ 31 مارچ کو نجکاری کمیشن نے اس کی منظوری دیدی۔ نجکاری بورڈ نے اسی روز منظوری کیلئے سمری نجکاری کی کابینہ کمیٹی کو بھیجی جس نے اسی روز اجلاس منعقد کیا اور منظوری عطا کر دی۔ فیاضی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسی دن نجکاری کمیشن نے کامیاب خریدار کو (Letter of Approval) جاری کرنے کا اختیار بھی دے دیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ جناب شوکت عزیز حکومت نے PSMC کے 2013ء تک واجب الادا تمام قرضے بھی معاف کر دیئے۔ سٹیل ملز کے بینک اکاؤنٹ میں 8.559 ارب روپے کی نقد رقم موجود تھی جس میں سے 7.77 ارب روپے کا وہ قرضہ جس کی ادائیگی 2013ء سے شروع ہو کر 2020ء تک 7 قسطوں میں مکمل کرنی تھی' وہ بھی حکومت نے بعد کی تاریخ کے چیک (Post Dated Cheque) جاری کر کے ادا کر دیا۔ اس قرضے کا سود ادا کرنے کی ذمہ داری وفاقی وزارت خزانہ نے اپنے ذمے لی اور 3 ارب روپے کا واجب الادا ٹیکس بھی حکومت نے ادا کیا جس میں سے ایک ارب روپے خریدار کو اسی وقت Refund کر دیئے جاتے جب وہ سٹیل ملز کا قبضہ لیتا۔ مرے پر سو درّے حکومت نے PSMC کے نصف ملازمین کے گولڈن ہینڈ شیک کے لیے قومی خزانے سے 7.5 ارب دینا بھی قبول کر لیا۔

حکومت نے اس سب کچھ کے بدلے PSMC کو 21.68 ارب روپے میں فروخت کر دیا جبکہ گولڈن ہینڈ شیک ادائیگی میں بھی 25.17 ارب روپے حکومت کو ادا کرنے پڑتے۔ ماہرین معیشت کے مطابق اس طرح ملک کو 150 ارب روپے کا نقصان پہنچانے کا گھناؤنا منصوبہ بنایا گیا جو خوش قسمتی سے کامیاب نہ ہو سکا۔ بیرسٹر ظفر اللہ' راجہ محمد اکرم' سعدیہ عباسی اور محمد حبیب الرحمٰن جیسے غیرت مند پاکستانی وکلاء نے حکومتی وکلاء شریف الدین پیرزادہ' عبدالحفیظ پیرزادہ اور وسیم سجاد کو عدالت میں چاروں شانے چت کر کے نجکاری کالعدم قرار دلوادی۔

حبیب بینک لمیٹڈ کی پاکستان میں 1425 جبکہ برطانیہ' سوئٹزرلینڈ' ہالینڈ سمیت کئی یورپی ممالک' امریکہ' مڈل ایسٹ' فارایسٹ' ایشیا اور افریقہ کے 26 ممالک میں اس کی 48 برانچیں قائم ہیں۔ نجکاری کے وقت حبیب بینک کو پاکستان کی کل بینکنگ بزنس کا 20 فیصد پر کنٹرول حاصل تھا۔ اس کے 3 ذیلی ادارے تجارتی دنیا میں نام کما رہے تھے جو حبیب بینک فنانشل سروسز پرائیویٹ لمیٹڈ کراچی' حبیب بینک فنانس انٹرنیشنل لمیٹڈ ہانگ کانگ اور حبیب فنانس آسٹریلیا لمیٹڈ سڈنی کے نام سے جانے جاتے ہیں۔

نواز شریف حکومت نے جب اسے نجکاری کے تحت فروخت کرنا چاہا تو کینیڈین حکومت کے ایک گروپ نے 60 ارب روپے بولی لگائی جو اس دور میں 1.2 ارب ڈالر بنتے تھے لیکن حکومت نے مسترد کر دیا اور شوکت عزیز حکومت نے اس بینک کے 51 فیصد شیئرز صرف 3.82 ملین ڈالر یعنی 22.409 ارب کے عوض فروخت کر دیے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ اس سودے میں ملک کو 100 تا 120 ارب روپے کا نقصان پہنچایا گیا۔

# نیا پنڈورا باکس کھل رہا ہے



18 فروری 2007ء کے بعد سے آج تک جس طرح حالات روز بروز نئی کروٹ لے رہے ہیں اور بسا اوقات ایسا کچھ دیکھنے اور سننے کو مل جاتا ہے جس کی توقع الیکشن نتائج آنے پر شاید کسی کو بھی نہیں تھی۔ کہا جاتا ہے کہ کسی بھی نئی حکومت کے لئے پہلے سو دن اس کا ہنی مون پیریڈ ہوتا ہے اور عوام ان دنوں میں حکومتی کارکردگی کو اس لئے بھی نظر انداز کر دیتے ہیں کہ ابھی حکومت سنبھل رہی ہے، اور شاید گزشتہ حکومت کی جاری پالیسیوں کا نقصان بھی بھگت رہی ہے لیکن اس کے بعد پھر یہ معاملہ باقی نہیں رہتا یہی وجہ ہے کہ کئی سروے رپورٹس کے مطابق عوامی نفرت کا رخ صدر مشرف کے ساتھ ساتھ حکومت کی طرف بھی ہو رہا ہے اور عین ممکن ہے کہ اب وہ کچھ ہو جائے جو نہ ہوتا تو بہتر تھا۔

چیف جسٹس افتخار چودھری نے اپنے خطاب فیصل آباد میں واضح کر دیا ہے کہ 3 نومبر کو عدالتی حکم نہ ماننے والوں کے خلاف ضرور کارروائی ہوگی کیونکہ اب ملک کی بقا کے لئے قانون اور آئین کی پاسداری لازم ہوگئی ہے۔ ان کا کہنا بالکل بجا ہے کہ وہ قومیں جو ان معاملات پر سمجھوتے کرتی ہیں کبھی کامیاب نہیں ہوتیں گو کہ اب تک کی اطلاعات کے مطابق پیپلز پارٹی کا آئینی پیکج وکلا کے لئے ناقابل قبول ہے اور وہ مائنس ون فارمولا قبول کرنے پر کبھی رضامند نہیں ہوں گے جبکہ پیپلز پارٹی اس پر بضد ہے اور دوسری طرف اب زبانی کلامی باتیں ایک طرف زمینی حقائق یہ ہیں کہ آصف زرداری یہ محسوس کرنے لگے ہیں کہ صدر مشرف سے ان کے پس پردہ تعلقات انہیں کہیں کا نہیں رکھیں گے وہ عوامی دباؤ کو محسوس کرنے لگے ہیں۔

''صدر مشرف ماتی کا ''تبرک'' ہے جو عوام اور جمہوریت کے درمیان دیوار بن کر کھڑا ہے۔ عالمی دباؤ اور میری بیگم کی کوششوں نے اسے وردی اتارنے پر مجبور ضرور کیا ہے لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ سویلین یا جمہوری صدر بن چکا ہے یا اس کی صدارت کو قانونی درجہ حاصل ہوگیا ہے۔ سب کچھ میرے سامنے ہے۔ مجھ پر پاکستانی عوام کا شدید دباؤ ہے۔ عوام پیپلز پارٹی سے کہہ رہے ہیں ہمیں روٹی چاہئے نہ بجلی...... ہمیں مشرف سے نجات چاہئے جو کچھ یہاں ہو چکا اس کے بعد ایک غیر منتخب غیر جمہوری صدر کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ گزشتہ دو ماہ سے ''وائیٹ واش'' کی کوشش کر رہا ہوں۔ اسے کوئی بھی نام دے لیں۔ میں دو ماہ سے پارٹی اور عوام سے ڈائیلاگ کر رہا ہوں۔ میں کہتا ہوں چلو جو ہوا سو ہوا' آؤ قومی مفاہمت کا راستہ اختیار کریں لیکن عوام میرا موقف تسلیم نہیں کر رہے۔ مجھے علم نہیں مشرف کے دن گنے جا چکے ہیں' یا میرے ہماری حکومت کے۔ کسی کو کچھ معلوم نہیں۔ ''50 ٹوپی'' اب بھی اس کے پاس ہے۔ بے تحاشا اختیارات کا مالک ہے۔ اگر وہ وار کرتا ہے تو کرے۔ میری بیٹی بختاور مجھ سے کہتی ہے ''اگر آپ کچھ کریں گے تو میں بھی کروں گی'' اس ساری گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ عوام مشرف سے نجات چاہتے ہیں اور میں عوام کا آقا نہیں' خادم ہوں۔ میں اسے پسند کروں نہ کروں مشرف اسے پسند کرے یا نہ کرے۔ کوئی اور اسے پسند کرے نہ کرے۔ میرے سامنے کوئی دوسرا راستہ نہیں......''

یہ وہ الفاظ ہیں جو پیپلز پارٹی کے شریک چیئرمین آصف علی زرداری نے پریس ٹرسٹ آف انڈیا سے بات چیت کرتے ہوئے ادا کئے۔

18 فروری کے بعد سے جس انداز میں عوامی مینڈیٹ کی دھجیاں اڑائی جا رہی ہیں اور حکومت کی طرف سے خصوصاً عدلیہ کی بحالی پر جو

پینترے بدلے جارہے تھے اس کے بعد سے ظاہر تو یہی تاثر قائم ہورہا تھا کہ صدر مشرف اور پیپلز پارٹی کے درمیان طے شدہ سمجھوتے کے مطابق یہ سارا کھیل کھیلا جارہا ہے لیکن اب یوں دکھائی دے رہا ہے جیسے آصف زرداری صاحب کا پیمانہ صبر بھی لبریز ہوچکا ہے اور وہ مسلسل عوامی اور پارٹی دباؤ کی وجہ سے تقریباً ہتھیار ڈال کر اس لہجے میں بات کرنے پر مجبور ہوگئے ہیں۔ یہ صورت حال تب پیش آئی جب صدر مشرف کی طرف سے تحفظات کا اظہار کیا گیا۔انہوں نے ملک میں بڑھتی ہوئی مہنگائی اور کساد بازاری پر حکومت کو وارننگ دینے کا فیصلہ کیا تھا۔

صدر پرویز مشرف جس معاشی کساد بازاری پر نئی حکومت سے بات کرنا چاہتے ہیں' سب کو معلوم ہے کہ وہ درحقیقت خود انہی کے آٹھ سالہ دور حکومت کی پالیسیوں کا نتیجہ ہے۔مسلم لیگ (ن) کے مرکزی رہنما اور مستعفی وزیر خزانہ اسحاق ڈار نے ایک نشری انٹرویو کے دوران انکشاف کیا ہے کہ پاکستان اب بھی 5400 ارب ڈالر کے قرضوں میں ڈوبا ہوا ہے۔اسحاق ڈار نے الزام لگایا کہ گزشتہ سال بجٹ میں اعداد و شمار غلط پیش کئے گئے جس کی وجہ سے معیشت میں عدم استحکام پیدا ہوا' سابقہ حکومت نے دعویٰ کیا تھا کہ ہم نے کشکول توڑ دیا اب ہم قرض لینے کی بجائے دینے کے قابل ہوگئے ہیں، جب کہ حقیقت اس سے بالکل مختلف ہے۔اسحاق ڈار کے مطابق پاکستان نے 52 سالوں میں 2900 ارب ڈالر قرضے لئے تھے جب کہ گزشتہ 8 سالوں میں 2600 ارب ڈالر لئے گئے۔1999ء میں بیرونی قرضوں کا بوجھ 2900 ارب ڈالر جو اب بڑھ کر 5400 ارب ڈالر تک پہنچ چکا ہے۔8 سالوں میں غیر ترقیاتی اخراجات 500 ارب سے بڑھ کر 1500 ارب تک پہنچ گئے ہیں۔اسحاق ڈار کے بیان کردہ ان دعوؤں اور اعداد و شمار کو اگر درست نہ بھی کہا جائے تب بھی ملک کی تازہ اقتصادی صورتحال اپنی وضاحت آپ ہے۔ملک میں افراط زر اور مہنگائی ریکارڈ سطح پر پہنچ چکی ہے' اس صورت حال پر قابو پانے کے لئے اسٹیٹ بینک کی جانب سے مانیٹری پالیسی مزید سخت کرنے اور شرح سود میں اضافے کا اعلان کیا گیا لیکن اس سے ملک کے تینوں اسٹاک ایکسچینج شدید بحران کا شکار ہوگئے' جمعے کے روز اسلام آباد اسٹاک ایکسچینج مکمل طور پر کریش کرگئی' لاہور اسٹاک ایکسچینج میں مندی کا دو سالہ ریکارڈ ٹوٹ گیا۔جمعہ کو کراچی اسٹاک ایکسچینج میں پاکستانی تاریخ کی شدید ترین مندی کا رجحان ہوا۔مندی کے باعث سرمایہ کاروں کے 1 کھرب 86 ارب روپے ڈوب گئے۔بات صرف سٹاک مارکیٹ کی اس تشویشناک صورتحال تک محدود نہیں' عام بازاروں میں بھی اشیاء صرف کی قیمتیں قابو سے باہر ہوچکی ہیں۔کراچی سمیت ملک کے مختلف علاقوں میں آٹے کی گرانی اور کمیابی میں مسلسل اضافہ ہورہا ہے اور تازہ اطلاعات کے مطابق چینی کے نرخوں میں بھی اضافے کا نیا رجحان شروع ہوگیا ہے۔

حکومت عوام کو مہنگائی سے ریلیف دینے میں تاحال ناکام ہے' بلکہ حالیہ دنوں خود حکومت کی جانب سے یوٹیلٹی سٹورز پر اشیاء صرف کی قیمتیں بڑھادی گئی ہیں اور ایک خبر کے مطابق بجلی کے نرخوں میں بھی مزید اضافے کا امکان ہے' اوپر سے بجلی کی قلت کا بھی کوئی حل نکلتا دکھائی نہیں دیتا' شدید گرمی کے دوران ملک کے مختلف حصوں میں بجلی کئی کئی گھنٹوں تک ناپید رہی ہے۔ایمانداری کی بات تو یہ ہے کہ عوام کی زندگی واقعی جہنم بن چکی ہے،لوگ مہنگائی کے ہاتھوں زندہ درگور ہوچکے ہیں اور کوئی صورت کارگر دکھائی نہیں دیتی۔مہنگائی کا عفریت منہ پھاڑے ملکی سلامتی کو نگلتا دکھائی دے رہا ہے۔

پیپلز پارٹی کی طرف سے طویل عرصے بعد آئینی پیکج تادم تحریر سامنے آیا ہے' اس نے ایک نیا پنڈورا باکس کھول دیا ہے اور عوام اسے ''مائنس ون فارمولا'' قرار دے رہے ہیں۔خدا جانے ایسی عوامی جماعت عوام کے جذبات کیوں نہیں سمجھ رہی یا پھر یہاں بھی انانیت کا مسئلہ درپیش

ہے۔ سابقہ فوجی افسران نے صدر مشرف پر مقدمہ چلانے کی درخواست کی ہے اور سیاسی جماعتیں ایک عرصے سے انہیں محفوظ راستہ دے رہی ہیں۔ ایسا دکھائی دیتا ہے کہ اب امریکہ کے بل تیور بدل رہے ہیں۔ دوسری طرف صدر محترم کا یہ حال ہے کہ ''میں نہ مانوں'' صدر پرویز نے کہا ہے کہ ملک میں حقیقی جمہوریت متعارف کروانے کے باوجود ان پر جمہوریت کے خلاف سازشوں کا الزام لگایا جانا انتہائی افسوس ناک ہے۔ سیاست میں تحمل' رواداری اور برداشت کو فروغ دینے کی ضرورت ہے۔ ذرائع کے مطابق صدارتی کیمپ آفس راولپنڈی میں مسلم لیگ ''ق'' کے صدر چودھری شجاعت' قائد حزب اختلاف چودھری پرویز الٰہی اور گورنر پنجاب سلمان تاثیر سے گفتگو کرتے ہوئے صدر پرویز نے کہا کہ وہ چاہتے ہیں کہ پارلیمنٹ اپنی آئینی مدت پوری کرے۔ ٹکراؤ کی سیاست سے جمہوری اداروں کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ چودھری برادران کی ملاقات میں پیپلز پارٹی کا مجوزہ آئینی پیکج بھی زیر غور آیا اور مسلم لیگ ''ق'' اس کی مخالفت کرے گی جبکہ 58 ٹو بی کا قائم رہنا جمہوری اداروں میں توازن کیلئے بہت ضروری ہے۔ گورنر پنجاب سلمان تاثیر نے بھی صدر سے ملاقات کی' صدر نے انہیں منصب سنبھالنے پر مبارکباد دی اور ان کیلئے نیک خواہشات کا بھی اظہار کیا۔ صدر پرویز کا یہ بیان پیپلز پارٹی کے شریک چیئرمین آصف علی زرداری کے اس دھماکہ خیز بیان کے ساتھ ہی سامنے آیا ہے' جس میں ان کی جانب سے صدر کو یہ واضح پیغام دے دیا گیا ہے کہ ''صدر مشرف خود چلے جائیں ورنہ ان کا مواخذہ ہوگا'' اسلام آباد میں پارٹی کی سینٹرل ایگزیکٹو کمیٹی کے اجلاس کے بعد اخباری کانفرنس کے دوران آصف زرداری نے صاف الفاظ میں کہا کہ ''ہم نے انہیں کبھی آئینی صدر نہیں مانا' میثاق جمہوریت کے مطابق اٹھاون ٹو بی ختم کر دیں گے۔ پیکج کے ذریعے تمام اختیارات پارلیمنٹ کو دیے جائیں گے' سازشی ٹولوں کا مقابلہ کرنا جانتے ہیں''۔ قبل ازیں وفاقی وزیر قانون فاروق ایچ نائیک نے میڈیا کو مجوزہ آئینی پیکج کے نکات سے آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ صدر کو حاصل تمام اختیارات وزیر اعظم کو منتقل کرنے کی تجویز ہے۔ کوئی بھی شخص دو مرتبہ سے زائد صدر نہیں بن سکتا۔ آئینی پیکج میں گورنر کی تقرری کا اختیار وزیر اعظم کو دینے کی تجویز دی گئی ہے۔ آصف زرداری کے بیان اور آئینی پیکج میں دی گئی مذکورہ تجاویز سے یہ امر بالکل واضح ہے کہ پیپلز پارٹی کم از کم صدر پرویز کے اختیارات میں کمی کے حوالے سے بہت حد تک یکسو ہو گئی ہے اور وہ صدر پرویز کے لئے ق لیگ کا کردار ادا کرنے پر آمادہ نہیں ہے۔ سیاسی مبصرین کے مطابق آصف زرداری کی جانب سے صدر پرویز کو ''چلے جانے'' کا مشورہ دونوں فریقوں کے درمیان ''پرامن بقائے باہمی'' کے تحت اشتراک کار قائم کرنے کی کوششوں کی ناکامی کی واضح علامت ہے' اور اب جب کہ این آر او کے تحت آصف زرداری پر قائم تمام مقدمات ختم کیے جانے کے بعد ان کی پوزیشن ''کلیئر'' ہو چکی ہے۔ اس لئے اب ان پر دباؤ قائم رکھنے کی کوئی بھی حکمت عملی کارگر ثابت نہیں ہوگی' اگرچہ مسلم لیگ 'ق' کے سربراہ چودھری شجاعت حسین نے آصف زرداری کو ''مفاہمتی عمل'' کے متاثر ہونے کی دھمکی دی ہے لیکن ظاہر ہے کہ اب مفاہمتی عمل میں آصف زرداری کی دلچسپی زیادہ باقی نہیں رہی ہے۔ صدر پرویز اب یہ کارڈ استعمال کرنے کے زیادہ قابل نہیں رہے۔ ان کے پاس آپشنز تقریباً ختم ہو چکے ہیں' اور ذمہ دار حلقے یہ دعویٰ بھی کر رہے ہیں کہ وہ اب 58 ٹو بی نہیں لگا سکتے ان حالات میں ان کے لئے صرف ایک ہی راستہ باقی بچا ہے کہ وہ باعزت صدارت سے مستعفی ہو جائیں کیونکہ ان کے سابقہ جانثار بھی اب ان کو حالات کا ذمہ دار گرداننے لگے ہیں وصی ظفر' ہمایوں اختر اور اب جنرل (ر) قیوم کے بیانات اس کا ثبوت ہیں۔

# قومے فروختند وچہ ارزاں فروختند!

چندروز پہلے بجٹ کے حوالے سے ہونے والے ایک مذاکرے میں کسی ٹی وی چینل پر ڈاکٹر سلمان شاہ سابق وزیر خزانہ اور سابق وزیر اعظم شوکت عزیز کے انتہائی قریبی ساتھی کو میزبان نے جب گزشتہ سال روشن خیال ترقی پسند حکومت کی طرف سے پیش کئے جانے والے بجٹ کے حوالے سے وہ دعویٰ پڑھ کر سنائے جو گزشتہ سال پیش کرتے ہوئے ڈاکٹر سلمان شاہ نے کہا تھا کہ ہم نے ملک میں سرمایہ کاری اور تعمیر و ترقی کے ایسے دریا بہا دیئے ہیں جن سے آنے والی نسلیں سیراب ہوتی رہیں گی، اور سلمان شاہ صاحب سے پوچھا کہ صورتحال تو اس کے بالکل برعکس ہے اور ملک تقریباً قحط کی سی صورتحال سے گزر رہا ہے، جس پر سلمان شاہ صاحب نے ناراض ہو کر ان سے سوال کیا کہ آپ کا کوئی معاشی پس منظر بھی ہے یا صرف سیاسی بیانات پر ہی یہ دھندے کا کمال دکھا رہے ہیں، اور پاکستانی عوام کو یہ سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ جو انہیں نظر آیا ہے یا جن حالات کا انہیں سامنا ہے اصل میں وہ صحیح نہیں ان کی نظر کا دھوکہ یا دماغ کا خلل ہے۔ صحیح وہ ہے جو ان کے نام نہاد اعداد و شمار بتاتے ہیں۔ یہ بالکل ایسی ہی بات ہے کہ کبھی صدر جنرل (ر) پرویز مشرف نے اپنی نشری تقریر میں کی تھی جس میں آپ نے فرمایا تھا جو لوگ ملک میں غربت کا رونا روتے ہیں انہیں موبائل فون اور سپلٹ دکھائی نہیں دیتے جس کے بعد انہوں نے موبائل فون کی تعداد بتائی سپلٹ کی روز بروز بڑھتی پیداوار کے اعداد و شمار گنوائے اور اپنا روایتی مکا لہراتے ہوئے کہا کہ کون کہتا ہے ملک میں غربت ہے۔ یہ شوکت عزیز کی ''ٹریکل ڈاون اکانومی'' کا کمال تھا کہ عوام اور ماہرین معیشت کچھ بھی کہتے رہیں ان کی بکواس پر کان دھرنے کے بجائے اپنی باتیں سناتے رہو بھوکے ننگے عوام کے سامنے اپنی ترقی کے ڈنکے بجاتے رہو۔ آج تک ان کے مشیروں نے یہی لائن پکڑی ہوئی ہے اور اسی پر عمل کر رہے ہیں لیکن کبھی کبھی سونار کی اور ایک لوہار کی بھی ہو جاتی ہے۔ یوں تو گزشتہ دور حکومت میں بھی تقریباً ہر غیر جانبدار معاشی ادارے نے پاکستانی معیشت اور شوکت عزیز کی ''ٹریکل ڈاون اکانومی'' کی اصلیت بے نقاب کی لیکن انتہائی ڈھٹائی سے اسے نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

کبھی کبھی سٹیٹ بنک آف پاکستان کی طرف سے رپورٹ جاری ہوتی تھی جس میں حکومت کی اقتصادی پالیسیوں کی دھجیاں اڑائی جاتی تھیں لیکن حکومت اسے بھی درخور اعتنا ہی نہیں جانتی تھی۔ اب سٹیٹ بنک نے ایک اور لرزہ خیز رپورٹ جاری کی ہے۔ سلمان شاہ صاحب کی خدمت میں عرض ہے کہ ہم تو ان کی طرح ماہر معیشت نہیں لیکن امید ہے وہ سٹیٹ بنک کے ماہرین کو ضرور پڑھے لکھے تسلیم کریں گے جنہوں نے گزشتہ دور حکومت کی انقلابی اقتصادی پالیسی کے بعد ملک جس صورتحال سے دوچار ہے اس کا جائزہ پیش کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں اور سلام پیش کریں ان ماہرین معیشت کو جو ہمیں آٹھ سال بے وقوف بناتے رہے۔

اسٹیٹ بنک آف پاکستان نے اپنی تیسری سہ ماہی رپورٹ جاری کر دی ہے جس کے مطابق گزشتہ بجٹ میں مقرر کردہ اکثر اہداف

حاصل نہیں کئے جا سکے۔ تجارتی خسارہ 20 ارب ڈالر سے متجاوز ہو گیا ہے۔ ملک کی مجموعی پیداوار میں اضافے کی شرح میں کمی ہوئی ہے اور آئندہ مالی سال کے دوران مہنگائی میں اضافہ جاری رہے گا۔ رواں مالی سال کے اختتام پر افراط زر کی شرح 11 سے 12 فیصد رہنے کے امکانات ہیں جو گزشتہ پانچ سالوں میں پہلی دفعہ ہے۔ اپریل 2008ء کنزیومر پرائس انڈیکس کی شرح 17.22 فیصد رہی ہے جو اپریل 1995ء کے بعد بلند ترین سطح ہے جبکہ درآمدات 39 ارب ڈالر کی بلند ترین سطح پر ہوں گی۔ لارج اسکیل مینوفیکچرنگ کی شرح میں گزشتہ سال کے مقابلے میں صرف جولائی سے مارچ کے دوران 50 فیصد کمی ہوئی۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ پاکستان کی معیشت بڑھتے ہوئے دباؤ کا شکار نظر آ رہی ہے۔ کئی منفی ملکی و عالمی واقعات اہم معاشی اظہاریوں میں بگاڑ کا باعث بن رہے۔ حکومتی قرض گیری کا اثر خاص طور پر مالی سال 2008ء میں نمایاں رہا ہے اور 10 مئی 2008ء تک یہ قرض بڑھ کر 551.0 ارب روپے تک پہنچ گیا ہے جو ریکارڈ ہے جس سے واجب الادا مجموعی قرض 940.6 ارب روپے ہو گیا ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ حکومت کو مالیاتی خسارے کی نمو روکنے کے لئے ہنگامی اقدامات کرنے ہوں گے۔ اسٹیٹ بینک کی یہ لرزا دینے والی رپورٹ عین ایسے وقت میں سامنے آئی ہے جب ملک میں بجٹ کی تیاری آخری مرحلے میں ہے اور عوام نئی منتخب حکومت سے مہنگائی سے ریلیف ملنے کی آس لگائے بیٹھے ہیں۔ اسٹیٹ بینک کی اس رپورٹ کے تناظر میں نئے بجٹ میں عوام کو کوئی ریلیف ملنے کی توقع رکھنا تو درکنار الٹا مہنگائی اور افراط زر میں مزید اضافے کا خدشہ دامن گیر ہے اور ایسا لگتا ہے کہ مہنگائی کا ایک اور سیلاب بلا پاکستان کے پہلے سے مفلوک الحال غریب عوام کی طرف امڈ آنے والا ہے۔ ابھی سے بجلی اور گیس کی قیمتوں میں مزید اضافے کی ''خوشخبریاں'' دی جا رہی ہیں اور پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں یکم جون سے نئے اضافوں سے متعلق سمری تو مسترد کر دی جس کے بعد اوگرا نے تیل کی قیمتیں برقرار رکھنے کا اعلان کیا لیکن کیا یہ محض بجٹ کا پیشگی تاثر خراب ہونے سے بچانے کی کوشش ہے؟ اس کا جواب نفی میں نہیں دیا جا سکتا کیونکہ جس شرح کے ساتھ پٹرولیم مصنوعات میں اضافے کی سمری اوگرا نے تیار کی تھی اگر اس کے مطابق اضافہ کر لیا جاتا تو بجٹ بے معنی ہو کر رہ جاتا اور عوام کا شدید ردعمل سامنے آ جاتا۔ اب حکومت کا اصل امتحان یہ ہے کہ وہ بجٹ میں مہنگائی کے خاتمے بالخصوص تیل اور اشیاء خوراک کی قیمتوں پر قابو پانے کے لئے کیا اقدامات کرتی ہے۔ 20 ارب ڈالرز سے زائد کے تجارتی خسارے کے ہوتے ہوئے حکومت کے لئے عوام کو اشیاء صرف پر مزید سب سڈی دینا آسان نہیں ہوگا۔ یہ امر کسی حد تک حوصلہ افزا ہے کہ بین الاقوامی مارکیٹ میں تیل کی قیمتوں میں مسلسل اضافے کا رجحان رک گیا ہے، اور اب اس میں کمی بھی ہونا شروع ہو گئی ہے۔ حکومت کو اس صورتحال سے فائدہ اٹھانے کے ساتھ ساتھ تیل کے درآمدی بل میں حتی الامکان کمی کے لئے ٹھوس اقدامات کرنا ہوں گے۔ توانائی کے متبادل ذرائع کے فروغ اور بالخصوص پیٹرولیم مصنوعات کی جگہ قدرتی گیس کے استعمال کو بڑھانا ہوگا۔

اس کے ساتھ ساتھ حکومت کو غیر ضروری درآمدات خاص طور پر اشیاء تعیش کی درآمدات کی حوصلہ شکنی کرنا ہوگی اور ملکی مصنوعات کے استعمال کی تحریک چلانا ہوگی۔ ساتھ ساتھ حکومت کو غیر ترقیاتی اخراجات سرکاری عیاشیوں اور فضول خرچیوں کو سختی سے روکنا ہوگا اور سرکاری سطح پر ملک میں سادگی اور کفایت شعاری کے رجحانات کو فروغ دینا ہوگا۔ ملک کو اس وقت اشیاء خوراک کے بحران کا سامنا ہے۔ اس کی واحد وجہ زراعت کے شعبے پر توجہ نہ دینا ہے۔ اسٹیٹ بینک کی اسی رپورٹ کے مطابق ملکی معیشت کی سست روی کی اہم وجوہ میں زرعی سیکٹر کی بدحالی سر فہرست ہے۔